

تحفۂ طالبِ علم
و
تذکرۂ اہلِ علم

پسند فرمودہ

حضرت ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

تالیف

مولانا مفتی محمد خبیب نقشبندی غفوری حفظہ اللہ
امام وخطیب جامع مسجد کوہ نور کراچی

اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ليس اليتيم الذى قدمات والده
بل اليتيم يتيم العلم والحسب

تحفۂ طالب علم و تذکرۂ اہل علم

پسند فرمودہ
شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزیؒ

مرتّب
مولوی محمد خبیب کابلگرامی
جامعہ دار العلوم الصفہ کراچی

ناشر:
اسلامی کتب خانہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔ فون: 4927159

نام کتاب: ....تحفۂ طالبِ علم و تذکرۂ اہلِ علم

مؤلف...... مولوی محمد خُبیب کابلگرامی ابن مولانا سلیمان نوراللہ مرقدہٗ

تعداد.......................... ۱۰۰۰

تاریخ طباعت............... جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ جولائی ۲۰۰۳ء

ناشر.............. اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

ملنے کا پتہ:

علمی کتاب خانہ مین گیٹ جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

علمی کتاب گھر اردو بازار کراچی

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی

مکتبہ علمیہ بنوری ٹاؤن کراچی

درخواستی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبہ بنوریہ بنوری ٹاؤن کراچی

دارالکتاب اردو بازار لاہور

مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

وحیدی کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور

عمر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور

مکتبہ حبیبیہ سواڑی بازار بونیر سرحد

انتساب

میں کیا اور میرا مبلغ علم وقلم کیا، میرے اور میرے اساتذہ کے سینہ میں علم کا جو نور اور عمل کا جو جذبہ ہے وہ اللہ کے فضل وکرم کے بعد آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا نتیجہ ہے اس لئے میں اپنی اس طالب علمانہ کاوش کو آقائے نامدار امام الانبیاء آمنہ کے لخت جگر ساقیٔ کوثر شفیع محشر پیغمبر انقلاب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتا ہوں۔

اور

اپنے والد محترم حضرت مولانا سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ان کی طرف منسوب کرتا ہوں۔ اللہ ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔ آمین

محمد خُبیب اظہر کابلگرامی

متعلم دار العلوم الصفہ کراچی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

عنوان	صفحہ

صفحہ	عنوان

عنوان	صفحہ

لیس الجمال باثواب تزیّننا

ان الجمال جمال العلم والادب

لیس الیتیم الذی قد مات والدہ

بل الیتیم یتیم العلم والحسب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مؤلف

ابھی طالب علمی کا زمانہ تھا کہ بندہ نے اس کتاب سے قبل دو کتابوں کے لکھنے کا ارادہ کیا ان میں سے ایک کتاب اسم اعظم کے بارے میں تھی چنانچہ ایک کتاب پر تھوڑا سا کام بھی ہو چکا تھا لیکن بہر کیف چونکہ اللہ رب العزت کو منظور نہیں تھا اسی بناء پر وہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکیں۔ پھر اللہ جل شانہ نے دل میں ڈالا کہ کسی ایسے موضوع پر قلم اٹھاؤں کہ جس سے طلباء کرام مستفید ہوسکیں۔ لہٰذا میں نے اللہ کا نام لے کر قلم چلانا شروع کردیا اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے لکھ ڈالا۔ لیکن میری مثال (جیسا کہ استاد محترم مولانا یونس سعدی جروار صاحب مدظلہ نے خود اپنے بارے میں فرمایا کہ) اس پنچھی کی مانند ہے۔ جو گھونسلے سے تو اڑنا چاہتا ہے مگر آسمان کی بلندیوں اور وسعتوں کو دیکھ کر ٹھٹک جاتا ہے۔ یقیناً میں اس سے مختلف نہیں ہوں۔ سب سے پہلے میں اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں سارا جہاں ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔

اتنی عظیم ذات جس کی تعریف کا احاطہ کوئی مخلوق نہیں کرسکتی ہے۔ کہ اس نے مجھے اس موضوع پر قلم اٹھانے کی توفیق عطا فرمائی ورنہ میں کمزور اور عاجز شخص اس کی کہاں جرأت کرسکتا تھا۔ درحقیقت اسی ذات کا فضل وکرم اور احسان عظیم ہے۔

خصوصاً میرے مشفق ومکرم اور میرے مربی اساتذہ کی محنت ہے انہی کی جدوجہد اور سعی سے میں اس قابل ہوا کہ میں کسی موضوع پر قلم اٹھاؤں۔ خدا کی کروڑہا رحمتیں میرے اساتذہ کرام پر برستی رہیں خدا ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور

ان کو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لے۔
میں نے اس کتاب کو دو بابوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا باب طالبعلموں کے لئے عجیب اور غریب نصائح سے لبریز ہے اور دوسرے باب میں اہل علم کے حالات ہیں جس کے تذکرہ کرنے سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اوّل یہ کہ اس سے برکتیں نازل ہوتی ہیں دوم یہ کہ ان کی سیرت وکردار کو لکھنے والا گویا یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مجھے ان صلحاء وعلماء سے محبت ہے۔ اور ارشاد الٰہی:

(اولئک الذین ھدی اللہ فبھداھم اقتدہ) اور حدیث نبوی ''المرء مع من احبّ'' کے پیش نظر بارہ گاہ الٰہی میں ان اکابر کی بدولت اپنی ہدایت اور نجات اخروی کی درخواست کرتا ہے۔ سوم یہ کہ علماء وصلحاء کی سیرت وسوانح پڑھنے سے قاری کے دل میں عمل کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس سے انسان کی اپنی سیرت وکردار کی تکمیل ہوتی ہے۔

میں خاص کر استاذ العلماء عالم باعمل حضرت مولانا قاری حق نواز صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا نہایت مشکور ہوں جن کے بنائے ہوئے گلستان ''جامعہ دارالعلوم الصفہ'' کے مبارک ماحول میں رہتے ہوئے اور جامعہ کی مسجد کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ کر اس کتاب کو اللہ کے فضل وکرم سے میں نے پایہ تکمیل تک پہنچایا اور اس ٹھنڈے فرش پر جو سکون حاصل ہوتا ہے شاید کسی بادشاہ کے محل میں بھی نہ حاصل ہوتا ہو۔

نیز میں شکریہ ادا کرتا ہوں اپنے ہم درس عبد الرحمٰن جامی کا کہ ان کا تعاون شامل حال رہا اور اور ساتھ ہی اپنے برادر عزیز قاری ضیاء الحق کا بلگرامی کا بھی ممنون ہوں۔ لکھنے کے دوران راقم الحروف نہایت بیمار رہا لیکن ساتھیوں کا اصرار تھا اور وہ بڑے منتظر تھے۔ انتظار کی گھڑیوں کو ختم کرنے کے لئے راقم الحروف نے اس کتاب کو بڑی عجلت میں تیار کیا۔ الحمد للہ اب یہ آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے اور یہ کتاب بندہ ناچیز کی

طالبعلمی کے دوران لکھی جانے والی پہلی تالیف ہے اگر پڑھنے کے دوران اس میں کوئی غلطی نظر آئے تو راقم الحروف کو ضرور مطلع فرمائیں اور پڑھنے والوں سے گذارش ہے کہ بندہ کے لئے اور بندہ کے والدین محترم کے لئے خصوصی دعائے خیر فرمائیں۔ دعاہے کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو میرے لئے اور میرے والدین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔آمین ثم آمین۔

محمد خُبیب کابل گرامی ابن مولانا سلیمان رحمہ اللہ
متعلّم دارالعلوم الصفہ سعید آباد بلدیہ ٹاؤن کراچی
بوقت ۱۱ بجے رات بمطابق ۱۲/۱/۱۴۲۴ھ

تعارفی کلمات

شیخ الحدیث حضرت مولانا کمال الدین المسترشد

استاد الحدیث جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حومدًا ومصلیًا ومسلماً

اللہ جل مجدہ کی شان عالی دیکھئے کہ اس نے انسان کے اندر نعم وحکم کے کیسے اور کتنے چشمے ودیعت فرمائے ہیں اس لامتناہی فہرست میں علم کی دولت فوق الکل ہے اسی کی بناء پر اللہ نے اسے اشرف المخلوقات ٹھہرایا اور مسجود ملائک بنایا۔

یہ دولت نہ خریدی جاسکتی ہے اور نہ ہی سلب وغصب کی جاسکتی ہے۔ یہ محض اللہ کے فضل اور پھر اپنی خدا داد استعداد کو بروئے کار لاکر محنت سے حاصل کی جاسکتی ہے کبھی تو شہر اپنے اس سے بے بہرہ نظر آئے اور کبھی یتیم اور مسکین اس سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

جلال الدین سیوطی جیسی شخصیت باپ کے سہارے کے بغیر افق دنیا پر اتنے چھاگئے کہ چالیس سال کی عمر میں ان کی تالیفات وتصنیفات کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی تھی۔

زیر نظر کتاب ''تحفۃ طالب علم وتذکرہ اہل علم'' جناب محمد خبیب صاحب زید مجدہ ابن مولانا سلیمان صاحب نور اللہ مرقدہ کی پہلی کاوش ہے۔

موصوف دریائے سندھ کے لب پر واقع مشہور متوسط گاؤں کا بلگرام کے شمال مغربی علاقہ میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اسی گاؤں میں اپنی والدہ محترمہ اور مشہور

زمانہ جید عالم شیخ التفسیر مولانا ولی اللہ کابلگرامی صاحب جو رشتہ میں مؤلف کے ماموں ہیں کی زیر سرپرستی حاصل کی، اسی گاؤں کے مدرسہ میں قرآن مجید بھی حفظ کرلیا دیگر اہل علم کی طرح مزید تعلیم کے لئے آپ نے بڑے مدارس کا رخ کیا اور آج دارالعلوم الصفہ سعید آباد کراچی میں زیر تعلیم ہیں۔

درجہ خامسہ کا یہ طالب علم محنت اور شوق علم کا کس حد تک حامل ہے اس کا اندازہ ناظرین وقارئین حضرات ان کی کتاب سے لگاسکیں گے۔

اس کتاب میں موضوع کے حوالے سے جہاں ایک طرف بہت سا مواد ہے وہیں دوسری جانب طلباء وعلماء کیلئے درس محنت بھی ہے بزبان حال یہ کتاب ہمیں بآواز بلند پکار رہی ہے کہ محنت کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کی کتاب بھی اتنی شیریں لگے جیسے جام شیریں۔

کتبہ کمال الدین المسترشد
جامعہ اسلامیہ کلفٹن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

استاذ العلماء یادگار اسلاف حضرت مولانا قاری حق نواز صاحب

مدیر مدرسہ دار العلوم الصفہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

اما بعد:

حاملین وعاملین علوم نبوت نے علوم نبویہ کے بحر بیکراں میں اپنی بساط کے مطابق غوطہ لگا کر بے بہا موتی چنے ہیں اور اس میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی اور پھر ان موتیوں کو بکھیرنے میں کمال کی آخری حدود کو چھولیا۔

کسی نے تحریر وتصنیف کے ذریعے یہ موتی بکھیرے تو کسی نے تقریر وتبلیغ کے ذریعے اور کسی نے تو اپنی جان پر کھیل کر بہرحال ہر ایک نے اپنے اپنے میدان میں حیران کن کارناموں کے ذریعہ سے دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

یہ بھی انتخاب خداوندی ہے کہ ان تمام کے پیچھے ایک ہی فیکٹری کام کر رہی ہے یعنی یہ خدمات انجام دینے والے دینی مدارس ہی کے فیض یافتہ یا کم از کم صحبت یافتہ ہیں۔ اللہ نے ان اداروں سے وہ رجال کار پیدا فرمائے کہ جن کا نہ کوئی ثانی ہے اور نہ ہی ان کی کوئی نظیر ہے۔ بقول مولانا مفتی حسن رحمہ اللہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور ان اداروں کے ذریعہ خاک چھان کر گمشدہ ہیرے کی تلاش وجستجو والا، اللہ نے ہمیں بنایا ہے۔ فللّٰہ الحمد ولہ الشکر اس امید پر ہم یہ خاک چھان رہے ہیں کہ کوئی ایک ہیرہ ہمیں ایسا دستیاب ہوجائے جو جہنم کی خوفناک وخطرناک آگ سے ہماری

نجات کا ذریعہ بن جائے۔

دوران تعلیم کسی طالب علم کی بھرپور صلاحیتیں نہیں نکھرتی ہیں ہاں البتہ کچھ سعید طلباء کی پیشانیوں سے مستقبل کی روشن کرنیں پھوٹتی ہوئی بعض دفعہ نظر آتی ہیں۔ انہیں میں سے ایک پھول ایک روشن ستارہ عزیز القدر محمد خُبیب کا بلگرامی ہے جو اس کتاب ''تحفہ طالب علم وتذکرۃ اہل علم'' کے مصنف ومؤلف ہیں۔ اپنی تعلیم میں کسی تقصیر کے بغیر نہ جانے کب اور کونسا وقت نکال کر یہ علمی مواد جمع کیا؟ یہ ان کی محنت اور صحیح مصرف میں استعمال وقت کی بین دلیل ہے اور جس میں میرے ادارہ کے انتہائی مربی اساتذہ کی تربیت کا بڑا دخل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس نوعمری کی عظیم خدمت کو اپنی مخلوق کے لئے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور میری اور میری اہلیہ محترمہ (جو طلباء کو اپنے بچوں کی طرح عزیز اور ہر طرح کا خیال رکھتی ہیں) کے لئے، میرے جملہ خاندان کے لئے ادارہ کے جملہ اساتذہ اعوان وانصار کے لئے نجات اخروی کا ذریعہ بنائے۔ مؤلف کے لئے سعادت دارین کا ذریعہ بنائے اور انہیں علوم نبویہ سے وافر حصہ نصیب فرمائے آمین ثم آمین۔

حق نواز

مدیر دار العلوم الصفہ، سعید آباد بلدیہ ٹاؤن کراچی

۱۴ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد صاحب

استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

الحمد للّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبیّ بعدہ

اما بعد: اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بوجہ علم مسجود ملائکہ بنایا حضرت طالوت کو بوجہ علم ایک امت کا بادشاہ اور خلیفہ بنایا۔ اور "**وزادہ بسطۃ فی العلمِ والجسم**" کا استحقاقی اعزازی خطاب سے نوازا۔ بوجہ علم حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو خزائن الارض کا امین بنا کر "**انی حفیظ علیم**" کی علمی سند عطا فرمائی۔

کائنات عالم میں رُموز الٰہیہ اور اسرار ربانیہ کے جاننے پہچاننے کا عظیم اعزاز بوجہ علم علماء کرام کو عطا کر کے فرمایا:

﴿وتلک الامثال نضربها للناس وما یعقلها الا العالمون﴾

انسان کو بوجہ علم اشرف المخلوقات بنایا۔ چنانچہ علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ جن انسانوں تک نبیوں کی آسمانی تعلیمات پہنچی ہے اور انہوں نے اس پر عمل کیا ہے وہ انسان بنے ہیں۔ اور جن انسانوں تک نبیوں کی تعلیمات نہیں پہنچی ہے وہ دیگر انسانوں کے لئے باؤلے کتوں کی طرح مضر ہیں جو انسان کہلانے کے مستحق نہیں ہیں، سچ تو یہ ہے کہ یہ کہا جائے

پئے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

عزیزم طالب علم محمد خُبیب کا بلگرامی صاحب نے ''تحفۂ طالب علم وتذکرہ اہل علم'' کے نام سے علم وعلماء کی فضیلت وتاریخی حقائق وسوانح پر مشتمل ایک مجموعہ تیار کیا ہے میں نے جگہ جگہ صرف عنوانات دیکھے ہیں باقی مضامین کے پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ طلباء واہل علم کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

فضل محمد بن نور محمد یوسف زئی
استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی
۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب دامت برکاتہم

استاد الحدیث جامعہ العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

حامداً و مصلیاً

''تحفۂ طالب علم وتذکرۂ اہل علم'' دارالعلوم الصفہ سعید آباد کے ایک طالب علم، محمد خُبیب اظہر کی ایک طالب علمانہ کوشش ہے ان کی طلب پر ان کی حوصلہ افزائی وتشجیع کی غرض سے یہ سطور تحریر کی گئی ہیں، ساتھ ہی دعاء بھی ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازے، اخلاص کی دولت سے ہمکنار فرمائے اور کوششوں، صلاحیتوں میں اضافہ وترقی عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط والسلام

۱۴۲۴/۲/۱۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پسند فرمودہ

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ

بندہ ناچیز تقریظ کے سلسلہ میں جب داعی قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو انہوں نے اولاً کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھا، اس کی فہرست پر نظر ڈالی، اس پر لکھی گئی تقریظات کو پڑھا، اس کے مواد کو دیکھا، مختلف سوالات کئے اور فرمایا:

"مولوی صاحب آپ نے تو کمال کر دیا آپ تو چھپے ہوئے رستم نکلے، آپ وقت سے پہلے بالغ ہوگئے۔ عجیب کتاب لکھی ہے یہ کتاب ہے یا کئی کتابوں کا مجموعہ اور تلخیص، آپ کا انتخاب خوب ہے اور انداز مجھے محبوب۔ مگر بندہ تقریظ لکھنے سے محجوب ہے۔ نہ افادیت کا قائل نہ ہی اہل، سراپا جہل ہے۔ چاہیں تو ان الفاظ کو بطور تقریظ کے کتاب میں شامل فرمالیں۔"

محمد اسلم شیخوپوری

۱۴۲۴/۲/۲۱ھ

بوقت بعد نماز مغرب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم

استاد الحدیث جامعہ بنوریہ ورئیس جامعۃ الحرمین الاسلامیہ

عزیز محترم مولانا محمد خبیب اظہر کا بلگرامی صاحب کی تالیف ''تحفہ طالب علم و تذکرہ اہل علم'' دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور اس وقت خوشی دوبالا ہوگئی اور اس میں تعجب کا عنصر بھی شامل ہوگیا جب یہ معلوم ہوا کہ اس کتاب کے مولف طالب علم ہیں اور ابھی دارالعلوم الصفہ میں زیر تعلیم ہیں۔ ما شاء اللّٰہ لا قوۃ الا باللّٰہ.

ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

یہ مولف موصوف کی ایک بہت اچھی اور قابل تقلید کاوش ہے۔ اسے جتنا سراہا جائے کم ہے۔

عربی کا ایک مقولہ ہے العلم صید والکتابۃ قید. ''علم ایک شکار ہے جسے کتابت کے ذریعہ قید کیا جاسکتا ہے'' علمی شہ پارے لکھ کر صرف اپنا ہی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس طرح دوسروں کو اپنے حاصل مطالعہ میں شریک بھی کیا جاسکتا ہے۔ گویا کسی کتاب کا مولف ومصنف اپنی کمائی اور محنت کو مل بانٹ کر کھانے کے اصول پر عمل پیرا ہوتا ہے اور اپنی علمی کوشش کے لئے ایک طویل عرصہ تک دوام اور بقاء کی صورت پیدا کرلیتا ہے۔

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

وما من كاتب الا سيبلى ويبقى الدهر ما كتبت يداه
فلا تكتب بخطك غير شئى يسرك فى القيامة ان تراه

ترجمہ: ''جو بھی لکھنے والا ہے وہ ایک نہ ایک دن بوسیدہ ہو جائے گا مگر اس کے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک لمبے زمانہ تک باقی رہے گا۔ لہٰذا تم اپنے ہاتھوں سے صرف ایسی چیز ہی تحریر کرو جسے قیامت کے دن دیکھ کر تمہیں خوشی حاصل ہو۔''

عزیز موصوف نے جو کوشش کی ہے انشاء اللہ وہ علماء وطلباء کے لئے یکساں مفید ثابت ہوگی اور تحریری کاوش جاری رہی تو امید ہے کہ آں عزیز کے کام میں مزید نکھار پیدا ہوتا چلا جائے گا اور مستقبل میں اچھے مولفین و مصنفین کی صف میں اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

عتیق الرحمٰن
۲۱/صفر۱۴۲۴ھ
۲۴/اپریل۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مولانا قاضی اسامہ
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

دین اسلام نے تعلیم و تعلّم کو جو رفعت و اہمیت دی ہے وہ دنیا کے کسی بھی مذہب وملت نے نہیں دی، یہی وہ دین ہے جس کے پیغام ابدی وازلی کا آغاز "اقرأ" سے ہوتا ہے بانی اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی علم وعمل سے عبارت ہے، یہ وہ درس گاہ ہے جو صرف حضر میں ہی نہیں بلکہ سفر میں بھی شاداب ومعطر رہتی ہے جس کا ہر طالب علم حامل سیف وقلم تھا۔

علم وجہاد ان کی زندگی کا لازمہ اور عمل ان کا خاصہ تھا، قرآن پاک اور حدیث مبارک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلّم کے مقام بلند سے یاد فرماتے ہیں علم وعمل اس امت کی کاوشوں کا محور ومرکز اور مدارالمہام ہے، اس کے ماننے والے قدوسی صفت طلباء وعلماء نے طلب علم میں زندگیاں کھپائیں۔ مشرق ومغرب کے فاصلوں کو ملایا شمال وجنوب کی وسعتوں کو سمیٹا تاریخ انسانی میں ایسے محیر العقول واقعات کا اضافہ کیا جس سے ماضی وحال کی قومیں محروم ہیں۔ جو آج بھی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہیں اسلام کا ماضی ایسے کرداروں سے واقف ہے جو اندلس میں پیدا ہوئے اور خراسان میں پیوند زمین بنے جو ارض سمرقند وبخارا سے اٹھے اور مصر میں تہہ خاک نہاں ہیں ان کا اس طرح سرزمین وطن سے بُعد ومسافت میں جانا صرف علم کے حصول کے لئے تھا، عالم

اسلام میں اس وقت بھی روشنی کی کرنیں ضوء فشاں تھیں جب دوسری لگام بشمول یورپ جہالت کی تاریکیوں میں غلطاں تھی۔

مسلمان علماء و محققین نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے کئی ایسے محیر العقول علوم ایجاد کئے کہ لوگ ان کا طمطراق ونس بندی دیکھ کر انگشت بدنداں ہیں۔

مسلمانوں کو فکر و دانش سے یہ تعلق محض ضرورت معاشی کفالت ونفع دنیا کے حصول کیلئے نہ تھا بلکہ ان کا تعلق علم وفہم سے مذہبی اور جذباتی بھی تھا کہ ان کے مذہب کے بانی ان کے اولین شاگرد، شاگردوں کے شاگرد علمی نشے میں مخمور اور ان کے دل علم کی فکر و قیمت سے معمور تھے۔ پھر ان کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہمارے دین کی آسمانی کتاب خداوند لم یزل کا لافانی کلام اس کے نہ ختم ہونے والے نکات، اس کے معانی کا ناپید کنار سمندر، اور مفاہیم کا بحر بیکراں، صرف تعلیم و تعلّم سے پھل پھول سکتا ہے۔

اور اس کی تبلیغ واشاعت، مشرق ومغرب میں اس کے آوازے کو عام کرنے کے لئے بھی علم کی اشد ضرورت ہے۔ نیز انہیں یہ بھی احساس تھا کہ ہمارے دین اسلام کی دوسرے بڑی بنیاد شارع اسلام۔ ہادیٔ کل، ختم الرسل کے ارشادات وفرامین پر مبنی ہے اور اس کی حفاظت صرف سینہ بسینہ ہی نہیں اس کے لئے کتابت وخطابت درس وتدریس تصنیف وتالیف بھی ضروری ہے۔ پھر ان کے پیش نظر اپنے آقائے نامدار کے وہ فرامین بھی تھے جو انہوں نے علم کی فضیلت میں ارشاد فرمائے تھے اور معلم و متعلّم دونوں کو معاشرہ کا افضل ترین فرد فرمایا۔ تو ایک ایسی قوم جس کا خمیر ہی تعلیم سے اٹھے۔ جس کے قانون کی ہر دفعہ سینوں میں محفوظ ہونے کے باوصف سفینوں میں بھی موجود ومحفوظ ہو۔ جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی لازوال کتاب ہو جس کے ہادی سے فرامین کو نقل کرنے والے لاکھوں افراد کے حالات زندگی کتابوں میں مل جائیں جس کے قانون جہانبانی کی لاکھوں فروعات فقہاء مرتب کر کے چلے جائیں۔ اس قوم کا علم سے لگاؤ وتعلق کیسا ہوگا قاری خود اس کا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں علماء نے اس راستہ میں اپنی زندگیاں تج دیں ہر فن وموضوع پر بیسوں نہیں سینکڑوں کتابیں لکھ ڈالیں۔ جس علاقے میں مسلمان علماء پہنچے اس علاقے کی تاریخ وثقافت کو اسلام میں ڈھالا اور پھر اس کو صحف میں محفوظ کر لیا۔ وہیں مسلمان بادشاہوں نے اس راہ کے طالبین کے لئے اپنے دیدہ ودل فرش راہ کر دیئے۔ مدارس تعمیر کروائے، مساجد بنوائیں۔ سہولیات سفر مہیا کیں، وظائف جاری کئے، جاگیریں عطا کیں، پورے پورے شہر علماء وطلبہ اور ان کے وظائف وتحائف وضروریات کے لئے مخصوص کر دیئے صرف یہی نہیں بلکہ خود نیاز مندانہ علماء کی مجالس میں حاضر ہوتے اور عام طلبہ کی طرح بیٹھ کر اپنے نیاز مندی کا اظہار کرتے یہاں تک یہ بھی ہوا کہ علماء کو اپنے کندھوں پر سوار کرتے۔ ہر سال ان کو سونے اور چاندی میں تولتے اور پھر وہ سونا چاندی انہی کی نذر کر دیتے (تفصیلات کے لئے دیکھئے "المسلمون فی الھند" مولانا ابوالحسن علی ندوی)

مسلمانوں کی دوسری خصوصیت جس سے دوسری قومیں نا آشنا ہیں۔ اس میدان میں یہ ہے کہ انہوں نے حصول علم کا طریقہ کار اس کے آداب، استاذ وشاگرد کے تعلقات کی نوعیت، ان کی نزاکت، حصول علم میں ان کی اہمیت کتاب کاغذ قلم سیاہی اور دوسرے آلات علم کا ادب، اور صحیح وغلط استعمال کی تفصیلات کو مدون ومرتب کیا جبکہ یہ لوگ پہلے ان پر عمل کر چکے تھے چنانچہ درسگاہ دین میں سب سے پہلا سبق انہی آداب کی رعایت وحفاظت کے بارے میں ہوتا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ طالبعلم واستاذ کا رشتہ پہلے ہی دن اتنا مضبوط اس قدر گہرا اور پر تاثیر ہو جاتا ہے کہ ایسا معلوم ہوگا کہ ان میں صدیوں سے شناسائی ہے طالب علم استاذ کا انتہائی ادب بجا لائے گا تو استاذ شاگرد کو اپنے عزیز کی طرح دیکھے گا استاذ کی موجودگی میں شاگرد کا بے ادبی سے بات کرنا یا استاذ کو نظر انداز کر دینا یہ تو گویا اس کے لئے ایک گناہ کبیرہ کا درجہ رکھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی طبیعت ہی کے خلاف ہے۔ ان آداب کا

کرشمہ ہے کہ دینی تعلیم، اس کے مراکز روزفزوں ترقی پر ہیں، نادیدہ قوتیں ان کا تحفظ کررہی ہیں اوران کوامداد مہیا کررہی ہیں۔

ہماری حکومتوں کوخوردبین کے ذریعہ سے بھی ان کوکوئی غیرملکی امداد، ملتی نظرنہیں آئی اور نہ ان کوکوئی ایسا سہارا ملا کہ جس کی بنیاد پر مدارس کے خلاف کارلوائی کی جاتی جبکہ دوسری طرف حکومتی تعلیمی ادارے ان کا نظام تعلیم ان کا ماحول حکومت کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے جواپنی پیدائش سے لے کرآج تک بگاڑ کا محور ومرکزثقل ہے کہ پوری قوم کا مزاج بگڑ کرایسا ناسور بن چکا ہے کہ جس کوکاٹ پھینکنے کے علاوہ کوئی چارہ معلوم نہیں ہوتا۔

ہمارے عزیزمحترم جناب مولوی خُبیب کا بلگرامی صاحب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اوراس کواپنی تگ وتاز کی جولان گاہ بنا کرایک کتاب انتہائی محنت وجانفشانی سے لکھی جوظاہر ہے کہ ان کی تصنیفی زندگی کا آغاز ہے جس میں عبارتی ولفظی سقم تو مل سکتا ہے لیکن معنوی طور سے یہ محکم ہے اور اس میں مہیا کردہ معلومات بلاشک اکابر واسلاف کی زندگیوں کا نچوڑ، اوران کی تعلیمی کاوش کا لب لباب ہے، صدیوں سے یہ نسخے آزمودہ وفرمودہ ہیں۔

اس کتاب کوانہوں نے دوحصوں میں منقسم کیا ہے۔ پہلے حصے میں حصول علم کے آداب وطریقہ کار سے بحث کی ہے۔ کہ جن کی ایک طالب علم کوطلب علم کے دوران ضرورت ہوتی ہے اوران کواپنی عملی زندگی میں جگہ دیکر طلب علم کے راستے کی کٹھن منازل کوبآسانی طے کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے حصے میں مشہوراہل فضل وکمال کے حالات زندگی میں سے کچھ بطور نمونہ واسوہ کے پیش کیا گیا ہے یہ اس لئے ضروری تھا کہ فارمولہ اورکلیہ کتاب میں تو صرف صفحات کی زینت یا پھراذہان کا مظروف ہے لیکن جب وہ زندگیوں میں ڈھلتا ہے تو کردار کی صورت اجلا صاف نظرآتا ہے۔ پھرمثبت ومنفی پہلوآنکھوں کے سامنے اجاگرہوجاتے ہیں جس میں علم ظن وتخمین سے نکل کرعین الیقین اور پھرحق الیقین بن

جاتا ہے۔

واقعات وحالات زندگی کا ایک درخشاں پہلو وہ بھی ہے جس کی طرف اکثر اکابر نے اشارہ کیا ہے بلکہ صراحت فرمائی ہے کہ ان سے قوت عمل میں تازگی اور عزم میں رسوخ پیدا ہوتا ہے اس کے متعلق ہم یہاں صرف ایک اقتباس عارف ربانی شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی کتاب سے نقل کر کے تحریر کو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

امام جنید بغدادی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ واقعات اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے دلوں کو مضبوط فرماتے ہیں۔

آپ سے دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿و کلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت به فؤادک﴾

ترجمہ: ''اور سب بیان کرتے ہیں کہ ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال میں سے ثابت کردیں تیرا دل۔'' (پارہ نمبر ۱۲ سورہ ھود آیت نمبر ۱۲۰)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ فقہ کے بہت سے مسائل بیان کرنے کی بہ نسبت مجھے علماء کے واقعات اور ان کی خوبیاں بیان کرنا زیادہ پسند ہے۔اس لئے یہ لوگوں کے آداب واخلاق ہے۔ (رسالۃ المسترشدشعرین ص ۱۲ طبع حلب)

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کی یہ کاوش اپنی بارگاہ ایزدی میں قبول فرمائے اس کا نفع عام وتام اور ان کے والدین اور خود ان کے لئے باعث نجات وذخیرہ آخرت بنے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين.

قاضی اسامہ

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

استاذ دارالعلوم الصفہ

بروز جمعہ ۷ امحرم الحرام ۱۴۲۴ھ

بابِ اوّل

علم کی حقیقت اور فضیلت

علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم دین دوسرا علم دنیا علم دین سے مراد وہ علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے احکام کا علم اور اس کی اطاعت کا طریقہ حاصل ہوتا ہے اور علم دنیا سے مراد وہ علم ہے جو دنیاوی منافع کا ذریعہ ہو تو علم کے حقیقی معنی علم دین ہی ہیں کیونکہ فن دنیا در حقیقت علم نہیں ہے ہنر ہے اس لئے دنیاوی فنوں کے ماہرین کو علماء نہیں کہتے بلکہ ہر فن کے ماہر کا الگ نام ہوتا ہے۔ مثلاً طبیب، ڈاکٹر، مہندس، نجار، لوہار، سنار، پائلٹ، ڈرائیور، درزی، نائی، موچی، گھڑی ساز، سائیکل ساز وغیر مگر لفظ علم کا اطلاق فن دنیا پر بھی مجازاً ہوتا ہے اور حقیقت ومجاز میں قاعدہ یہ ہے کہ جب تک مجازی معنی پر کوئی قرینہ موجود نہ ہو تو کسی لفظ کے مطلق ذکر ہونے سے اس کے حقیقی معنی ہی لیا جائے گا اس قاعدے کی بناء پر قرآن وحدیث میں علم کی جو فضیلت اور ضرورت بیان ہوئی ہے اس سے مراد صرف علم دین ہے فن دنیا نہیں ہے اس سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ اسکول کالج اور یونیورسٹی کی کتابوں پر "رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً" اور "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ" کے متعلق دیگر کوئی آیت وحدیث لکھنا یا دنیوی فنون کے طلباء کو ترغیب دینے کے لئے تقریر وتحریر میں فضائل علم والی آیات واحادیث کو پیش کرنا بالکل غلط ہے اور یہ تحریف معنوی ہے۔ جو کہ شریعت میں ناجائز ہے چونکہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے قرآن پاک میں کئی جگہ اللہ کی صفات میں سے صفت علم کو اہتمام کے ساتھ ذکر ہوا ہے مثلاً:

﴿وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ، عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾

اس لئے اصل علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے علم کا کمال تمام انبیاء علیہم السلام کو عطا فرمایا ہے چنانچہ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن پاک میں آیا ہے:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾

اور حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء تشریف لائے ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے علم کی صفت سے نوازا ہے فرمایا:

﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾

ترجمہ: ''اور ہم نے لوط کو حکمت اور علم دیا۔''

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾

ترجمہ: ''اور جب (یوسف علیہ السلام) اپنی جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے ان کو قوت فیصلہ اور علم دیا''

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾

ترجمہ: ''اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا فرمایا۔''

فائدہ: ان سب آیتوں میں علم سے پہلے لفظ حکم لایا ہے جس کا ترجمہ کہیں حکمت اور کہیں قوت فیصلہ اور کہیں عقل سے کیا گیا ہے۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حکمت سے کیا مراد ہے؟ اکثر مفسرین نے اس حکمت سے مراد نبوت لیا ہے اور بعض مفسرین نے اس حکمت سے مراد عقل وقوت فیصلہ لیا ہے جو بھی مراد ہو اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ علم کے ساتھ عقل بھی ضروری ہے کیونکہ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقل بھی ضروری ہے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ عقل سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور علم سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں اگر عقل ہے اور علم نہیں تو اس کی

مثال عریاں کی ہے اور اگر عقل ہی نہیں تو وہ مردہ انسان کے مانند ہے کیونکہ زندہ مجنوں سے بے جان لاش بہتر ہے اور دوسرے یہ کہ اس علم سے مراد علم نبوت ہے جو اوپر سے بذریعہ وحی انسانوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے یعنی دینی اور شرعی علم۔ اور خاتم الانبیاء والمرسلین کو اللہ تعالیٰ خطاب فرماتا ہے:

﴿وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا﴾

ترجمہ: ”اور تجھے وہ سکھلایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا اور اللہ کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے۔“

اور یہ تو یقینی بات ہے کہ اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو جو علم عطا فرمایا ہے اور جس علم کی تبلیغ کا حکم فرمایا ہے وہ صرف شرعی اور دینی علم تھا دنیاوی نہیں اگرچہ بعض انبیاء کو اللہ نے دنیاوی فنون کی مہارت دی ہے جیسے نوح علیہ السلام کو نجاری میں اور داؤد کو زریں بنانے میں مگران فنوں کی تبلیغ کا حکم نہیں دیا اس لئے قرآن میں جہاں بھی انبیاء کو علم دینے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد علم شرعی ہے دنیاوی نہیں اور حضرت ابوالدردا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک لمبی حدیث مروی ہے جس کے آخری حصے کا ترجمہ یوں ہے: ”اور بیشک علماء نبیوں کے وارث ہیں اور یقین جانو کہ انبیاء نے کسی کو دینار و درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ صرف علم کا وارث بنایا ہے سنو جس نے اس علم کو حاصل کیا ہے اس نے بہت عظیم حصہ حاصل کیا۔“ (ترمذی)

اس ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء کرام کو انبیاء کا وارث گردانا ہے اور پھر اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ وراثت دنیا کے مال و دولت میں نہیں ہے بلکہ صرف علم میں تو علم سے بھی مراد خاص شرعی علم ہے ورنہ علماء کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ علوم نبوت کے سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارث ہوئے تو صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ علوم سیکھے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی جلی اور وحی خفی کے ذریعہ سے عطا فرمائے تھے یعنی

قرآن وسنّت اور پھر صحابہ کرام کے شاگردوں نے ان سے یہی علم حاصل کر کے آگے پہنچائے اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا اور آج تک ہے اور قرب قیامت تک جاری رہے گا۔ اور جب علماء کرام علوم نبوت کے وارث ہوئے تو ان علوم کے لوازم بھی ان کو میراث میں مل گئے یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل البشر ہیں اسی طرح آپ کے وارثین بھی دوسرے انسانوں سے افضل ہیں احکام کا جاننا اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ معلوم کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم پر چلائیں۔ آمین۔

علم آیات قرآنی کی روشنی میں

قرآن پاک میں علم کے فضائل ان آیات میں وارد ہیں:

(۱) ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ﴾

(پ۳، ر۱۰، آیت ۱۸)

ترجمہ: ''اور گواہی دی اللہ نے اس کی کہ بجز اس کے کوئی معبود برحق ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں۔''

ملاحظہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کی ابتداء اولاً اپنی ذات سے فرمائی، پھر فرشتوں کا ذکر فرمایا اور تیسرے نمبر پر اہل علم کا ذکر کیا، اہل علم کی فضیلت، عظمت اور شرف پر یہ بڑی دلیل ہے۔

(۲) ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾

(پ۲۸، ع:۲ آیت ۱۱)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ (اس حکم کی اطاعت سے) تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے جن کو علم (دین) عطا ہوا ہے (اخروی) درجے بلند

کرے گا۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ دوسرے مؤمنین کے مقابلے میں اہل علم کے سات سو درجات زیادہ ہوں گے اور دو درجوں کی درمیانی مسافت پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہوگی۔

(٣) ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

(پ۲۳، ر۱۵، آیت۹)

ترجمہ: "آپ کہئے کیا علم والے اور جہل والے (کہیں) برابر ہوتے ہیں۔"

(٤) ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾

ترجمہ: "اور خدا سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔"

(٥) ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾

(پ۱۳، ر۱۲، آیت۴۳)

ترجمہ: "آپ فرما دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری نبوت پر اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے کافی گواہ ہیں۔"

(٦) ﴿قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ﴾ (پ۱۹، ر۱۸، آیت۴۰)

ترجمہ: "جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اس (تخت) کو تیرے سامنے لا سکتا ہوں۔"

اس آیت میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ تخت لے کر آنے کی قدرت اس میں علم کی وجہ سے پیدا ہوئی۔

(٧) ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ (پ۲۰، ر۱۰، آیت۸۰)

ترجمہ: "اور جن لوگوں کو دین کی فہم عطا ہوئی تھی کہنے لگے ارے تمہارا ناس ہو اللہ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک

عمل کرے۔''

اور اس آیت میں بیان فرمایا کہ آخرت کی ہولناکی کا اندازہ صرف اہل علم ہی کرسکتے ہیں۔

(۸) ﴿وَتِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَايَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ﴾

(پ۲۰،ر۱۶،آیت۴۳)

ترجمہ: ''اور ہم ان (قرآنی) مثالوں کو لوگوں کے (سمجھانے) کے لئے پیش کرتے ہیں اور ان مثالوں کو بس علم والے ہی لوگ سمجھتے ہیں۔''

(۹) ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَه مِنْهُمْ﴾ (پ۵،ر۸،آیت۸۳)

ترجمہ: ''اور اگر یہ لوگ رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالے پر رکھتے ہیں تو اس کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کرلیا کرتے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے معاملات کے باب میں حکم کو علماء کے استنباط اور اجتہاد کی طرف راجع فرمایا اور احکام خداوندی کے استنباط استخراج میں انہیں انبیاء کے ساتھ ذکر کیا۔

(۱۰) ﴿يٰبَنِىْ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُّوَارِىْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (پ۸،ر۱۰،آیت۲۶)

ترجمہ: ''اے اولاد آدم تحقیق ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا جو کہ تمہاری پردہ داریوں کو بھی چھپاتا ہے اور موجب زینت بھی ہے اور تقویٰ کا لباس یہ اس سے بڑھ کر ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ لباس سے مراد علم ہے اور ریش سے مراد یقین ہے اور لباسِ تقویٰ سے مراد حیا ہے۔

(۱۱) ﴿وَلَقَدْ جِئْنَا هُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلٰى عِلْمٍ﴾ (پ۸، ر۱۳، آیت ۵۲)

ترجمہ: ''اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔''

(۱۲) ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ﴾ (پ۸، ر۸، آیت ۷)

ترجمہ: ''پھر ہم چونکہ پوری خبر رکھتے ہیں ان کے روبرو بیان کر دیں گے۔''

(۱۳) ﴿قُلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ (پ۱۲، ر۱، آیت ۴۹)

ترجمہ: ''بلکہ یہ کتاب خود بہت سی واضح دلیلیں ہیں ان لوگوں کے ذہن میں جن کو علم عطا ہوا ہے۔''

(۱۴) ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (پ۲۷، ر۱۱، آیت ۳،۴)

ترجمہ: ''اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو خوش بیانی سکھلائی۔''

اللہ نے علم کا ذکر اس جگہ فرمایا جہاں وہ بندوں پر اپنے احسانات کا ذکر کر رہا ہے۔

اہل علم کے لئے مفید باتیں

دین فروشی سے مکمل اجتناب فرمایئے

یہاں ایک بات ضمناً عرض کر دوں اور وہ بھی بطور نصیحت کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کبھی دین فروشی نہیں کرنی چاہئے قرآن میں آتا ہے: ''لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا'' جو لوگ اور جو علماء کرام دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غیب سے ان کے لئے تمام انعامات مہیا فرما دیتے ہیں پتہ بھی نہیں چلتا اس بیچارے کو کہ یہ کہاں سے آیا؟ لیکن دین فروشی سے مکمل احتیاط برتنی چاہئے۔

قرآن کریم میں جا بجا یہود اور احبار یہود کو حکم دیا گیا ہے "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا" اس کا واضح اور ظاہر مطلب یہ ہے کہ کسی دنیاوی فائدے کی خاطر لالچ یا طمع یا حرص کی وجہ غرض کسی بھی وجہ سے حکم شرعی کو غلط بتلانا یہ دین فروشی ہے۔

اہل علم کے اختلاف کو اختلاف کی حد میں رکھئے

ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ اختلاف اہل علم میں لازم ہے اس کو اختلاف کی حد میں رکھنا، تجاوز نہ کرنا خوب سمجھ لیجئے میری اس بات کو اختلاف کو اختلاف کی حدود میں رکھیں تو یہ رحمت ہے حدود سے تجاوز کر جائے تو یہ عذاب ہے جو نصوص اختلاف کی مذمت میں ہیں وہ اسی پر محمول ہیں کہ وہ حدود سے تجاوز کر گئے اور جو "اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ" آیا وہ اس اختلاف سے متعلق ہے کہ جو حدود کے اندر ہے۔

ایک اہم نصیحت

اختلاف کیوں ہوتا ہے؟ وہ آپ بخوبی جانتے ہیں اس سلسلے میں آپ کتابیں دیکھ لیں یا تفاسیر دیکھ لیں "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا." کے تحت اس کا بیان آیا ہے وہاں پر آپ دیکھ لیں تفصیل آپ کو مل جائیگی اختلاف کو اختلاف کی حدود میں رکھیں اور اختلافی مسائل میں اور اختلافی باتوں میں اپنے مشائخ کا اور علماء دیوبند کا مسلک اختیار کیجئے اس سے ہرگز تجاوز نہ کیجئے میں نصیحت کر رہا ہوں کیونکہ اس سے اگر آپ تجاوز کریں گے تو پھر ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اختلافی مسائل میں علمائے دیوبند کا مسلک

ہمارے مشائخ کا مسلک اختلافی مسائل کے اندر یہ تھا کہ نصوص سے جو چیز مستنبط ہوئی اس کو انہوں نے بیان کر دیا بس۔ اب اگر کوئی اس سے اختلاف کرتا ہے اس کی تردید کے درپے نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ اس کا سلسلہ طویل ہو جاتا ہے سوال

چلتا ہے جواب چلتا ہے جواب الجواب چلتا ہے پھر اور آگے بڑھتا رہتا ہے اور شقاق تک مفضی ہوجاتا ہے۔

حضرات اکابر دیوبند کا طریقہ کار

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث وغیرہ یہ ہمارے اونچے درجے کے مشائخ اور اساتذہ میں سے ہیں۔ ان کا طریقہ یہی تھا کہ مسئلہ مدلل بیان کردیا اور اس کے بعد خاموش۔ اب مخالف چاہے کتنا ہی کچھ کہتا رہے جواب نہیں دیتے تھے۔ ایسے موقع پر کم علم لوگوں کو شبہات پیدا ہوجاتے ہیں جو آپ کے ذہنوں میں بھی ہیں کہ یا تو اس کے پاس دلیل باقی نہ رہی اس لئے خاموش ہوگیا یا یہ بزدل ہے اس لئے جواب نہیں دے رہا یہی بات پیدا ہوتی ہے یا نہیں! حضرات آپ کے ذہنوں میں ہوتی ہے یہ لیکن اختلاف کی حد سے تجاوز ہوجائے گا اگر ہم اس موضوع کے اندر ذرا اور آگے قدم بڑھائیں ایک دو واقعات آپ کو سنادوں تو پھر آپ کے سامنے واضح ہوجائے گا۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذاق

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ وہ سنت کی علامت تھے ان کے عمل سے ان کے قول سے، ان کی باتوں سے، ان کی تحریروں سے سنت جھلکتی تھی۔ اس لئے ان کو محی السنۃ اور قامع البدعۃ کا لقب دیا گیا اور تمام مشائخ دیوبند کے سرتاج ہیں ان کے زمانے میں مولانا احمد رضا خان صاحب تھے اور ظاہر بات ہے کہ ایک طرف سے ایک چیز بیان کی جاتی تو دوسری طرف سے دوسری چیز بیان کی جاتی۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب جو مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سہارنپوری کے والد محترم تھے وہ حضرت گنگوہی کے خادم خاص تھے اور بارہ سال تک

شب وروز ان کی خدمت میں رہے۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ فتاویٰ کے جوابات اور خطوط کے جوابات حضرت مولانا یحییٰ صاحب سے لکھوایا کرتے تھے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کے جو رسالے حضرت گنگوہی کی تردید میں ہوتے تھے مطبوع ہوکر ان کے پاس آتے تھے اور ہر مہینے میں ایک ایک رسالہ آتا تھا۔ ان رسالوں میں فحش گالیاں بھی ہوتی تھیں چنانچہ یہ رسالے آئے تو حضرت مولانا یحییٰ صاحب نے رسالے دیکھ کر یہ سوچا کہ اگر حضرت کو سنائے تو اس سے تکلیف پہنچے گی۔ اور ان میں کوئی علمی بات تو ہے نہیں اس لئے انہوں نے نہیں سنائے۔

جب دو تین مہینے گزر گئے تو حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ بھئی مولوی یحییٰ! ہمارے دوست نے ہمیں کئی مہینے سے یاد نہیں کیا؟ انہوں نے عرض کیا حضرت کونسا دوست؟ فرمایا مولانا احمد رضا خان صاحب، ذرا دیکھئے!

کہنے لگے حضرت ان کی تو تحریریں اور رسالے آئے ہیں میں نے آپ کو قصدا نہیں سنایا اس لئے کہ شاید آپ کو اس سے ناگواری ہو اور تکلیف پہنچے تو فرمایا مولوی یحییٰ! کیا بات کر رہے ہو! میں تو اس نیت سے رسالے پڑھتا ہوں کہ اگر ان رسالوں کے اندر میری اصلاح کی کوئی بات ہو تو میں اسے قبول کرلوں۔ سناؤ۔ چنانچہ سننا شروع کردیا ان کی علمی تردید فرماتے تھے لیکن درپے نہ ہوتے تھے جب یہ سمجھ گئے تو آپ سمجھ لیجئے کہ ہمارے مشائخ کا کیا مسلک ہے۔

حضرت تھانوی اور حضرت شیخ الہند کے درمیان اختلاف رائے

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کا تحریک خلافت اور سیاسی تحریک کے زمانہ میں اختلاف ہوگیا حضرت تھانوی الگ تھے یعنی حضرت شیخ الہند کی رائے کے خلاف تھے

لیکن کیا مجال؟ کہ حدود سے تجاوز ہو جائے حضرت شیخ الہند نے اپنی رائے دلائل سے ظاہر کر دی حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رائے دلائل سے ظاہر کر دی آپس میں وہی محبت وہی عقیدت، اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔

ایک مرتبہ اسی تحریک کے سلسلے میں حضرت شیخ الہند سے ان کے منسلکین نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کا سیاسی جلسہ ہم تھانہ بھون میں کر کے دیکھیں مقصود کیا تھا آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہاں حضرت تھانوی ضرور شریک ہوں گے ممکن ہے کہ ان کی رائے تبدیل ہو جائے حضرت شیخ الہند نے جواباً کہا ہرگز نہیں اس سے مولوی اشرف علی کو تکلیف ہوگی حالانکہ مولوی اشرف علی شیخ الہند کے شاگرد ہیں لیکن کیا رعایت ہے؟ یہ ہے اختلاف کی حد۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف رائے اور آپس کی محبت وعقیدت

اور نیچے آیئے حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اختلاف تھا۔ حضرت تھانوی سیاسی تحریک میں شرکت کو حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لئے (جب کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے) مناسب نہیں سمجھتے تھے اور حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کو ضروری سمجھتے تھے لیکن کیا مجال کہ کسی نے ایک دوسرے کے خلاف ایک بات بھی کہی بلکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ ان ہی سیاسی حالات میں حضرت تھانوی کی زیارت کے لئے اور ملاقات کے لئے رات کو دیوبند سے تھانہ بھون آیا کرتے تھے اور ملاقات کر کے چلے جاتے تھے۔

اختلاف کو حدود کے اندر رکھنا نور نبوت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا ورنہ حدود سے تجاوز ہوگا اور ایسا ہوگا کہ اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا یہی بات ہوگی جو آج کل ہم اپنے علماء اور اپنی جماعت کے اندر دیکھ رہے ہیں۔ یہی بات پیدا ہو جائے کہ ایک اٹھتا ہے

اور دلائل سے اختلاف کرتا ہے کسی مسئلے میں پھر اس پر قناعت نہیں کرتا، ٹھیک ہے اختلاف کا حق حاصل ہے اب اس کی تردید ہوتی ہے تو پھر اس کا جواب دینا ہے، پھر وہ جواب دیتا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ آخر افتراق وتشتت (گالی گلوچ) اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔

چند کار آمد اور مفید باتیں

اہل علم کو چاہئے کہ وہ نماز کی پابندی کریں اور حتی الامکان نماز باجماعت پڑھنے کی کوشش کریں۔ اہل علم اپنے اساتذہ کا ادب واحترام کریں۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جس سے میں نے ایک حرف سیکھا ہے میں اس کا غلام ہوں۔ جو اہل علم اپنے اساتذہ کا ادب واحترام نہیں کرتے وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ اسی طرح ہزاروں واقعات ایسے پیش آئے ہیں کہ جن اہل علم نے اساتذہ کا ادب واحترام نہیں کیا وہ ناکام ہوئے۔ اس پر بندہ کو ایک واقعہ یاد آیا جب بندہ درجہ اولیٰ میں پڑھتا تھا ایک ایسا طالبعلم بھی ہمارے ساتھ پڑھتا تھا جس نے استاد کی بے ادبی کی استاد محترم نے اس کو کہا تو کبھی بھی عالم نہیں بن سکتا۔ اس بے ادبی پر استاد محترم کو سخت دکھ ہوا تھا۔ درمیان سال ہی اس نے مدرسہ چھوڑ دیا اور علم سے محروم ہوگیا۔ اس لئے اہل علم حضرات اپنے اساتذہ کا ادب واحترام لازم پکڑ لیں۔

اہل علم اپنے اوقات کو ضائع نہ کریں۔ اس لئے کہ وقت کی مثال برف کی طرح ہے۔ برف جس طرح پگھلنے کے بعد دوبارہ نہیں لوٹتی اسی طرح وقت گزرنے کے بعد دوبارہ نہیں آتا۔ اس لئے اہل علم اپنے اوقات کو ضائع نہ کریں۔ کیونکہ اللہ نے اہل علم پر ایک بہت بڑی ذمہ داری رکھی ہے۔

ایک انگریز کا واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ بحری جہاز پر سفر کر رہے تھے کہ اچانک طوفان آیا اور جہاز میں ایک انگریز

کیپٹن بھی ہم سفر تھا اور مسافروں پر موت کی ہیبت طاری تھی سب ملکر دعا کرنے میں مشغول ہوگئے اور کچھ رونے لگے اور یہ اعلان ہوا کہ جہاز پانچ منٹ کے بعد تباہ ہوجائے گا تو علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں کہ میں اس کیپٹن کو دیکھنے کے لئے اوپر والی چھت کے کمرے میں گیا تو وہ وہاں موجود نہیں تھا اچانک میری نظر اس انگریز کیپٹن پر پڑی وہ ایک کتاب کا مطالعہ کررہا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ لوگ چیخ رہے ہیں موت نے ان کو گھیر لیا ہے اور تو اس نازک حالت میں مطالعہ کررہا ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ موت تو ویسے آگئی ہے پانچ منٹ کے بعد جہاز غرق ہوجائے گا۔ تو میں ان پانچ منٹوں میں کتاب کا مطالعہ کیوں نہ کروں؟ جب انگریز کو اتنی فکر ہے کہ وقت ضائع نہ ہو تو اہل علم حضرات کو اپنے اوقات پر زیادہ فکر مند ہونا چاہئے کہ وقت کو قیمتی بنالیں۔

اہل علم کو چاہئے کہ وہ اپنے دل میں خوف خدا رکھے جیسے اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُ﴾

اس جگہ لفظ "كذلك" پر جمہور کے نزدیک وقف ہے، جو اس کی علامت ہے کہ یہ لفظ پچھلے مضمون کے ساتھ متعلق ہے یعنی مخلوقات کو مختلف انواع واقسام اور مختلف الوان پر بڑی حکمت کے ساتھ بنانا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت کی خاص نشانی ہے۔

اور بعض روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس لفظ کا تعلق اگلے جملے سے ہے۔ یعنی جس طرح ثمرات، پہاڑ، حیوانات اور انسان مختلف رنگوں پر منقسم ہیں اسی طرح خشیت اللہ میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ کسی کو اس کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے کسی کو کم مدار اس کا علم پر ہے۔ جس درجہ کا علم ہے اسی درجہ کی خشیت بھی ہے۔

(روح المعانی)

سابقہ آیات میں ارشاد فرمایا تھا:

﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ﴾

جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے فرمایا تھا کہ آپ کے انذار وتبلیغ کا فائدہ تو صرف وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو غائبانہ اللہ سے خوف وخشیت رکھتے ہیں۔ اس کی مناسبت سے آیت:

﴿اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾

مین ان لوگوں کا ذکر ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی خشیت حاصل ہے اور جیسا پہلے کفار ومنکرین کے احوال کا ذکر آیا ہے۔ اس میں خاص اولیاء اللہ کا ذکر ہے۔ لفظ "اِنَّمَا" عربی زبان میں حصر بیان کرنے کے لئے آتا ہے اس لئے اس جملے کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں مگر ابن عطیہ وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ حرف "انما" جیسے حصر کے لئے آتا ہے ایسے ہی کسی کی خصوصیات کے بیان کرنے کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے اور یہاں یہی مراد ہے کہ خشیۃ اللہ علماء کا وصف خاص اور لازم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ غیر عالم میں خشیۃ نہ ہو۔ (بحر محیط، ابوحیان)

اور آیت میں لفظ "علماء" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات وصفات کا کما حقہ علم رکھتے ہیں۔ اور مخلوقات عالم میں اس کے تصرفات پر اور اس کے احسانات وانعامات پر نظر رکھتے ہیں۔ صرف عربی زبان یا صرف ونحو اور فنون بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا جب تک اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مذکورہ طریق پر حاصل نہ ہو۔

حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اس سے نفرت ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

﴿لیس العلم بکثرة الحدیث ولکن العلم عن کثرة الخشیة﴾
یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیۃ اللہ کو کثرت روایت اور کثرت معلومات سے نہیں پہچانا جاسکتا بلکہ اس کو کتاب وسنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیۃ نہ ہو وہ عالم نہیں۔

اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

﴿مَنْ لَّمْ يَخْشَ اللّٰه فَلَيْسَ بِعَالِمٍ﴾

ترجمہ: ”یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں۔“

اور مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّما العَالم من خشی الله﴾

ترجمہ: ”یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے۔“

سعد بن ابراہیم سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ افقہ کون ہے؟ تو فرمایا: ”اتقاهم لربه“ یعنی جو اپنے رب سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔

اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی:

﴿ان الفقیه حق الفقیه من لّم یقنط الناس من رحمة الله ولم یرخص لهم فی معاصی الله تعالیٰ ولم یؤمنهم من عذاب الله تعالیٰ ولم یدع القرآن رغبة عنه الی غیره انه لاخیر فی عبادة لاعلم فیها ولا علم لافقه فیه ولاقراءة لاتدبر فیه﴾ (قرطبی)

ترجمہ: ''فقیہ، مکمل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اور ان کو اللہ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے اور قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے (اور فرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے فقہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہو اور اس قراءت میں کوئی خیر نہیں جو بغیر تدبر ہو۔''

مذکورہ تصریحات سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ بہت سے علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا خوف وخشیت نہیں کیونکہ تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں جس میں خشیت نہ ہو وہ قرآن کی اصطلاح میں عالم ہی نہیں البتہ خشیت کبھی صرف اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے جس کی وجہ سے آدمی بہ تکلف احکام شرعیہ کا پابند ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ خشیۃ حالی اور ملکہ راسخہ کے درجہ میں ہوجاتی ہے جس میں اتباع شریعت ایک تقاضائے طبیعت بن جاتا ہے خشیت کا پہلا درجہ مامور بہ ہے اور عالم کے لئے ضروری ہے دوسرا درجہ افضل واعلیٰ ہے ضروری نہیں۔ (از بیان القرآن)

طالبعلموں کو چاہئے کہ سفید لباس پہنیں

جیسے کہ حدیث میں ہے:

عن عمر بن الخطاب (رضی الله عنه) قال: بينما نحن عند رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم، اذ طلع علينا رجل شديد بياض الثياب شديد سواد الشعر، لايرى عليه اثر السفر، ولا يعرفه منا احد، حتىٰ جلس الى النبى صلى الله عليه وسلم، فاسند ركبتيه الى ركبتيه، ووضع كفيه على فخذيه، وقال يا محمد! اخبر نى عن الاسلام؟

قال: الاسلام ان تشهد ان لاالٰه الا الله وانّ محمدا رسول الله، وتقيم الصلوة، وتؤتی الزكوة، وتصوم رمضان، وتحج البيت ان استطعت اليه سبيلاً قال: صدقت! فعجبنا له يسأله ويصدقه، قال: فاخبر نی عن الايمان؟ قال: ان تؤمن بالله وملٰئكته وكتبه ورسله واليوم الاخر، وتومن بالقدر خيره وشره قال: صدقت! قال: فاخبر نی عن الاحسان؟ قال: ان تعبد الله كانك تراه، فان لم تكن تراه فانه يراك، قال: فاخبرنی عن الساعة؟ قال: ماالمسؤل عنها باعلم من السائل! قال: فاخبرنی عن اماراتها؟ قال: ان تلد الامة ربتها، وان ترىٰ الحفاة العراة العالة رعاء الشاة يتطاولون فی البنيان. قال: ثم انطلق. فلبثت مليّا، ثم قال لی يا عمر! اتدری من السائل؟ قلت الله ورسوله اعلم! قال: فانه جبرئيل اتاكم يعلمكم دينكم. (رواه مسلم)

ترجمہ حدیث جبرئیل

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اس دوران ہمارے پاس ایک انتہائی سفید لباس اور بالکل سیاہ بالوں والا آدمی آیا، نہ تو اس پر سفر کے آثار تھے (جس سے وہ مسافر معلوم ہوتا) اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اس کو جانتا تھا (کہ وہ مقامی باشندہ معلوم ہوتا) وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح آکر بیٹھ گیا کہ اپنے گھٹنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور اپنی ہتھیلیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیں اور اس نے پوچھا اے محمد مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا:

اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق

نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز پابندی سے پڑھے اور زکوۃ ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اور اگر زاد راہ پاتا ہے تو بیت اللہ کے حج کو جائے۔

اس نے جواب میں کہا آپ نے سچ فرمایا حضرت عمر فرماتے ہیں ہمیں تعجب ہوا کہ پوچھتا بھی (جو کہ نہ جاننے کی علامت ہے) اور پھر تصدیق کرتا ہے (کہ جو جاننے پر دال ہے) پھر اس نے سوال کیا مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ایمان اسے کہتے ہیں کہ تم اللہ کی ذات اس کے فرشتوں اس کے پیغمبروں اور قیامت کے دن پر یقین رکھو اور اچھی اور بری تقدیر کو مانو اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا پھر اس نے سوال کیا مجھے احسان بتلایئے؟ آپ نے فرمایا احسان کی صفت یہ ہے کہ تم ایسے عبادت کرو جیسے تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ سکتے تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس نے استفسار کیا مجھے قیام قیامت کے متعلق بتایئے؟ آپ نے فرمایا کہ مسئول کو اس کے بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں تو اس نے پلٹ کر سوال کیا۔ اچھا قیامت کی نشانیاں اور علامات ارشاد فرمائیں آپ نے فرمایا: اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ باندی اپنی مالکہ کو جنے گی اور ننگے پاؤں، ننگے سر غریب لوگوں کو، بکریوں کے چرواہوں کو بڑی بڑی عمارتوں میں فخر کرتے دیکھو گے حضرت عمر فرماتے ہیں پھر وہ آدمی چلا گیا اور ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے عمر تم جانتے ہو یہ کون تھے میں نے عرض کیا کہ اسے اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارے دین کے احکام سکھانے آئے تھے۔

اب اس حدیث میں جو ارشاد کیا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام تو نبی علیہ السلام کے پاس سفید لباس میں ملبوس ہو کر آئے تھے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علم کو سفید لباس زیب تن کرنا چاہیئے اور کالے بال اس لئے تھے کہ علم حاصل کرنا جوانی میں نہ کہ بڑھاپے میں اس وجہ سے طلباء سے گزارش ہے کہ وہ سفید لباس

پہنا کرتے ہیں۔

علم آثارِ صحابہ وتابعین کی روشنی میں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمیل سے ارشاد فرمایا: اے کمیل! علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی، علم حاکم ہے اور مال محکوم ہے۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ ایک اور موقع پر حضرت علی نے فرمایا: دن بھر روزہ رکھنے والے اور رات بھر جاگ کر عبادت کرنے والے مجاہد سے عالم افضل ہے۔ عالم جب وفات پاتا ہے تو اسلام میں ایسا خلاء پیدا ہوجاتا ہے جسے اس کا جانشین ہی پر کرسکتا ہے۔ علم کی فضیلت میں حضرت علی کے یہ تین اشعار بھی مشہور ہیں ؎

ماالفخر الا لاهل العلم انهم — على الهدىٰ لمن استهدى ادلاء

وقدر كل امرئى ماكان يحسنه — والجاهلون لاهل العلم اعداء

ففز بعلم تعش حياته ابدا — الناس موتى واهل العلم احياء

ترجمہ: ”فخر کا حق صرف علماء کو حاصل ہے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہیں اور طالبان ہدایت کے رہنما بھی ہیں۔ انسان کی قدر اچھائی سے ہے۔ یوں جاہل اہل علم کے دشمن ہوتے ہی ہیں۔ ایسا علم حاصل کر جس سے تو ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہ سکے۔ لوگ مرجائیں گے صرف اہل علم زندہ رہیں گے۔“

ابوالاسود فرماتے ہیں کہ علم سے زیادہ کوئی چیز عزت والی نہیں ہے بادشاہ لوگوں پر حکومت کرتے ہیں اور علماء بادشاہوں پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ علم مال اور سلطنت میں سے جو چیز چاہیں اپنے لئے پسند کرلیں۔ انہوں نے علم کو ترجیح دی، مال اور سلطنت انہیں علم کے ساتھ عطا ہوگئی۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا کون لوگ صحیح معنوں میں انسان ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ علماء۔ اس نے پھر پوچھا بادشاہ کون ہیں؟ فرمایا: زاہد، سائل نے پھر دریافت کیا کمینے کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا وہ لوگ جو اپنا دین بیچ کر کھاتے ہیں اسی گفتگو میں قابل غور بات یہ ہے کہ عبد اللہ بن مبارک نے صرف علماء کو انسان قرار دیا کیونکہ جو چیز انسان کو جانوروں سے ممتاز کرتی ہے وہ علم ہے۔ انسان اسی وقت تک انسان کہلانے کا مستحق ہے جب وہ چیز اس میں موجود ہو۔ جس سے اس کا امتیاز قائم ہے۔ انسان کا امتیاز نہ تو جسمانی طاقت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اونٹ اس سے زیادہ طاقتور ہے نہ یہ امتیاز جسامت کے لحاظ سے ہے۔ اس لئے کہ ہاتھی انسان کے مقابلے میں زیادہ جسیم ہے۔

شجاعت اور بہادری بھی وجہ امتیاز نہیں بن سکتی۔ اس لئے کہ درندے اس سے کہیں زیادہ بہادر اور شجاع ہوتے ہیں۔ خوش خوراکی بھی انسان کے لئے شرف کی علامت نہیں اس لئے کہ بیل اس سے زیادہ کھاتے ہیں۔ قوت جماع بھی وجہ شرف نہیں اس لئے کہ ننھی منی چڑیاں، انسان سے زیادہ جماع کر لیتی ہے۔ اس کا شرف صرف علم ہے اور اسی علم کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔

بعض دانشوروں کا قول ہے کہ ہمیں کوئی یہ بتلادے کہ جس کو علم نہ ملا اسے کیا ملا اور جسے علم مل گیا اسے کیا نہیں ملا۔ فتح موصلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ اپنے مصاحبین سے دریافت کیا اگر مریض کو تین دن کھانا پینا اور دوا نہ دی جائے تو وہ مر نہ جائے گا؟ لوگوں نے کہا یقیناً مر جائیگا۔ فرمایا یہی حال دل کا ہے۔ فتح موصلی نے بالکل صحیح کہا ہے اس لئے کہ دل کی غذا علم اور حکمت ہے جس طرح بدن کی زندگی غذا سے ہے اس طرح دل کی زندگی علم وحکمت سے ہے۔

جس شخص کو علم میسر نہیں اس کا دل بیمار ہے اور موت اس کا مقدر بن چکی ہے مگر اس شخص کو اپنی دل کی بیماری اور موت کی خبر نہیں ہوتی کیونکہ دنیا کی محبت اور اس کے

کاروبار میں انہماک کی وجہ سے اس کی قوت احساس جاتی رہتی ہے جس طرح خوف ونشے کے غلبے کی وجہ سے زخم کے درد کا احساس نہیں ہوتا۔ اگرچہ حقیقت میں درد موجود ہوتا ہے جب موت اس کے دنیاوی رشتے ختم کردیتی ہے تب اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا دل مرچکا ہے اس وقت افسوس کرتا ہے مگر وہ افسوس اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ جس طرح کہ خوف زدہ کا خوف یا مدہوش کا نشہ دور ہوجاتا ہے تو وہ اس زخم کی تکلیف کا احساس کرتا ہے جو نشے یا خوف کی حالت میں لگا ہو۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس دن سے جب حقیقت حال سامنے آئے گی اس وقت لوگ خواب غفلت میں ہیں جب مریں گے تو نیند ٹوٹے گی۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر علماء کے قلموں کی سیاہی اور شہیدوں کا خون تولا جائے تو سیاہی کا وزن زیادہ رہے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا لوگو! اس سے پہلے کہ علم اٹھ جائے اسے حاصل کرلو علم اٹھنا یہ ہے کہ اس کے روایت کرنے والے باقی نہ رہیں۔ خدا کی قسم جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے وہ قیامت کے روز جب علماء کے فضائل اور بلندی درجات کا مشاہدہ کریں گے تو ان کی خواہش ہوگی کہ کاش وہ بھی عالم ہوتے اور جان لو کہ عالم ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ علم سیکھنے سے آتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رات میں تھوڑی دیر علم کا تذکرہ کرنا میرے نزدیک تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام احمد ابن حنبل سے بھی تقریباً اسی مضمون کی روایت منقول ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً﴾

(پ۲ رکوع ۹ آیت ۲۱۰)

ترجمہ: ”اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجئے اور

آخرت میں بھی بہتری دیجئے۔"

اس آیت کے متعلق حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا کے حسنہ سے مراد علم اور عبادت اور آخرت کے حسنہ سے مراد جنت ہے۔ بعض دانشوروں سے پوچھا گیا وہ کون سی چیز ہے جسے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے؟ جواب دیا وہ چیز ذخیرہ کرنی چاہئے جو اس وقت بھی تیرے ساتھ رہے جب تیری کشتی سمندر کی نذر ہو جائے۔ یعنی علم ہی ایسی چیز ہے جسے ذخیرہ کیا جا سکتا ہے یہ اس وقت بھی ساتھ رہتا ہے جب کشتیٔ بدن ساتھ چھوڑنے لگے۔ بعض حکماء سے منقول ہے کہ جو شخص حکمت و دانائی کو اپنی لگام بناتا ہے لوگ اسے اپنا امام بنا لیتے ہیں جو شخص علم و حکمت میں مصروف رہتا ہے لوگ اسے عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے میں علم کی اہمیت یہ ہے کہ جس شخص کی طرف اس کا انتساب ہو خواہ کسی معمولی چیز ہی میں کیوں نہ ہو اس پر خوش ہو اور کسی بھی چیز میں اپنی ذات سے علم کی نفی پر رنجیدہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اے لوگوں! علم کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے پاس ایک ردائے محبت ہے جو شخص علم کی طلب رکھتا ہے اللہ تعالیٰ وہ چادر اسے اوڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ وہ شخص اگر کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنی رضا جوئی کرا لیتا ہے۔ بار بار ارتکاب گناہ پر بھی اس کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے۔ محض اس لئے تاکہ اس سے وہ چادر نہ چھیننی پڑے جو اسے عطا کی گئی ہے۔ احنف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسا لگتا ہے کہ علماء مالک بن جائیں گے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا جو عزت علم کی بنیاد پر نہ ہو اس کا انجام ذلت ہوتا ہے۔ سالم ابن ابی جعد رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں غلام تھا۔ میرے آقا نے تین سو درہم کے عوض مجھے آزاد کر دیا تھا۔ آزادی حاصل ہو جانے کے بعد میں اس گومگو میں رہا کہ

کون سا فن سیکھوں؟ آخر علم کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ حاکم شہر مجھ سے ملاقات کی خواہش لے کر آیا اور میں نے اسے واپس کر دیا۔ زبیر ابن بکر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں عراق میں تھا تو میرے والد نے مجھے لکھا کہ بیٹا علم حاصل کرو۔

(۱) ﴿لاتغلوا فتتعلم بابا من العلم خير من ان تصلى مائة ركعة﴾

(ابن عبدالبر، ابن ماجہ)

ترجمہ: ”جو جا کر علم کا کوئی باب سیکھے تو یہ سو رکعت نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔“

(۲) ﴿باب من العلم يتعلمه الرجل خير له من الدنيا وما فيها﴾

(ابن حبان، ابن عبدالبر، طبرانی)

ترجمہ: ”آدمی کے لئے علم کا کوئی باب سیکھنا اس کے حق میں دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔“

(۳) ﴿اطلبوا العلم ولو بالصين﴾ (ابن عدی، بیہقی)

ترجمہ: ”علم حاصل کرو، اگرچہ چین میں ہو (یعنی اگرچہ بہت دور ہو)۔“

(٤) ﴿طلب العلم فريضة على كل مسلم﴾ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ”علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔“

(٥) ﴿العلم خزائن مفاتيحها السوال الا فاسئلوا فانه يوجر فيه اربعة السائل والعالم والمستمع والمحب﴾ (ابونعیم)

ترجمہ: ”علم خزانہ ہے اس کی کنجیاں سوال ہے۔ علم کے متعلق پوچھتے رہا کرو اس لئے کہ ایک سوال کرنے سے چار آدمیوں کو ثواب ملتا ہے سائل کو، عالم کو سننے والے کو اور جوان سے محبت رکھتا ہو۔“

(٦) ﴿لاينبغى للجاهل ان يسكت علىٰ جهله ولا للعالم ان يسكت على علمه﴾ (طبرانی، ابن مردویہ، ابی سنی، ابونعیم)

ترجمہ: ''جاہل کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود خاموش رہے اور نہ عالم کے لئے مناسب ہے کہ وہ علم کے باوجود چپ رہے۔''

(۷) ﴿حضور مجلس عالم افضل من صلوٰة الف رکعة وعيادة الف مريض وشهود الف جنازة فقيل يا رسول اللّٰه! ومن قراءة القرآن؟ قال وهل ينفع القرآن الا بالعلم؟﴾ (موضوعات لابن الجوزی)

ترجمہ: ''ایک عالم کی مجلس میں حاضری ہزار رکعت نماز پڑھنے سے ہزار مریضوں کی عیادت کرنے سے اور ہزار جنازوں میں شرکت کرنے سے بہتر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا قرآن پاک کی تلاوت سے بھی افضل ہے؟ آپ نے فرمایا کیا قرآن بغیر علم کے مفید ہے؟''

(۸) ﴿من جاءه الموت وهو يطلب العلم ليحيٰ به الاسلام فبينه وبين الانبياء فی الجنّة درجة واحدة﴾ (دارمی، ابن سنی)

ترجمہ: ''جس شخص کو اس حالت میں موت آجائے کہ وہ اسلام کو زندہ رکھنے کے لئے علم حاصل کر رہا ہو تو جنت میں اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔''

طالب علم کے بارے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین کے اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں طالب علم تھا تو ذلیل تھا اب لوگ میرے پاس علم سیکھنے کے لئے آنے لگے تو میں عزت والا ہوگیا،
ابن ابی لیلیٰ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا صورت دیکھی تو وہ حسین گفتگو سنی تو وہ فصاحت وبلاغت سے اور جب فتویٰ دیں تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس سب سے زیادہ علم ہے۔

عبد اللہ ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو علم حاصل نہ کرے۔ آخر اس کا نفس اسے نیک کام کی طرف کس طرح بلاتا ہے؟ بعض دانشور کہتے ہیں کہ ہمیں دو شخصوں پر زیادہ افسوس ہوتا ہے ایک اس شخص پر جو علم حاصل کرتا ہے مگر اس کی اہمیت سے واقف نہیں دوسرا وہ شخص جو علم کی اہمیت سے واقف ہے مگر علم حاصل نہیں کرتا۔ حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے کہ میں ایک مسئلہ سیکھ لوں۔ انہی کا قول ہے کہ بھلائی میں صرف طالب علم اور عالم شریک ہیں باقی لوگ ذلیل وخوار ہیں کہ انہیں خیر میسر نہیں آپ ہی کی ایک نصیحت ہے کہ عالم طالب علم یا سامع میں سے کوئی منصب اختیار کرلو ان کے علاوہ کچھ نہ بنو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ عطاء کا ارشاد ہے کہ علم کی ایک مجلس لہو ولعب کی ستر مجلسوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہزار شب بیدار روزہ دار عبادت گذاروں کی موت اتنی افسوسناک نہیں ہوتی جتنی ایک ایسے عالم کی موت جو حلال وحرام کے الٰہی احکام کا ماہر ہو۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرنا نفل نمازوں سے افضل ہے۔

ابن عبد الحکم فرماتے ہیں کہ میں امام مالک کی مجلس درس میں شریک تھا کہ ظہر کا وقت ہوا میں نے نماز کے لئے کتاب بند کی تو امام مالک نے فرمایا اے لڑکے جس کام کے لئے تو اٹھا ہے وہ اس سے زیادہ بہتر نہیں ہے جس میں مشغول ہے بشرطیکہ نیت درست ہو۔ حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ جس شخص کی رائے یہ ہو کہ علم جہاد سے افضل نہیں وہ صائب الرائے اور صاحب عقل نہیں ہوسکتا۔ (احیاء العلوم)

تعلیم قرآن کی نظر میں

(۱) ﴿وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ (پ۱، ر۴، آیت)

ترجمہ: ”اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جب کہ وہ ان کے پاس واپس آئیں ڈرا دیں تاکہ وہ

(ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے) احتیاط رکھیں۔"
اس آیت میں انذار سے مراد تعلیم ہے۔

(۲) ﴿واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیّننہ للناس ولا تکتمونہ﴾ (پ۴ر ا آیت ۱۴۲)

ترجمہ: "اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ اس کتاب کو عام لوگوں کے روبرو ظاہر کر دینا اور اس کو پوشیدہ مت کرنا۔"
اس آیت سے تعلیم کا وجوب ثابت ہو رہا ہے۔

(۳) ﴿وان فریقا منھم لیکتمون الحق وھم یعلمون﴾ (پ۲،ر)

ترجمہ: "اور بعض ان میں سے امر واقعی کا باوجودیکہ خوب جانتے ہیں مگر اخفاء کرتے ہیں۔"

اس میں کتمان علم (علم چھپانے) کی حرمت بیان کی گئی ہے جس طرح مندرجہ ذیل آیت میں شہادت کے کتمان پر وعید فرمائی گئی۔

﴿ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ﴾ (پ۳ر۷ آیت ۲۸۳)

ترجمہ: "جو شخص اس کا اخفاء کریگا اس کا دل گنہگار ہوگا۔"

(٤) ﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعآ اِلَی اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً﴾

(پ۲۴، ر۱۹، آیت ۳۳)

ترجمہ: "اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی نیک عمل کرے۔"

(٥) ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾

(پ۱۴، ر۲۲م، آیت ۱۲۵)

ترجمہ: "آپ اپنے رب کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ بلائیے۔"

(٦) ﴿وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ﴾

ترجمہ: ''اور اُن کو آسمانی کتاب کی تعلیم دیا کریں۔

تعلیم احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

(١) ﴿ماآتی الله عالما علما الا اخذ علیه من المیثاق مااخذ علی النبیین﴾ (ابونعیم)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے کسی عالم کو علم عطا کیا ہے تو اس سے وہ عہد بھی لے لیا ہے جو اس نے انبیاء کرام سے لیا تھا۔''

(٢) قال رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم لما بعث معاذ رضی الله عنه الی الیمن لان یهدی الله بک رجلا واحدا خیر لکم من الدنیا ومافیها﴾ (بخاری ومسلم واحمد)

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے ارشاد فرمایا کہ تیرے ذریعہ کسی ایک آدمی کو اللہ ہدایت دیدے تو وہ تیرے لئے دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔''

﴿من تعلم بابا من العلم لیعلم الناس اعطیٰ ثواب سبعین صدیقاً﴾ (دیلمی مسند الفردوس)

ترجمہ: ''جو شخص لوگوں کو سکھلانے کے لئے علم حاصل کرے تو اس کو ستر صدیقوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔''

(٣) ﴿اذا کان یوم القیامة یقول الله سبحانه للعابدین والمجاهدین ادخلوا الجنّة فیقول العلماء بفضل علمنا تعبدوا وجاهدوا فیقول الله عز وجل انتم عندی کبعض ملائکتی اشفعوا تشفعوا فیشفعون ثم یدخلون الجنّة﴾ (ابوالعباس ذہبی)

ترجمہ: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عابدین اور مجاہدین سے کہیں گے جنت میں داخل

ہو جاؤ۔ علماء عرض کریں گے کہ اے اللہ! انہوں نے علم کے طفیل عبادت کی اور جہاد کیا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم میرے نزدیک ملائکہ کی طرح ہو شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی پھر وہ سفارش کریں گے اور جنت میں چلے جائیں گے۔"

یہ اعزاز و اکرام اس علم کی وجہ سے ہوگا جو تعلیم کے ذریعہ دوسروں تک پہنچے اس علم کی وجہ سے نہیں جو اسی شخص کے ساتھ رہے کسی دوسرے کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

(٤) ﴿ان اللّٰہ عز وجل لاینتزع العلم انتزاعا من الناس بعد ان یوتیھم ایاہ ولکن یذھب بذھاب العلماء فکلما ذھب عالم ذھب بما معہ من العلم حتٰی اذا لم یبق الا رؤساء جھالا ان سئلوا فتوا بغیر علم فیضلون ویضلون﴾ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ قوموں کو علم دے کر چھین نہیں لیتا بلکہ وہ علماء کے مرنے سے ختم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی عالم مرتا ہے اس کا علم اس کے ساتھ چلا جاتا ہے یہاں تک کہ جاہل سرداروں کے علاوہ کوئی باقی نہیں بچتا اگر ان سے کوئی پوچھتا ہے تو وہ بغیر واقفیت کے فتویٰ دیتے ہیں خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔"

(٥) ﴿من علم علما فکتمہ الجمہ اللّٰہ بلجام من نار﴾

(ترمذی ابوداؤد، ابن ماجہ ابن حبان حاکم)

ترجمہ: "جو شخص علم حاصل کرے اور پھر اسے چھپائے تو اللہ تعالیٰ اسے آگ کی لگام پہنائے گا۔"

(٦) ﴿نعم العطیة ونعم الھدیة کلمة حکمة تسمعھا فتنطوی علیھا ثم تحملھا الی اخ لک مسلم تعلمہ مایاہ تعدل عبادة سنة﴾ (طبرانی)

ترجمہ: ''بہترین عطیہ و ہدیہ وہ کلمہ حکمت ہے جسے تو سنے اور یاد کرے اور پھر اسے اپنے مسلمان بھائی کے پاس سکھلانے کے لئے لے جائے تو تیرا یہ عمل ایک برس کی عبادت کے برابر ہوگا۔''

(۷) ﴿الدنیا ملعونة ملعون ما فیها الا ذکر اللّٰه سبحانه وما والاه او معلما او متعلما﴾

ترجمہ: ''دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر ملعون نہیں اور نہ وہ شخص ملعون ہے جو ذکر اللہ کے قریب ہے چاہے معلم ہو کر یا متعلّم ہو کر۔''

(۸) ﴿ان اللّٰه سبحانه وملائکته واهل سماته وارضه حتی النملة فی جحرها حتی الحوت فی البحر لیصلون علی معلم الناس الخیر﴾

(ترمذی)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمین والے یہاں تک چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں، اور مچھلیاں پانی میں، اس شخص پر رحمت بھیجتے ہیں جو لوگوں کو خیر کی بات سکھلاتا ہے۔''

(۹) ﴿ماافاد المسلم اخاه فائدة افضل من حدیث حسن یلغه فبلّغه﴾

(ابن عبدالبر، ابونعیم)

ترجمہ: ''مسلمان اپنے بھائی کو اس بہترین بات سے بڑھ کر کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا جو اس تک پہنچی ہو اور وہ اس کسے دوسرے تک پہنچا دے۔''

(۱۰) ﴿کلمة من الخیر یسمعها المؤمن فیعلمها ویعمل بها خیر له من عبادة سنة﴾ (ابن المبارک کتاب الزهد والرقائق)

ترجمہ: ''وہ کلمہ خیر جو مؤمن سنتا ہے اسے دوسروں کو سکھلاتا ہے اس پر عمل کرتا ہے اس کے لئے سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔''

(١١) ﴿عن عبد اللّٰہ بن عمر قال اخرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات یوم فرای مجلسین احدھا یدعون اللّٰہ عز وجل ویرغبون الیه والثانی یعلمون الناس فقال اما ھؤلاء فیسالون اللّٰہ تعالیٰ فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم واما ھؤلاء فیعلمون الناس وانما بعثت معلما ثم عدل الیھم وجلس معھم﴾ (ابن ماجہ)

ترجمہ: ''عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو دو مجلسیں دیکھیں ایک مجلس میں لوگ اللہ سے دعائیں مانگ رہے تھے اور اس کی طرف متوجہ تھے دوسری مجلس میں لوگ پڑھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ لوگ تو دعائیں کر رہے ہیں اگر وہ چاہے ان کو دے اور چاہے تو نہ دے اور یہ لوگ تعلیم دے رہے ہیں اور مجھ کو بھی اللہ نے معلم بنا کر بھیجا ہے اور پھر ان کی طرف پلٹے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔''

(١٢) ﴿مثل مابعثنی الله عز وجل من الھدی والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب الارض فکانت منھابقعة قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر وکان منھا بقعة امسکت الماء فنفع الله عز وجل بھا الناس فشربو منھا وسقوا وزرعوا وکانت منھا طائفة فیعان لاتمسک ماء ولا تنبت کلاء﴾ (بخاری ومسلم)

ترجمہ: ''اللہ نے مجھے ہدایت وعلم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس بہت سی بارش کی ہے جو کسی زمین پر برسے اس زمین کا ایک ٹکڑا پانی جذب کرلے اور بہت سا گھانس پھونس اگائے اس کا دوسرا ٹکڑا پانی روک لے اور اس کے ذریعہ اللہ لوگوں کو نفع پہنچائے کہ وہ اس سے پئیں پلائیں اور کھیتوں کو سیراب کریں اور ایک ٹکڑا ایسا ہو کہ نہ وہ پانی جمع کرے اور نہ گھانس لگائے۔''

اس حدیث میں پہلی مثال ان لوگوں کی ہے جو اپنے علم سے نفع حاصل کریں دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جو اپنے علم سے خود بھی نفع حاصل کریں اور دوسروں کو بھی نفع پہنچائیں۔ تیسری مثال ان لوگوں کی ہے جو دونوں باتوں سے محروم ہوں۔

(١٣) ﴿اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث. علم ينتفع به وصدقة جارية ولد صالح يدعوله بالخير﴾ (مسلم)

ترجمہ: ''جب ابن آدم مرجاتا ہے تو اس کے عمل کا رشتہ منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں سے منقطع نہیں ہوتا ایک اس علم سے جس سے اوروں کو فائدہ ہو ایک صدقہ جاریہ سے ایک صالح اولاد سے جو اس کے لئے خیر کی دعا کرے۔''

(١٤) ﴿الدال على الخير كفاعله﴾ (ترمذی مسلم ابوداؤد)

ترجمہ: ''خیر کی طرف رہنمائی کرنے والا ایسا ہے جیسا خیر پر عمل کرنے والا۔''

(١٥) ﴿لاحسد الا فى اثنين رجل اتاه الله عز وجل حكمة فهو يقضى بها ويعلمها الناس ورجل اتاه الله مالافسلطه على هلكته فى الخير.﴾

(بخاری ومسلم)

ترجمہ: ''حسد (غبطہ) صرف دو ہی شخصوں پر ہونا چاہئے ایک اس شخص پر جسے اللہ نے حکمت عطا کی ہو اس کے بموجب وہ عمل کرتا ہو اور لوگوں کو سکھلاتا ہو دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا کیا ہو پھر اسے راہ خیر میں لٹانے پر مسلط کردیا ہو۔''

(١٦) ﴿على خلفائى رحمة الله قيل ومن خلفاء ك قال الذين يحبون سنتى ويعلمونها عباد الله﴾ (ابن عبدالبر، ابن السنی، ابونعیم)

ترجمہ: ''میرے خلفاء پر اللہ کی رحمت ہو، عرض کیا گیا یا رسول اللہ آپ کے خلفاء کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جو میری سنت کو زندہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کے بندوں کو سکھلاتے ہیں۔''

تعلیم کے بارے میں صحابہ وتابعین کے اقوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی حدیث بیان کرے اور اس پر عمل کرے تو اسے ان لوگوں کے برابر ثواب ملے گا جو وہی عمل کریں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو خیر کی بات بتلاتا ہے دنیا کی تمام چیزیں یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اس کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عالم اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطے کی حیثیت رکھتا ہے دیکھنا چاہئے کہ وہ کس طرح یہ ذمہ داری نبھاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سفیان ثوری ایک مرتبہ عسقلان تشریف لے گئے اور کچھ روز وہاں مقیم رہے ان سے کسی نے کچھ نہ پوچھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا میرے لئے کرایہ کی سواری لے کر آؤ تا کہ میں اس شہر سے نکل جاؤں کیونکہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ شہر علم کا مدفن بنے گا۔ ایسا انہوں نے اس لئے کیا کہ وہ تعلیم کی اہمیت جانتے تھے ان کی خواہش تھی کہ شجر علم پھلتا پھولتا رہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سعید بن المسیب کی خدمت میں حاضر ہوا وہ رو رہے تھے میں نے رونے کی وجہ دریافت کی فرمانے لگے کہ مجھ سے کوئی کچھ نہیں پوچھتا اس لئے روتا ہوں۔

بعض اہل نظر فرماتے ہیں کہ علماء روشنی کے مینار ہیں ہر عالم سے اس کے عہد کے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگر علماء نہ ہوتے تو لوگ جانوروں کی زندگی گذارتے یعنی علماء لوگوں کو تعلیم کے ذریعہ بہیمیت سے انسانیت کی طرف لاتے ہیں۔

عکرمہ فرماتے ہیں کہ علم کی ایک قیمت ہے لوگوں نے پوچھا وہ قیمت کیا ہے؟ فرمایا علم کی قیمت یہ ہے کہ اسے کسی ایسے شخص کو سکھلائے جو اس کی حفاظت

کر سکے۔

یحیٰ ابن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علماء ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق ومہربان ہیں لوگوں نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمایا کہ ماں باپ تو لوگوں کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں اور علماء آخرت کی آگ سے بچاتے ہیں بعض حضرات کا قول ہے کہ علم کا پہلا درجہ خاموشی ہے پھر سننا پھر یاد کرنا پھر عمل کرنا پھر لوگوں میں اس کی اشاعت کرنا بعض دانشور فرماتے ہیں کہ اپنا علم ایسے شخص کو سکھلاؤ جو نہ جانتا ہو اور کسی ایسے شخص سے سیکھو کہ جو بات تمہیں معلوم نہ ہو وہ اسے معلوم ہو اگر ایسا کرو گے تو وہ جان جاؤ گے اور جو جانتے ہو گے وہ یاد رہے گا۔

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ علم اس لئے حاصل کرو اس کا حاصل کرنا خوف الٰہی اس کی طلب عبادت ہے ان کا درس دینا تسبیح ہے اور علمی گفتگو کرنا جہاد ہے جو شخص نہ جانتا ہو اسے پڑھانا خیرات ہے جو علم کا اہل ہو اسے علم کی دولت سے نوازنا تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے یہی علم تنہائیوں کا ساتھی سفر کا رفیق دین کا راہنما تنگ دستی وخوشحالی میں چراغ راہ دوستوں کا مشیر اجنبی لوگوں میں قربت پیدا کرنے والا دشمنوں کے حق میں تیغ براں راہ جنت کا روشن مینار ہے۔

اسی علم کی بدولت اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو عظمت عطا کرتا ہے انہیں قائد رہنما اور سردار بناتا ہے لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں ان کے عمل کو دلیل بناتے ہیں فرشتے ان کی دوستی اور رفاقت کی خواہش کرتے ہیں اپنے بازوان کے جسموں سے مس کرتے ہیں بحر وبر کی تمام مخلوق یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں اور کیڑے خشکی کے درندے اور چوپائے آسمان کے چاند سورج اور ستارے سب ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ علم دل کی زندگی ہے علم نور ہے اس سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں علم سے بدن کو قوت ملتی ہے ضعف دور ہوتا ہے علم کی بدولت انسان نیک لوگوں کے بلند درجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے علمی

امور میں غور فکر کرنا روزہ رکھنے کے برابر ہے علم کی تدریس میں مشغول رہنا شب بیداری کے برابر ہے، علم ہی سے اللہ کی اطاعت عبادت اور تسبیح وتحمید کا حق ادا ہوتا ہے۔اسی سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے صلہ رحمی کی توفیق ہوتی ہے حلال وحرام میں تمیز کا شعور پیدا ہوتا ہے۔علم امام ہے عمل اس کے تابع ہے۔خوش قسمت لوگوں کے دل ہی علم کی آماجگاہ بن سکتے ہیں۔بدقسمت لوگ اس سے محروم رہتے ہیں۔ہم اللہ سے حسن توفیق کے خواہاں ہیں۔

فضیلت علم کے عقلی دلائل

فضیلت کا مفہوم

پچھلے صفحات میں علم، طلب علم، اور تعلیم کی فضیلت پر گفتگو کی گئی ہے ہمارے خیال میں جب تک فضیلت کا مفہوم واضح نہ ہو اس وقت تک علم کی فضیلت کا جاننا ناممکن ہے مثلاً کوئی شخص حکمت سے واقف نہ ہو اور یہ جاننا چاہتا ہو کہ زید حکیم ہے یا نہیں؟ تو ایسے شخص کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ وہ گم کردہ راہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ فضیلت فضل سے مشتق (ماخوذ) ہے جس کے معنی ہیں زیادتی چنانچہ دو چیزیں کسی ایک صفت میں شریک ہوں ایک میں وہ صفت کم اور دوسری میں زیادہ ہو تو کہا جائے گا کہ یہ دوسری سے زیادہ اور افضل ہے لیکن یہ زیادتی کسی ایسی چیز میں ہونی چاہئے جو اس کی صفت کمال ہو مثال کے طور پر گھوڑے کو گدھے سے افضل کہا جاتا ہے یہ اس لئے کہ گھوڑا بار برداری میں تو گدھے کا شریک ہے لیکن تیز دوڑنے میں گدھا اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔اب اگر کسی گدھے کو بہت سا زیور پہنادیں اور یہ کہیں کہ گدھا گھوڑے سے افضل ہے تو یہ ایک غیر معقول بات ہوگی اس لئے کہ یہ فضیلت محض ظاہر کی ہے۔ باطن کی نہیں اسے گدھے کی صفت کمال بھی نہیں کہا

جاسکتا ہے کیونکہ جانوروں کی باطنی صفات وخصوصیات اہم ہوتی ہیں نہ کہ ظاہری جسم۔

اس اصول کی روشنی میں اگر علم کا مقابلہ دوسرے اوصاف سے کیا جائے تو اس کی فضیلت نمایاں نظر آتی ہے جس طرح دوسرے حیوانات کے مقابلے میں گھوڑے کی بڑائی نمایاں ہے بلکہ جو تیز رفتاری گھوڑے میں ہے وہ مطلق فضیلت نہیں محض اضافی ہے جبکہ علم کو بالذات مطلق فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ علم اللہ تعالیٰ کی صفت کمال ہے۔ ملائکہ اور انبیاء کا شرف بھی علم سے ہے۔

طالب علم سبق کی پابندی کرے

طالب علم کو چاہئے کہ سبق کا کبھی ناغہ نہ کرے اس سے بے برکتی ہوتی ہے، بسا اوقات اس ناقدری کا نتیجہ علم سے محرومی کا سبب ہو جاتا ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک مدت تک رہے مگر اس طویل مدت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گذرا کہ وہ فجر کی نماز میں امام صاحب کے ساتھ نہ شریک رہے ہوں امام صاحب فجر کے بعد ہی درس شروع فرمادیتے تھے۔ ایک جگہ خود بیان فرماتے ہیں کہ میں برسوں امام صاحب کے ساتھ رہا بجز بیماری کے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ ان دنوں میں ہر شخص اپنے گھر میں اعزا و اقارب کے ساتھ ہوتا ہے لیکن انہوں نے مجلس علم کی شرکت اور اپنے استاد کی معیت اور رفاقت کو سب پر ترجیح دی۔

مناقب موفق میں امام ابو یوسف کا بیان نقل کیا ہے:

﴿مات ابن لی فلم احضر جهازه ولادفنه وتركته على جيرانی واقربائی مخافة ان يفوتنی من ابی حنيفة شیء والا تذهب حسرته عنی.﴾

ترجمہ: ''میرے بیٹے کا انتقال ہوگیا لیکن میں نہ جاسکا اور نہ اس کے جنازہ میں شریک ہوسکا اور تجہیز وتکفین کا کام اپنے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے سپرد کردیا اس اندیشہ سے کہ امام صاحب کے درس کا کوئی حصہ نہ چھوٹ جائے جس کی حسرت کبھی نہ ختم ہو۔''

حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی کے حالات میں ہے کہ دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھا کرتے تھے شاہ صاحب کے انتقال کے بعد ہر وقت غمزدہ رہتے تھے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ صاحب فرمارہے ہیں کہ تم رنجیدہ نہ ہو اور شاہ محمد اسحٰق صاحب کے بارے میں فرمایا کہ ان سے جاکر علم حاصل کرلو علمی انہماک اور درس کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ مدرسہ کی تعطیل کے علاوہ کبھی گھر نہ جاتے تھے۔ اور نہ خطوط پڑھتے اور نہ جواب دیتے، پانی پت دہلی سے دور نہیں، اکثر لوگوں کی آمدورفت رہتی تھی اگر ملاقاتی یا رشتہ دار مل گیا تو سلام اور اس کے جواب کے علاوہ کوئی بات نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے یہاں تو مجھے فرصت نہیں جب پانی پت آنا ہوگا تو وہاں بات کریں گے۔ قیام گاہ مدرسہ سے دور تھی ایک مرتبہ سخت بارش ہورہی تھی قریب کے طلبہ مدرسہ پہنچ گئے قاری صاحب کے انتظار میں حضرت شاہ صاحب بیٹھے ہوئے تھے طلباء نے کہا آج بارش بہت ہے قاری صاحب نہ آسکیں گے۔

حضرت شاہ صاحب خاموش رہے اتنے میں قاری صاحب گھڑے کے اندر کتاب لئے بھیگتے ہوئے پہنچ گئے سردی کی وجہ سے کانپ رہے تھے حضرت شاہ صاحب سبق کا ناغہ نہ کریں گے اس کے بعد فرمایا کہ تم قاری صاحب کو نہیں سمجھتے الفاظ حدیث کے میں ان کو پڑھاتا ہوں اور حدیث کی روح خود ان سے حاصل کرتا ہوں۔

آج کل کے طلبہ کو عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ ایسی تنگی کے باوجود کہ چھتری تک کا انتظام نہیں کرسکے اور اتنے دور رہنے کے باوجود سبق کا ناغہ نہ کیا۔ آج معمولی

سی بارش میں مدرسہ کی چار دیواری کے اندر رہنے والے طلبہ کمرے سے درسگاہ تک جانا پسند نہیں کرتے اور مطالبہ یہ ہوتا کہ پورے مدرسہ کی تعطیل کردی جائے اگر کسی طالب علم کا ذہن ادھر نہیں گیا تو اساتذہ طلباء سے درخواست دلاتے ہیں سچ ہے۔ نہ پہلے جیسے طلباء ہیں نہ اساتذہ پھر مدارس میں خیر و برکت کہاں سے آئے؟

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں سبق میں پہنچنے کے لئے اس قدر دوڑا کرتا تھا کہ دوڑنے کی وجہ سے میرا سانس پھولنے لگتا تھا۔

امام ثعلب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پچاس برس سے برابر میں ابراہیم حربی کو اپنی مجلس میں حاضر پاتا ہوں کبھی انہوں نے ناغہ نہیں کیا۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے حالات میں صاحب دعوت وعزیمت تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے وطن سے سفر کر کے پڑھنے کے لئے گئے تو زمانہ طالب علمی میں جو خطوط پہنچتے تھے ان کو آپ کسی خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے۔ اور اس خیال سے نہ پڑھتے تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی اور حصول مقصد میں کمی واقع ہوگی؟

آج کل کے طلبہ نے تعلقات اتنے بڑھا رکھے ہیں کہ ان کو ڈاک لکھنے اور دیکھنے سے ہی فرصت نہیں ملتی، آج ایک دوست کو خط لکھا جا رہا ہے تو کل دوسرے کو حتیٰ کہ اس محبوب مشغلہ میں اسباق تک کو بھی قربان کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی دوست آگیا تو اس کے ساتھ تفریح میں چلے گئے، ہفتوں کتاب کو ہاتھ تک نہیں لگاتے ایسی ناقدری اور بے توجہی کے ساتھ مطالعہ کا ذوق اور کتاب سے مناسبت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ طالب علمی کا زمانہ جلد سے جلد ختم کر کے دوسرے مشاغل اور کاروبار میں اپنے آپ کو لگا دیتے ہیں۔

حضرت یحییٰ ناقل مؤطا مدینہ منورہ میں امام مالک سے پڑھا کرتے تھے ایک روز شور ہوا کہ ہاتھی آیا۔ عرب میں ہاتھی عجوبہ چیز ہے اس آواز کو سنتے ہی طلبہ درس چھوڑ کر

بھاگ گئے مگر یحییٰ اسی طرح اطمینان سے بیٹھے رہے امام مالک نے فرمایا تمہارے یہاں تو ہاتھی نہیں ہوتا تم کیوں نہیں گئے؟ یحییٰ نے جواب دیا حضرت اندلس سے میں آپ کو دیکھنے اور علم سیکھنے آیا ہوں ہاتھی دیکھنے کے واسطے وطن نہیں چھوڑا، حضرت امام مالک یہ جواب سن کر خوش ہوئے اور ان کو عاقل اہل اندلس کا لقب دیا۔

بہ نسبت دیدۂ مجنوں زخویش وبیگانہ
چہ آشنا نگہے بود چشم لیلےٰ را

آج بندر اور ریچھ دیکھنے کے لئے مدرسہ خالی ہوجاتا ہے۔ سنیما، تھیٹر، ناٹک کے عاشق ہفتوں کتاب کی صورت نہیں دیکھتے۔

تکرار اور مذاکرہ

طالب علم کو چاہئے کہ سبق کو غور سے سنے اور اس کے بعد اسی کا تکرار کرے اس کے بغیر استعداد پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور نہ ہی علم باقی رہ سکتا ہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ مذاکرہ نہ کرنے سے نسیان ہوجاتا ہے اور علم ضائع ہوجاتا ہے کہ حضرت علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مذاکرہ کرو کیونکہ علم مذاکرہ سے جوش مارتا ہے۔

اسمٰعیل رجاء کا دستور تھا کہ مکتب کے لڑکے ان کے پاس آکر حدیثیں سنایا کرتے تھے تاکہ بھول نہ جائیں۔ سعید بن جبیر نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس مجھے حدیثیں سنایا کرتے تھے۔

عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں پہنچے اور دیر تک علمی باتیں دریافت کرتے رہے پھر ہم نے عرض کیا شاید آپ اکتا گئی ہوں فرمانے لگیں کیا کہتے ہو ہر کام میں میری نیت عبادت کی ہوتی ہے مگر علمی مذاکرہ سے زیادہ مجھے کسی کام میں لذت نہیں ملتی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں علم میں گفتگو کرتے رہا کرو تاکہ تمہارے رتبے ظاہر ہوں۔ (جامع البیان)

تعلیم المتعلم میں ہے کہ طالب علم کے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ جب تک گزشتہ سبق کا تکرار نہ کرے اور اچھی طرح یاد نہ کرلے ہرگز دوسرا سبق نہ پڑھے اسباق کا تکرار طالب علم کے لئے بہت ضروری ہے۔ اور یہ عمل طلبہ کے لئے حد سے زیادہ نافع ہے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ گذشتہ اسباق کا تکرار بار بار کرتا رہے اور عمل کو جاری رکھے ایک جگہ اور طریقہ تحریر فرمایا ہے کہ گذشتہ سبق کا تکرار پانچ مرتبہ اس سے پہلے کا چار بار اور اس سے پہلے کا تین بار اور اس سے پہلے کا دو بار اور چھٹے روز کا ایک مرتبہ یہ روزانہ کا معمول ہونا چاہئے۔ یہ علوم محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

تکرار میں کوئی حجاب اور عار نہ ہونا چاہئے جو طالب علم ایسا کرتا ہے وہ محروم رہتا ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں لکھا ہے کہ کئی کئی دن کا فاقہ ہوتا تھا۔ مگر سبق کا تکرار نہ چھوڑتے تھے۔ اور محنت میں ذرا بھی فرق نہ آتا تھا آگے چل کر تحریر فرماتے کہ ہمارے استاد برہان الدین فرماتے ہیں کہ میں اپنے تمام ساتھیوں میں اس وجہ سے فوقیت لے گیا کہ تکرار کو کبھی نہیں چھوڑتا تھا۔ (تعلیم المتعلم)

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے تلامذہ کو مذاکرہ کی بہت تاکید کرتے تھے۔ (تدریب ص ۱۸)

عطا خراسانی کے حال میں لکھا ہے کہ "اذا لم یجد احدا اتی المسکین فحدثهم" جب کوئی نہ ملتا تو مساکین وغرباء کے پاس جاکر ان کو دین کی باتیں سناتے۔

اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا گیا کہ آپ نے یہ علوم کس طرح محفوظ رکھے حالانکہ آپ کے ساتھی بھول گئے؟ فرمایا میرے ساتھیوں نے حاصل کرنے کے بعد چھوڑ دیا اور میں برابر اس کا مذاکرہ کرتا رہا۔

میر سید شریف جرجانی کا مشہور قصہ ہے کہ علامہ قطب الدین رازی کے پاس پڑھنے کے لئے اس وقت پہنچے جب وہ پیر فرتوت ہو چکے تھے، علامہ نے بڑھاپے کا عذر کیا اور اپنے ایک شاگرد مبارک شاہ کے پاس بھیج دیا، یہ مبارک شاہ علامہ قطب الدین کے غلام تھے بچپن سے انہوں نے مبارک شاہ کو پالا پوسا اور پڑھایا یہاں تک کہ وہ مدرس ہو گئے اور ہر علم وفن میں فاضل و ماہر تھے۔

عام طور سے لوگ ان کو مبارک شاہ منطقی کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ مبارک شاہ نے میر صاحب کو اپنے حلقہ درس میں صرف بیٹھنے اور سننے کی اجازت دی پوچھنے اور قرأت کرنے کی اجازت نہ دی ایک دن مبارک شاہ رات کو یہ دیکھنے کے لئے کہ طلبہ کیا کر رہے ہیں چپ چاپ نکلے سید صاحب جس حجرہ میں رہتے تھے وہاں سے آواز آرہی تھی کہ کتاب کے مصنف نے تو یہ مسئلہ اس طرح لکھا ہے اور استاد نے یوں بیان کیا ہے اور میں اس مسئلہ کی تقریر یوں کرتا ہوں مبارک شاہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر سننے لگے میر سید صاحب کی تقریر کا انداز اتنا دلچسپ تھا کہ مبارک شاہ کو وجد آگیا۔ (مفتاح ج ۱ ص ۲۴۷)

تحصیل علم

جب حافظ الحدیث حجاج بغدادی شبابہ کے یہاں تحصیل علم کو جانے لگے تو ان کی مقدرت کی کل کائنات یہ تھی کہ ان کی دل سوز والدہ نے سو کلچے پکائے جن کو وہ ایک گھڑے میں بھر کر ساتھ لے گئے روٹیاں مہربان ماں نے پکائی تھیں سالن ہونہار فرزند نے خود تجویز کر لیا اور اتنا کثیر ولطیف کہ آج تک صدہا برس گذرنے کے بعد بھی ویسے ہی تر وتازہ موجود ہے وہ کیا؟ دجلے کا پانی حجاج ہر روز ایک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد سے پڑھتے، جس روز وہ روٹیاں ختم ہو گئیں ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا۔

علم کی خاطر

فن حدیث کے عالی مرتبت امام ابوحاتم رازی اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرہ میں رہا ایک مرتبہ تنگ دستی کی یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کھائے جب کپڑے بھی نہ رہے تو دو دن بھوکا رہا آخر ایک رفیق سے اظہار حال کیا خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک اشرفی تھی نصف اس نے مجھ کو دے دی، امام ابن جریر طبری نے تنگی خرچ کے سبب سے اپنے کُرتے کی دونوں آستینیں بیچ کھالی تھیں۔ ابن ابی داؤد جب کوفہ طالب علمی کرنے گئے تو صرف ایک درھم پاس تھا اس سے باقلا خریدا، باقلا کھاتے اور طالب علمی کرتے۔

شیخ الاسلام ابوالعلاء ہمدانی کو بغداد میں کسی نے اس حال میں دیکھا کہ رات کو مسجد کے چراغ کی روشنی میں جو بلندی پر تھا کھڑے کھڑے لکھ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر ان کو روغن خریدنے کی قدرت ہوتی تو یہ تکلیف وصعوبت کیوں گوارا کرتے۔

حکیم ابونصر فارابی کی ایک عالم میں شہرت ہے ان کی نسبت بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ وہ عہد طالب علمی میں تہی دستی کی بدولت چراغ کا تیل خریدنے سے بھی معذور تھا تاہم اس کا شوق بیکار رہنے والا نہ تھا۔ رات کو پاسبانوں کی قندیلوں سے کام لیتا اور ان کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیا کرتا۔ اسی تنگ حالی میں وہ علمی ترقی کی کہ سارے جہاں میں اپنا نام روشن کر دیا۔ (علمائے سلف)

اہل علم کیلئے مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کا دردانگیز بیان

(۱) فرمایا کہ فتویٰ کا خاص ذوق اور ملکہ ہوتا ہے جو مفتی میں ہونا ضروری ہے اور وہ کتنی ہی کتابیں پڑھنے کے باوجود اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک برسہا برس کسی

ماہر مفتی کے زیرِ ہدایت فتویٰ لکھنے کا کام نہ کیا ہو۔"

(۲) فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے ہمیں دورہ حدیث ہی کے سال میں اس بات کی تاکید فرمائی تھی کہ فارغ التحصیل ہو جانے کو کبھی منتہائے مقصود نہ سمجھنا، فراغت کا حاصل صرف اتنا ہے کہ اس کے بعد انسان میں قوت مطالعہ پیدا ہو جاتی ہے اور علم کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اب یہ فارغ ہونے والے کا کام ہے کہ وہ علم کی چند کلیوں پر قناعت کرنے کے بجائے اس دروازہ میں داخل ہو اور اس قوت مطالعہ کو کام میں لاکر علم میں وسعت و گہرائی پیدا کرے۔"

(۳) فرمایا کہ فقہاء کرام نے محقق ابن ہمام اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے اصحاب اجتہاد کے تفردات کو قبول نہیں کیا تو بعد کے علماء کا معاملہ تو ان کے مقابلے میں بہت اہون ہے چنانچہ اگر کبھی آپ مفتی اعظم کا ذہن کسی ایسی رائے کی طرف مائل ہوتا جو معروف نقطہ نظر سے مختلف ہوتی تو آپ اس تلاش میں رہتے کہ یہ یا تو فقہاء مقدمین میں کسی کا قول اس کے موافق مل جائے یا معاصر علماء اس رائے پر مطمئن ہو جائیں اور جب تک یہ نہ ہوتا اس وقت تک آپ عموماً اس رائے کے مطابق فتویٰ نہ دیتے تھے۔"

(۴) فرمایا کہ محض فقہی کتابوں کے جزئیات یاد کر لینے سے انسان فقیہ یا مفتی نہیں بنتا۔ میں نے ایسے بہت سے حضرات دیکھے ہیں جنہیں فقہی جزئیات ہی نہیں ان کی عبارتیں بھی ازبر تھیں لیکن ان میں فتویٰ کی مناسبت نظر نہیں آئی۔ وجہ یہ ہے کہ در حقیقت فقہ کے معنی سمجھ کے ہیں اور فقیہ وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ عطا فرما دی ہو اور یہ سمجھ محض وسعت مطالعہ یا فقہی جزئیات یاد کرنے سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے کسی ماہر فقیہ کی صحبت اور اس سے تربیت لینے کی ضرورت ہے۔

(۵) فرمایا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے کہ تقلید شخصی کوئی شرعی حکم نہیں ہے بلکہ ایک انتظامی فتویٰ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ چاروں ائمہ مجتہدین برحق ہیں اور ہر ایک کے پاس اپنے موقف کے لئے وزنی دلائل موجود ہے لیکن اگر ہر شخص کو یہ

کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جب جس امام کے مسلک کو چاہے اختیار کر لے تو ہر شخص اپنی آسانی کی خاطر آج ایک مسلک پر عمل کر لے گا کل دوسرے مسلک پر اور اس طرح اتباع خداوندی کے بجائے اتباع نفس کا دروازہ کھل جائے گا۔

(۶) فرمایا کہ فتویٰ نویسی ایک مستقل فن ہے جس طرح مفتی کو بہت سی باتوں کی رعایت رکھنی پڑتی ہے۔ مثلاً سب سے پہلے مفتی کو یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ مستفتی کا سوال قابل جواب ہے یا نہیں اور بعض اوقات سوال کے انداز سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ اس کا مقصد عمل کرنا یا علم میں اضافہ کرنا نہیں بلکہ اپنے کسی مخالف کو زیر کرنا ہے یا حالات ایسے ہیں کہ اس سوال کے جواب سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں استفتاء کے جواب سے گریز کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۷) فرمایا کہ فتویٰ میں مسئلے کا مختصر حکم اور اس کے مفصل دلائل بالکل ممتاز ہونے چاہئے تا کہ جو شخص صرف حکم معلوم کرنا چاہتا ہو وہ بآسانی حکم معلوم کر لے اور جس شخص کو دلائل سے دلچسپی ہو وہ دلائل بھی پڑھے۔ فتاویٰ میں عام آدمی کے لئے تو صرف حکم ہوتا ہے اور دلائل اہل علم کے لئے ہوتے ہیں۔

(۸) فرمایا کہ درس حدیث میں ''روایۃ'' اور ''درایۃ'' کی تفریق عہد حاضر کی بدعت ہے اسلاف میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا ہے کہ بعض ابواب پر بحث کے دوران انتہا درجے کی تحقیق کا مظاہرہ کیا جائے۔ اور بعض کو تشریح مفہوم کے قابل بھی نہ سمجھا جائے۔ اس کے بجائے درس حدیث شروع سال سے اس متعدل انداز پر ہونا چاہئے کہ تمام ابواب کے تحت ضروری معلومات طالب علم کے سامنے آ جائیں۔ اور درس حدیث کا اصل فائدہ حاصل ہو۔

(۹) فرمایا کہ درس حدیث میں جو فقہی اختلافات اور ان کے مفصل دلائل بیان کئے جاتے ہیں ان کا مقصد جہاں اپنے مسلک کے دلائل کی وضاحت اور شبہات کا ازالہ ہوتا ہے وہاں اصل مقصد طالب علم میں تحقیق ونظر کی صلاحیت پیدا کرنا ہے تا کہ اس پر

یہ بات واضح ہو جائے کہ حدیث سے مسائل واحکام کا استخراج، متعارض احادیث میں تطبیق اور احادیث میں صحیح وسقم کی تحقیق کن اصولوں کے تحت کس طرح کی جاتی ہے۔ چنانچہ جب سال بھر تک اس قسم کے مباحث طالب علم کے سامنے آتے رہتے ہیں تو اس سے ایک مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ آئندہ اپنی بساط کے مطابق تحقیقی کام کرسکتا ہے۔ لہٰذا ان مباحث کے دوران استاد کو چاہئے کہ یہ دیکھتا رہے کہ طالب علم میں یہ مزاج پیدا ہوا یا نہیں؟ استاد کی تقریر کے ایک ایک لفظ کو یاد رکھنا طالب علم کی کامیابی کے لئے ضروری نہیں لیکن جن اصولوں کے تحت یہ مباحث ہوتے ہیں ان کا محفوظ ہو جانا ضروری ہے۔

(۱۰) فرمایا کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ حافظ ابن حجر ہوں یا علامہ عینی یہ سب حضرات صدیوں پہلے جنت میں اپنے خیمے گاڑ چکے ہیں، ان کی شان میں کوئی نامناسب بات کہہ کہ اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔

(۱۱) فرمایا کہ ائمہ مجتہدین کا اختلاف تو ہوا ہی اس مقام پر ہے جہاں دلائل کی رو سے دونوں راہوں کی گنجائش موجود تھی لہٰذا یہ ثابت کرنے کی فکر کہ دوسرا مسلک بلا دلیل ہے بڑی نادانی کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دلائل دونوں کی طرف موجود ہیں اور کسی ایک مجتہد کی تقلید تو کی ہی اس مقام پر جاتی ہے جہاں دلائل متعارض ہوں اس لئے اگر کسی حدیث کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ یہ شافعیہ حنابلہ یا مالکیہ کے مسلک پر دلالت کرتی ہے تو یہ واقع کے عین مطابق ہوگا کیونکہ اگر کسی مسلک پر کوئی دلیل نہ ہوتی تو یہ حضرات اسے اختیار ہی کیوں فرماتے۔

(۱۲) فرمایا کہ میں نے ۱۳۴۵ھ میں جو پہلا حج کیا تو وہاں حرم مکہ میں حدیث کے مختلف درس ہوا کرتے تھے ان میں شرکت کی تو ان کا طریقہ بہت پسند آیا کہ وہ حدیث میں تاویلات کرنے کے بجائے ایک ہی باب کی مختلف احادیث آئیں تو حدیث کے تحت فرماتے فیه حجة سادتنا المالكية پھر اس کے مخالف دوسری

حدیث آتی ہوتو فرماتے فیه حجة ساداتنا الحنفية۔

(۱۳) فرمایا کہ قرآن کریم محض تلاوت بھی بلا شبہ بہت موجب اجر ہے لیکن ایک عالم کو چاہئے کہ وہ کچھ وقت تدبر قرآن کے لئے بھی نکالا کرے۔ قرآن کریم کا کوئی لفظ حشو یا زائد نہیں ہے لہٰذا اگر غور کیا جائے تو اس کے ہر لفظ سے کسی نئے فائدے کی طرف رہنمائی مل سکتی ہے۔

(۱۴) فرمایا کہ باطل فرقوں کی تردید بھی درحقیقت دعوت وتبلیغ ہی کی ایک قسم ہے لہٰذا اس میں بھی حکمت مواعظ حسنہ اور مجادله بالتي هي احسن کے اصولوں پر عمل ضروری ہے آج کل دوسروں کی تردید میں طعن وتشنیع، طنز تعریض اور فقرے کسنے کا جوانداز عام ہوگیا ہے اس سے اپنے ہم خیال لوگوں سے داد تو وصول ہوجاتی ہے لیکن اس سے مخالفین کے دل میں ضد اور عناد پیدا ہوجاتا ہے اور کسی کا ذہن بدلنے میں مدد نہیں ملتی۔

(۱۵) فرمایا کہ یوں تو انسان کو اپنے ہر قول وفعل میں محتاط ہونا چاہئے لیکن خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرو جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کے لئے کافی مواد موجود نہ ہو۔

(۱۶) فرمایا کہ اکابر علماء دیوبند کا طریقہ یہی رہا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہنے کی حالت میں انہوں نے عملی سیاست میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا لیکن جب حضرت شیخ الہند آزادی ہند کے سلسلے میں تحریکات خلافت میں میں موثر حصہ لینے لگے تو دارالعلوم دیوبند سے الگ ہوگئے۔

(۱۷) فرمایا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ارباب اقتدار اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ ملا اقتدار چاہتا ہے میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم کبھی اقتدار میں آنا نہیں چاہتے لیکن

ارباب اقتدار کو تھوڑا سا مُلّا بنانا ضرور چاہتے ہیں۔

(۱۸) فرمایا کہ اگر صرف علم کسی شخص کی عظمت کے لئے کافی ہوتا تو شیطان بھی بہت بڑا عالم ہے اور وہ مستشرقین جو دن رات علمی تحقیقات میں مصروف رہتے ہیں وہ بہت سے مسلمان اہل علم سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے علم کی کیا قدر و قیمت ہوسکتی ہے جو انسان کو ایمان کی دولت نہ بخش سکے، اسی طرح جو علم انسان کی عملی زندگی پر اثر انداز نہ ہو وہ بیکار ہے۔

(۱۹) فرمایا کہ حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ میں نے تحصیل علم میں نہ تو محنت زیادہ کی ہے اور نہ بہت سی کتابیں میرے مطالعہ میں رہیں بس اتنا اہتمام کیا کہ اپنے کسی بھی استاد کو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے آپ سے ناراض نہیں ہونے دیا۔ یہ سب اسی کی برکت ہے کہ اللہ نے دین اور علم دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اکثر اکبر مرحوم کا یہ شعر پڑھتے

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

(۲۰) فرمایا کہ حضرات فقہاء نے من لم یعرف عرف زمانہٖ فھو جاھل یعنی جو اپنے زمانہ کے رسم و رواج وغیرہ سے واقف نہ ہو تو فقیہ نہیں ہوسکتا بالکل صحیح فرمایا ہے۔

(۲۱) طلباء و اساتذہ سے فرمایا کہ آپ کو ملکی سیاست کا علم ہونا ضروری ہے البتہ جب مشغلہ میں مصروف ہیں اس وقت تک عملی سیاست میں قطعاً حصہ نہیں لیں اور نہ کسی دوسری تنظیم کا رکن بنیں کیونکہ اس سے تحصیل علم میں خلل واقع ہوگا۔

(۲۲) فرمایا کہ قرآن عظیم میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ جو طائفہ علم دین حاصل کرنے کے نام پر جمع ہوا ہے اس کا کام یہ ہے کہ دین میں سمجھ بوجھ پیدا کرے اور سمجھ بوجھ اس کو کہا جائے گا جبکہ اس علم کے ساتھ عمل بھی ہو جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو وہ دین کی سمجھ بوجھ نہیں کہلاتی ایسا علم تو شیطان کو بھی ہے۔

(۲۳) فرمایا تم شروع سال ہی سے اپنی نیت کو درست کرلو اپنی نیت یہ رکھو کہ ہم جو کچھ پڑھ لکھ رہے ہیں۔ اس سے رضائے خداوندی حاصل کرنا ہے اگر اس مقصد کو مدنظر رکھ کر تم نے تعلیم کی ابتداء کی تو انشاء اللہ تم کو پڑھنے کا پورا پورا ثواب ملے گا۔ اگر خدا نخواستہ یہ علم پڑھنے کا کوئی اور ارادہ ہے مثلاً یہ کہ لوگ تمہاری عزت کریں، تمہیں مفتی صاحب کہیں، اور تمہارے بالوں اور قدموں کو بوسہ دیں، اگر یہ نیت ہے تو فوراً توبہ کرو اور اپنی نیت کو فوراً صحیح کرو۔

(۲۴) طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تقریر کرنے کی مشق کیا کریں۔ فرمایا کہ مولویوں کے لئے ضروری ہے کہ ان کو تقریر کرنی آتی ہو۔ فرمایا کہ ایک اچھا واعظ اور مقرر بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہر واعظ قرآن حکیم کی اس آیات کو ملحوظ رکھے۔

﴿اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ﴾

(۲۵) طلباء سے فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد کھیل وغیرہ ہلکی ورزش کا اہتمام کیا جائے۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو چہل قدمی ہی کی جائے۔ اس سے انشاء اللہ صحت اچھی رہے گی اور پڑھائی وغیرہ میں دل لگے گا اور انسان دلجمعی کے ساتھ رات کے وقت مطالعہ کر سکے گا۔ فرمایا کہ چہل قدمی کے لئے بازار یا مارکیٹ یا پارکوں کا اہتمام نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس میں بہت بڑی خرابی ہے اوّل یہ کہ بازار وغیرہ جا کر انسان خواہ مخواہ کے گناہوں کا مرتکب ہو جاتا ہے اور بازاروں اور پارکوں وغیرہ سے دل مردہ ہو جاتا ہے اس لئے اہل علم کو ایسے مقامات پر خواہ مخواہ جانا مناسب نہیں۔ ہاں بقدر ضرورت اگر کسی کام سے جائے تو چاہئے کہ فوراً لوٹ آئے۔

(۲۶) فرمایا عزیز و ایک عرصہ سے مدارس عربیہ کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے مدارس میں روحانیت کی کمی واقع ہونی شروع ہوئی۔ مگر تعلیمی استعداد پھر بھی اچھی تھی۔ مگر اب یہ افتاد آگئی ہے کہ عادات و اعمال کے ساتھ

ساتھ تعلیمی استعداد بھی گرتی جارہی ہے اور اب مدارس بالکل بانجھ ہوگئے ہیں کہ اب بہت ہی کم اللہ والے علماء فارغ التحصیل ہوکر نکلتے ہیں۔

(۲۷) فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا علم ہمیشہ باقی اور تازہ رہے اور اس میں دن رات اضافہ ہو تو تم کو چاہیے کہ اپنے اندر عمل پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ فرمایا کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد کسی پیر کامل اور شیخ کامل کی صحبت اختیار کی جائے اور اس سے اپنی اصلاح باطن کروائیں۔

(۲۸) فرمایا کہ جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے اور پھر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ سنایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: **عملو اصحابکم قول لاادری** اپنے ساتھیوں کو لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا بھی سکھاؤ۔

(۲۹) فرمایا کہ دینی خدمت کے میرے سامنے اور بھی طریقے اور راستے تھے لیکن میں نے فتویٰ کی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سوچ سمجھ کر بنایا اس لئے کہ اس کا نفع نقد ہے اور دوسرے طریقوں میں ایسا نہیں۔ فرمایا کہ اگر کوئی شخص صرف تصنیف وتالیف کو اپنا مقصد زندگی بنالے اور کتابیں لکھا کرے تو اس کا نفع مصنف کو اسی وقت حاصل ہوگا جب کوئی اس کتاب کو پڑھے گا اور اس پر عمل کرے گا اور معلوم نہیں کہ ایسا ہوگا بھی یا نہیں۔

(۳۰) فرمایا کہ مفتی کو ہمیشہ اس امر کا خصوصی طور پر خیال رکھنا چاہئے کہ اس کے فتویٰ سے کوئی فتنہ نہ کھڑا ہوجائے نہایت سوچ سمجھ کر لکھنا چاہئے کہ کتب کی طرف مراجعت کے ساتھ ساتھ موقع اور محل کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے فقہاء نے فرمایا ہے:

﴿من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل﴾

(۳۱) فرمایا کہ مفتی کو چاہئے کہ جن مسائل کا تعلق اپنی ذات سے ہو ان مسائل میں دوسرے علماء سے استفسار کرے اپنے نفس پر اعتماد نہ کرے کیونکہ نفس کے کید خفی کا اندیشہ ہے۔

(۳۲) فرمایا کہ میری زیادہ تر یہ خواہش رہتی ہے کہ مدرسہ میں چند اللہ والے جمع ہوجائیں اگرچہ زیادہ محقق نہ ہوں۔ جس مدرس کا مقصود تنخواہ لینا ہو اس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنی اصطلاح میں پیشہ ور مولوی فرمایا کرتے تھے۔

(۳۳) ایک دفعہ فرمایا کہ بعض مدرسین مدرسہ سے تنخواہ تو پوری وصول کر لیتے ہیں مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام ان کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے۔ کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں کبھی بلاوجہ سبق کا ناغہ کر دیتے ہیں کبھی سبق میں بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرتے ہیں جس سے سبق کی کمیت اور کیفیت کا نقصان ہوجاتا ہے۔ یہ سب باتیں امانت و دیانت کے خلاف ہیں۔ خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔

(۳۴) فرمایا کہ مدرسہ کی ضروریات کی اہل خیر کو عمومی اطلاع دے دی جایا کرے یا ان مخصوص حضرات کو اطلاع کر دی جائے جو ایسے مواقع خیر کے منتظر رہتے ہیں مگر چندہ کرنے کا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے اہل علم کی بے وقعتی ہوں۔

(۳۵) فرمایا کہ میرے خیال میں مولوی وہ ہے جس میں اس قدر استعداد ہو کہ ہدایہ کی چاروں جلدوں میں جو جگہ اس کو بتلائی جائے اس کو حل کر کے سمجھا اور پڑھا سکے۔

(۳۶) فرمایا کہ بقسم کہتا ہوں کہ میں نے ایک عالم بھی ایسا نہیں دیکھا کہ جس نے اللہ کے لئے پڑھا اور پڑھایا ہو اور اللہ نے اس کو عزت و راحت کی زندگی عطا نہ کی ہو اگر عالم ہو کوئی رسوا ہو تو اپنی بدعملی سے ہوا۔

(۳۷) فرمایا کہ طلباء کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں ہے اور اس دور میں سہل پسندی اور کاہلی سے کام لے کر اپنی عمر کے قیمتی حصے کو برباد کر دیتے ہیں یاد رکھو ایک ایک لمحہ آپ کا قیمتی ہے اس کو یوں ہی نہ گزارو۔

(۳۸) فرمایا کہ جو استاد کسی مدرسے میں پڑھا رہا ہے اسے وہاں پڑھانے کے دوران اپنے مدرسے میں آنے کی دعوت دینا اصول کے خلاف ہے اوّل تو اس میں سوم علی سوم اخیہ کا گناہ ہے دوسرے ایک مدرسے کو اجاڑ کر دوسرا مدرسہ آباد کرنا دین کی کوئی خدمت

نہیں۔ ہاں اگر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی صاحب اس مدرسے سے الگ ہو گئے ہیں یا الگ ہونے کا ارادہ ہے تو ان سے زیادہ سے زیادہ جو بات فرماتے وہ یہ تھی کہ اگر آپ اس مدرسے کو خود چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں تو دارالعلوم حاضر ہے۔

(۳۹) فرمایا کہ حضرت نانوتوی کی وصیت کے مطابق جب تک دینی مدارس توکل، استغناء اور للّٰہیت پر کاربند رہیں گے ان کا کام انشاء اللہ بابرکت ہوگا اور اہل علم سے دنیا کو فائدہ پہنچے گا لیکن جب اہل علم بھی توکل استغناء سے محروم ہو جائیں اور اہل ثروت کی ثروت یا ان کی نگاہ جانے لگے تو ان کی تعلیم و تبلیغ بھی انوار و برکات سے خالی ہو جائے گی۔

(۴۰) حضرت والا صاحب (حضرت مفتی اعظم) نے تمام منتظمین کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہم نے دارالعلوم کی شکل میں کوئی دکان نہیں کھولی بلکہ خدمت دین کا ایک ادارہ قائم کیا ہے جب تک آپ حضرات اس ادارے کو صحیح اصولوں پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلا سکیں چلائیں اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آ جائے کہ اسے صحیح اصولوں پر چلانا ممکن نہ رہے تو میرے نزدیک اسے بند کر دینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو غلط اصولوں پر چلایا جائے۔

(۴۱) فلسفہ اور عقلیات کی حقیقت اور اس کے پائے چوبیں کی ناپائیداری حضرت والا صاحب پر روز روشن کی طرح واضح تھی لیکن جب کبھی آپ کے سامنے یہ تجویز پیش ہوتی کہ معقولات کو درس نظامی سے نکال دیا جائے تو حضرت والا صاحب اس کی سخت مخالفت فرماتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تفسیر حدیث فقہ اصول فقہ اور عقائد پر لکھی ہوئی متقدمین کی کتابیں معقولات کی اصطلاحوں سے بھری ہوئی ہیں اور اگر قدیم منطق و فلسفہ کو بالکل دیس نکالا دیا جائے تو اسلاف کی ان کتابوں سے خاطر خواہ استفادے کی راہ مسدود ہو جاتی ہے جو ہمارا گرانقدر علمی سرمایہ ہے۔ اس کے علاوہ منطق و فلسفہ کی تعلیم سے ذہن و فکر کو جلا ملتی ہے اور ذہن مسائل کو مرتب طریقے سے

سوچنے کا عادی بن جاتا ہے اسی طرح یہ علوم تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کے مسائل سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں۔

(۴۲) فرمایا مدرس لمبی چوڑی تقریر کر کے سمجھتا ہے کہ میں نے سبق کا حق ادا کر دیا، کتاب سمجھا دی اور میرا حق ادا ہو گیا اور اسی طرح طالب علم سمجھتے ہیں کہ اب امتحان میں پاس ہو جائیں گے یا مدرس بن جائیں گے یہ کافی نہیں زیادہ ضروری یہ امر ہے کہ مدرس اور طالب علم جو کچھ پڑھتے پڑھاتے جائیں ان پر عمل بھی کرتے جائیں اگر عمل کر لیا تو واقعی کتاب کا حق ادا کر لیا۔ اس لئے عمل کرنے اور کروانے کی نیت سے پڑھنا پڑھانا چاہئے۔

(۴۳) ایک مرتبہ طلباء سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میں اپنی اسی ۸۰ سالہ زندگی کا نچوڑ اور حاصل آپ کو بتلاتا ہوں اس کو توجہ سے سنو یہ خلاصہ ساری دنیا دیکھ کر اور دنیا داروں اور دینداروں کا تجربہ کر کے اور زندگی کے تمام اتار چڑھاؤ دیکھ کر بیان کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ جس کام میں لگے ہیں (یعنی تعلیم و تعلم) اگر یہ خلوص کے ساتھ محض حق تعالیٰ شانہ کی رضا کے لئے ہے تب تو یہ ایسا عظیم الشان کام ہے کہ دنیا کا کوئی کام اس کے برابر نہیں یہ سب سے بہتر اور افضل ہے اور اگر خدانخواستہ مقصود اس سے رضائے الٰہی نہیں دنیا کمانا پیش نظر ہے جیسا کہ آج کل یہ کام صرف ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے تو میرے عزیزو پھر دنیا میں اس سے بدتر کوئی کام نہیں۔ (العیاذ باللہ)

(۴۴) فرمایا کہ میں مدرسین میں محققین تلاش نہیں کرتا، جو شخص کتاب اچھی طرح سمجھا دے اسی سے کام چلا لیتا ہوں، آدمی مدرس ہو، مقیم ہو، صالح ہو، مفسد نہ ہو، بس یہ کافی ہے، اگر محقق ہو اور مفسد ہو تو مدرسہ اور طلباء کا علم و عمل سب تباہ ہو جائے گا۔

(۴۵) فرمایا کہ دارالعلوم دیوبند کا وہ زمانہ تھا کہ مہتمم سے لے کر دربان اور چپڑاسی تک ہر شخص صاحب نسبت تھا۔

(۴۶) ختم بخاری شریف پر فرمایا آج ہمیں اپنے پورے سال کی محنت کا نتیجہ دیکھنا ہے

اور سال بھر جو چکی پیسی اس کے بارے میں غور کرنا ہے کہ حاصل کیا ہوا اور اس موقع پر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد "جعجعة ولا طحين" نقل فرمایا کرتے تھے یعنی چکی تو چلالی اب یہ دیکھو کہ آٹا بھی ہے یا نہیں فرماتے تھے کہ سال بھر کی محنت سے چند آدمی تیار ہوتے ہیں لیکن ان کو سند جو دی جائے گی دنیا میں اس کی دو پیسے کی بھی قیمت نہیں اس کے علاوہ کالج یونیورسٹی میں کوئی ملازمت نہیں مل سکتی اور درحقیقت ہمارے مدرسوں سے فارغ ہونے والوں کو چاہئے بھی یہی کہ مدرسوں ہی میں زندگیاں گزار دیں دوسری طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ اللہ کے یہاں علوم قرآن وحدیث کی قدر ہے بس ہمیں وہی چاہئے اہل دنیا کی ملازمت کی ہمیں ضرورت ہی کیا۔ (ماخوذ ماہنامہ البلاغ شوال ۱۴۱۶ھ)

عالم کے مرنے کے بعد باقی رہنے والی چیزیں

﴿وعن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشيآء: صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعوله﴾ (رواہ مسلم)

ترجمہ: "اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔

(۱) صدقہ جاریہ۔

(۲) علم جس سے نفع حاصل کیا جائے۔

(۳) صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔

تشریح: ایسے اعمال جن کا تعلق دنیاوی زندگی سے ہوتا ہے ان کے اثرات مرنے

کے بعد دنیا ہی میں ختم ہوجاتے ہیں مثلاً نماز روزہ وغیرہ ایسے اعمال ہیں جو انسان کی زندگی میں ادا ہوتے تھے کہ ان کا ثواب بایں طور باقی رہتا ہے کہ وہ ذخیرہ آخرت ہوجاتے ہیں اور مرنے کے بعد اس پر جزاء ملتی ہے مگر ان کا سلسلہ مرنے کے بعد آئندہ جاری نہیں رہتا۔ کیونکہ زندگی میں جب تک یہ اعمال ہوتے تھے اس کا ثواب ملتا رہتا تھا جب زندگی ختم ہوگئی تو یہ اعمال بھی ختم ہوگئے اور جب یہ اعمال ختم ہوگئے تو اس پر جزاء سزا کا ترتیب بھی ختم ہوگیا۔

لیکن کچھ اعمال ایسے بھی ہیں جن کے ثواب کا سلسلہ نہ صرف یہ کہ زندگی میں ملتا ہے بلکہ مرنے کے بعد باقی وجاری رہتا ہے ایسے ہی اعمال کے بارے میں اس حدیث میں ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ تین اعمال ایسے ہیں کہ زندگی ختم ہوجانے کے بعد بھی ان کے ثواب کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے اور مرنے والا برابر اس سے منتفع ہوتا رہتا ہے۔

پہلی چیز صدقہ جاریہ ہے یعنی اگر کوئی شخص خدا کی راہ میں زمین وقف کرگیا ہے یا کنواں وتالاب بنوا گیا ہے یا ایسے ہی مخلوق خدا کے فائدہ کی خاطر کوئی دوسری چیز اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے جب تک یہ چیزیں قائم رہیں گی اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا۔

دوسری چیز علم نافع ہے یعنی کسی ایسے عالم نے وفات پائی جو اپنی زندگی میں لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتا رہا اور پھر اپنے علوم ومعارف کو کسی کتاب کے ذریعہ محفوظ کرگیا جو ہمیشہ لوگوں کے لئے فائدہ مندہ اور رشد وہدایت کا سبب بنی ہے یا کسی ایسے شخص کو اپنا شاگرد بنا گیا جو اس کے علم کا صحیح وارث ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو زندگی ختم ہونے کے بعد اس کے لئے سرمایہ وسعادت ثابت ہوں گی اور جن کا ثواب اسے وہاں برابر ملتا رہے گا۔

تیسری چیز اولاد صالح ہے ظاہر ہے کہ کہیں کسی انسان کے لئے سب سے بڑی

سعادت اور وجہ افتخار اس کی اولاد صالح ہی ہوتی ہے اس لئے کہ صالح اولاد نہ صرف یہ کہ ماں باپ کے لئے دنیا میں سکون وراحت کا باعث بنتی ہے بلکہ ان کے مرنے کے بعد ان کے لئے وسیلہ نجات اور ذریعہ فلاح بھی بنتی ہے اور وہ اس طرح سے کہ لائق ونیک لڑکا اپنے والدین کی قبروں پر جاتا ہے، وہاں فاتحہ پڑھتا ہے، دعائے مغفرت کرتا ہے، قرآن پڑھ کر ان کو بخشتا ہے اور ان کی طرف سے خیرات وصدقات کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں مردہ کے لئے ثواب کا باعث ہیں جن سے وہ اخروی زندگی میں کامیاب ہوتا ہے۔

عالم کی فضیلت حدیث کی روشنی میں

﴿وعن ابی امامة الباهلی قال ذکر لرسول الله صلى الله عليه وسلم رجلان احدهما عابد والاخر عالم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فضل العالم على العابد كفضلي على ادناكم ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله وملئكته واهل السموات والارض حتى النملة في جحرها وحتى الحوت ليصلون على معلم الناس الخير. (رواه الترمذی ورواه الدارمی) عن مكحول مرسلا ولم يذكر رجلان وقال فضل العالم على العابد كفضلي على ادناكم ثم (تلا) هذه الآية (انما يخشى الله من عباده العلماء) وسرد الحديث الى آخره﴾

(ترمذی)

ترجمہ: ”حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت اس شخص پر جو تم میں سے ادنیٰ درجہ کا ہو۔ پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتے اور آسمانوں وزمین کی تمام مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں اس شخص کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی یعنی علم دین سکھاتا ہے ترمزی اور دارمی نے اس روایت کو مکحول سے مرسل طریقہ پر نقل کیا ہے جس میں لفظ رجلان کا ذکر نہیں ہے اور کہا ہے کہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسی مجھے تمہارے میں سے ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاء.

ترجمہ: خدا کے بندوں میں علماء ہی خدا سے ڈرتے ہیں۔ اور پھر پوری حدیث آخر تک ہی اسی طرح بیان کی۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کو بہت زیادہ عظمت وفضیلت حاصل ہوتی ہے اور اسے عابد پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عابد اور عالم دونوں میں یہ فرق ظاہر کیا ہے کہ جس طرح میں تم میں سے اس شخص پر فضیلت رکھتا ہوں جو تم میں سے سب سے ادنیٰ درجہ کا ہو اسی طرح ایک عالم بھی عابد پر فضیلت رکھتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ادنیٰ شخص پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اب اس کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک عالم کو عابد پر فضیلت کس مرتبہ اور درجہ کی ہوگی۔

آخر حدیث میں کہا گیا ہے کہ اسی حدیث کو دارمی نے مکحول سے بطریق مرسل نقل کیا ہے اور اس میں اس حدیث کے ابتدائی الفاظ رجلان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے یعنی

ان کی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم بلکہ ان کی روایت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتی ہے۔

فرشتے طالب علم کے پاؤں کے نیچے پر بچھاتے ہیں

﴿عن كثير بن قيس قال كنت جالساً مع ابى الدرداء فى مسجد دمشق فجاء رجل فقال يا ايا الدرداء انى جئتك من مدينة رسول الله صلى الله عليه وسلم لحديث بلغنى انك تحدثه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ماجئت لحاجة قال فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من سلك طريقا يطلب فيه علما سلك الله به طريقا من طريق الجنّة وان الملائكة لتضع اجنحتها رضى لطالب العلم وان العالم ليستغفرله من فى السمٰوات ومن فى الارض والحيتان فى جوف الماء وان الفضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب وان العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما وانما ورثواالعلم فمن اخذه اخذ بحذ وافر.﴾

(رواہ احمد وترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی وسماہ الترمذی قیس بن کثیر)

ترجمہ: ”حضرت کثیر ابن قیس کہتے ہیں کہ میں (ایک صحابی) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دمشق شام کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے آپ کے پاس ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کے بارے

میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسے آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ آپ کے پاس میرے آنے کی اس کے علاوہ کوئی غرض نہیں ہے۔

یہ سن کر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے یہ سنا کہ جو شخص کسی راستہ کو خواہ لمبا ہو یا مختصر علم دین حاصل کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بہشت کے راستہ پر چلاتا ہے اور فرشتے طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پروں کو بچھاتے ہیں۔ اور عالم کے لئے ہر وہ چیز جو آسمانوں کے اندر ہیں (یعنی فرشتے) اور جو زمین کے اوپر ہے (یعنی جن وانس) اور مچھلیاں (جو پانی کے اندر ہیں) دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ اور عابد پر علم کی ایسی فضیلت ہے جیسا کہ چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے۔

اور عالم انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء وراثت میں دینار، درہم نہیں چھوڑ گئے ان کا ورثہ علم ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کیا اس نے کامل حصہ پایا (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی اور ترمذی نے راوی کا نام قیس ابن کثیر ذکر کیا۔ لیکن صحیح کثیر بن قیس ہی ہے۔ جیسا کہ صاحب مشکوۃ نے نقل کیا ہے۔''

تشریح: صحابی کی خدمت میں آنے والے کے علمی طلب وحصول دین کے حقیقی جذبہ کا اظہار ہوتا ہے کہ اس نے آتے ہی سب سے پہلے یہی کہا تھا کہ آپ کے پاس آنے سے میری غرض کوئی دنیوی منفعت یا محض ملاقات نہیں ہے بلکہ میں تو علم دین کے حصول کا حقیقی اور پر خلوص جذبہ لے کر آیا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ کے زبان سے نبی علیہ السلام کی مقدس حدیث سن کر اپنے قلب ودماغ کو علوم نبوی کی ایک

روشنی سے منور کروں۔ ہوسکتا ہے کہ طلب مذکور نے جس حدیث کے سننے کی طلب کی تھی وہ حدیث انہوں نے اجمالی طور پر سنی ہو اب ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کو تفصیلی طور پر سن لے یا یہ کہ انہوں نے تفصیل کے ساتھ ہی (کسی دوسرے سے) سن رکھی ہو۔ مگر اس جذبہ کے ساتھ حضرت ابوالدرداء کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حدیث کو بلا واسطہ صحابی سے سنیں۔

ابودرداء نے سائل کے جواب میں جو حدیث بیان فرمائی ہوسکتا ہے کہ وہ یہی حدیث ہو اور یہی حدیث اس کا مطلوب ہو۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حدیث جو یہاں نقل کی گئی ہے وہ طالب کا مطلوب نہ ہو چونکہ طلب نہایت مشقت و پریشانی برداشت کر کے اور دور دراز کا سفر طے کر کے طالب علم اور حصول حدیث کی خاطر آیا تھا اس لئے اس کی سعادت وخوش بختی کے اظہار کے طور پر اس کا ثواب بیان کیا۔ اور اس کی مطلوبہ حدیث انہوں نے بیان کی وہ چونکہ اس باب کے مناسب نہیں تھی۔ اس لئے مصنف کتاب نے اسے یہاں نقل نہیں کیا ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ جب طالب علم علم کی خاطر اپنے گھر سے نکلتا ہے اور راہ مسافت اختیار کرتا ہے تو فرشتے اس کی رضامندی کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں اس کی تشریح میں کہا جاتا ہے کہ یا تو واقعی علم کے شرف وعزت کی خاطر فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں یا پھر طالب علم کی عظمت اور اس کی طرف رحمت خداوندی کے نزول کے لئے یہ کنایہ ہے۔ نیز فرمایا گیا کہ آسمان وزمین میں خدا کی جتنی بھی مخلوق ہے سب کے سب عالم کی مغفرت کے لئے دعا کرتی ہیں۔

اس کے بعد پھر صراحت کی گئی کہ پانی کے اندر رہنے والی مچھلیاں بھی اس کے لئے استغفار کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ زمین کی مخلوق میں مچھلیاں بھی شامل ہے ان کو بظاہر الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس میں نقطہ یہ ہے کہ اس سے دراصل عالم کی انتہائی فضیلت وعظمت کا اظہار مقصود ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ پانی کا

برسنا جو رحمت خداوندی کی نشانی اور نعمت الٰہی کی علامت اور دنیا کی اکثر آسانیاں وراحتیں جو اسی سے حاصل ہوتی ہے اور تمام خیر وبھلائی جو اس کے علاوہ ہے سب کی سب عالم ہی کی برکت سے ہے۔ یہاں تک کہ مچھلیوں کا پانی کے اندر زندہ رہنا جو قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے۔علماء ہی کی برکت کی بناء پر ہے۔اس حدیث میں عالم اور عابد کے فرق کو بھی ظاہر کرتے ہوئے عابد پر عالم کو فوقیت اور برتری دی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کا فائدہ متعدی ہے اس کا فیضان صرف انسان کی اپنی ذات تک محدود نہیں ہے اس لئے عالم اور عابد کو چاند ستاروں سے مشابہت دی گئی ہے:

کہ جس طرح چودھویں کا چاند اپنی پوری تابانی اور جلوہ ریزی کے ساتھ آسمان پر نمودار ہوتا ہے تو دنیا کی تمام مخلوق اس سے مستفید ہوتی ہے اور اس کی روشنی تمام جگہ پہنچتی ہے جس سے دنیا فائدہ اٹھاتی ہے مگر ستارہ خود اپنی جگہ تو روشن ومنور ہوتا ہے مگر اس کا فیضان اتنا عام نہیں ہوتا کہ اس کی روشنی تمام جگہ پھیل سکے سب کو فائدہ پہنچ سکے۔ اگر یہ اشکال کر بیٹھے کہ عالم اور عابد میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی عالم محض علم پر بھروسہ کر بیٹھے اور علم پر عمل نہ کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی کوئی فضیلت نہیں اسی طرح عابد بغیر علم کے عابد نہیں ہوسکتا کیونکہ عبادت کی حقیقی اور اصلی روح علم ہی میں پوشیدہ ہے اس لئے عبادت بغیر علم کے صحیح طور پر ادا نہیں ہوسکتی۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جو عالم بالکل باعمل ہوگا وہی عابد بھی ہوگا اور جو عابد ہوگا وہ عمل باعمل بھی ہوگا اس لئے دونوں میں فرق کیا ہوا۔اس کا جواب یہ ہے کہ عالم سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد عبادات ضروریہ مثلاً فرائض واجبات اور سنن ومستحبات پر اکتفاء کر کے اپنے اوقات کا بقایا حصہ درس وتدریس میں مشغول رکھتا ہے یعنی اس کا کام درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، دین کی ترویج واشاعت ہوتا ہے اور عابد سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم کے بعد اپنی زندگی کا تمام حصہ تمام عبادت ہی عبادت میں صرف کرتا ہے نہ اسے علم کی اشاعت سے دلچسپی ہوتی ہے نہ تعلیم وتعلّم اس کا مقصد ہوتا

ہے بلکہ وہ ہمہ وقت عبادت ہی میں مشغول رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر علم کی اشاعت اور تعلیم و تعلّم کی فضیلت کا گہرا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ عمل افادیت کے اعتبار سے سب سے بلند مقام رکھتا ہے جو ہر حال میں عبادت پر افضل ہے جیسا کہ اکثر احادیث سے بھی ثابت ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ عالم اور عابد میں اس اعتبار سے فرق ہے اور عابد پر عالم کو فوقیت حاصل ہے۔ شرح السنۃ میں حضرت سفیان ثوری کا قول منقول ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں آج طالب علم سے افضل کوئی دوسری چیز نہیں جانتا لوگوں نے عرض کیا کہ کیا لوگوں کے خلوص نیت میں فضیلت نہیں ہے انہوں نے فرمایا کہ طالب علم خود نیت کا سبب ہے یعنی نیت اس سے اپنی آپ ہی سنور جاتی ہے۔

چنانچہ بعض علماء کا قول نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے علم غیر اللہ کے لئے حاصل کیا مگر بعد میں وہ اللہ ہی کے لئے ہوگیا۔ یعنی ہماری نیت پہلے مخلص اور صاف نہیں تھی مگر جب طالب علم کا حقیقی جذبہ پیدا ہوا اور علم کی روشنی نے قلب کو منور کیا تو نیت مخلص اور صحیح ہوگئی۔

علم کی فضیلت کا اس سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ علم کا طلب کرنا نماز نفل سے افضل ہے۔ کیونکہ وہ علم جس سے طلب کیا جارہا ہے تو وہ فرض عین یا فرض کفایہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں نفل سے بہر حال افضل ہے۔

ایک حدیث کے لئے ایک سال!

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت غالب قطان رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل کیا ہے جس سے تھوڑا سا اندازہ کیا جارہا ہے کہ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے متقدمین نے کیسی کیسی صعوبتیں اٹھائی ہیں اور ایک ایک حدیث کتنی قدر و منزلت کے ساتھ حاصل کی ہے؟

حضرت غالب قطان روئی کے تاجر تھے تجارت ہی کے سلسلے میں ایک مرتبہ کوفہ گئے سفر خالص تجارتی تھا لیکن جب کوفہ پہنچے تو سوچا کہ یہاں کے علماء حدیث سے استفادہ بھی کرنا چاہئے اس زمانہ میں وہاں مشہور محدث حضرت سلیمان اعمش درسِ حدیث دیا کرتے تھے یہ ان کے حلقہ میں جانے لگے اور بہت سی حدیثیں ان سے حاصل کیں۔

بالآخر جب تجارت کا کام ختم ہوگیا اور انہوں نے واپس بصرہ جانے کا ارادہ کیا تو آخری رات حضرت اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی خدمت میں گذاری آخر شب میں حضرت اعمش تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اس میں یہ آیت تلاوت کی:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّه' لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ ط وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوالْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ﴾

اس تلاوت کے ساتھ حضرت اعمش نے کچھ اور کلمات بھی کہے جس سے حضرت غالب قطان یہ سمجھے کہ ان کو اس آیت سے متعلق کوئی حدیث معلوم ہے۔ چنانچہ صبح کے وقت جب وہ امام اعمش سے رخصت ہونے لگے تو ان سے کہا رات میں نے دیکھا کہ آپ فلاں آیت بار بار پڑھ رہے تھے تو کیا اس آیت کے بارے میں آپ کو کوئی حدیث پہنچی ہے؟ میں سال بھر سے آپ کے پاس ہوں، آپ نے مجھے یہ حدیث نہیں سنائی۔

اس کے جواب میں امام اعمش کے منہ سے نکل گیا:

﴿واللہ لااحدثنک سنة﴾

ترجمہ: ”خدا کی قسم میں سال بھر اور تمہیں یہ حدیث نہیں سناؤں گا۔“

غالب قطان تاجر آدمی تھے، کاروباری سلسلے میں آئے تھے جتنا کچھ انہوں نے حاصل کرلیا تھا وہ کچھ کم نہ تھا اور صرف ایک حدیث کی بات تھی اور حدیث کوئی احکام سے متعلق نہیں تفسیر فضائل آیات سے متعلق ہے لیکن شوق وذوق دیکھئے کہ یہ سن کر

انہوں نے فوراً اپنا سفر منسوخ کر کے مزید سال بھر امام اعمش کے پاس رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ خود فرماتے ہیں:

میں وہیں ٹھہر گیا اور امام اعمش کے دروازے پر اس دن کی تاریخ درج کر دی جب پورا ایک سال گزر گیا تو میں نے اسے کہا ابو محمد! سال گذر چکا ہے۔

اب وہی حدیث سنا دیجئے۔

اس پر امام اعمش نے حدیث سنائی حدیث یہ تھی:

﴿حدثني ابو وائل عن عبد الله بن مسعود قال قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يجاء يصاحبها يوم القيامة فيقول الله تعالىٰ عبدى عهد الى وانا احق من وفى بالعهد ادخلوا عبدى الجنّة﴾

ترجمہ: ''مجھے ابو وائل نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کر کے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیات شهد الله الخ پڑھا کرتا ہوا سے قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں لایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے نے مجھ سے کیا تھا اور میں ایفاء عہد کا سب سے زیادہ حقدار ہوں میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔''

(ابن عبدالبر جامع بیان العلم وفضلہ ص ۹۹ ج ۱ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

ایک صالحہ عورت کا تذکرہ

حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا ایک سفر کے دوران راستے میں مجھے ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ملی، جس نے اون کی قمیص پہنی ہوئی تھی اور اون ہی کی اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی، میں نے اسے سلام کیا تو اس

نے جواب میں کہا:

﴿سَلامٌ قَوْلاً مِّنْ رَّبّ رَّحِیْمٍ﴾

ترجمہ: ''میں نے پوچھا اللہ تم پر رحم کرے یہاں کیا کر رہی ہو؟''

کہنے لگی:

﴿وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلاھَادِیَ لَہٗ﴾

ترجمہ: ''جسے اللہ گمراہ کردے اس کا کوئی رہنما نہیں ہوتا۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ راستہ بھول گئی ہے اس لئے میں نے پوچھا: کہاں جانا چاہتی ہو؟

کہنے لگی:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی﴾

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔''

میں سمجھ گیا کہ وہ حج ادا کرے اور بیت المقدس جانا چاہتی ہے، میں نے پوچھا: کب سے یہاں بیٹھی ہو؟

کہنے لگی:

﴿ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا﴾

ترجمہ: ''پوری تین راتیں۔''

میں نے کہا:

تمہارے پاس کچھ کھانا وغیرہ نظر نہیں آ رہا، کھاتی کیا ہو؟

جواب دیا:

﴿ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ﴾

ترجمہ: ”وہ اللہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔“

میں نے پوچھا: وضو کس چیز سے کرتی ہو؟

کہنے لگی:

﴿فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾

ترجمہ: ”پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔“

میں نے کہا: میرے پاس کچھ کھانا ہے کھاؤ گی؟

جواب میں اس نے کہا:

﴿اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾

ترجمہ: ”رات تک روزوں کو پورا کرو۔“

یہ رمضان کا تو زمانہ نہیں ہے۔

بولی:

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْراً فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾

ترجمہ: ”اور جو بھلائی کے ساتھ نفلی عبادت کرے تو اللہ شکر کرنے والا اور جاننے والا ہے۔“

میں نے کہا: سفر کی حالت میں تو فرض روزہ نہ رکھنا بھی جائز ہے۔

کہنے لگی:

﴿وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ: ”اگر تمہیں ثواب کا علم ہو تو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔“

میں نے کہا تم میری طرح کیوں بات نہیں کرتیں؟

جواب ملا:

﴿مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ﴾

ترجمہ: ”انسان جو بات بھی بولتا ہے اس کے لئے ایک نگہبان فرشتہ مقرر

ہے۔"

میں نے پوچھا تم ہو کون سے قبیلہ سے؟

کہنے لگی:

لَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ

ترجمہ: "جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑو۔"

میں نے کہا معاف کرنا مجھ سے غلطی ہوئی۔

بولی:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ﴾

ترجمہ: "آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے۔"

میں نے کہا، اگر چاہو تو میری اونٹنی پر سوار ہو جاؤ۔ اور اپنے قافلہ سے جا ملو۔

کہنے لگی:

﴿وَمَاتَفْعَلُوْ مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ﴾

ترجمہ: "تم جو بھلائی بھی کرو اللہ اسے جانتا ہے۔"

میں نے یہ سن کر اپنی اونٹنی کو بٹھالیا مگر سوار ہونے سے پہلے وہ بولی:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ﴾

ترجمہ: "مؤمنوں سے کہہ کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔"

میں نے اپنی نگاہیں نیچی کرلیں اور اس سے کہا سوار ہو جاؤ لیکن جب وہ سوار گئے اس پر وہ بولی:

﴿مَااَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾

ترجمہ: "تمہیں جو کوئی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال کے سبب ہوتی ہے۔"

میں نے کہا ذرا ٹھہرو میں اونٹنی کو باندھ دوں پھر سوار ہونا۔

وہ بولی:

﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمٰنَ﴾

ترجمہ: ’’ہم نے اس مسئلہ کا حل سلیمان۔ علیہ السلام کو سمجھا دیا۔‘‘

میں نے اونٹنی کو باندھا اور اس سے کہا اب سوار ہو جاؤ وہ سوار ہوگئی اور یہ آیت پڑھی:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾

ترجمہ: ’’پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لئے رام کردیا۔ اور ہم اس کو کرنے والے نہیں تھے اور بلا شبہ ہم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔‘‘

میں نے اونٹنی کی مہار پکڑی اور چل پڑا، میں بہت تیز تیز دوڑا جا رہا تھا اور ساتھ ہی، زور زور سے چیخ کر اونٹنی کو ہنکا بھی رہا تھا یہ دیکھ کر وہ بولی:

﴿وَاقْصُدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ﴾

ترجمہ: ’’اپنے چلنے میں اعتدال سے کام لو اور اپنی آواز پست رکھو۔‘‘

اب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا اور کچھ اشعار ترنم سے پڑھنے شروع کئے اس پر میں نے کہا:

﴿فَاقْرَءُوْا مَاتَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾

ترجمہ: ’’قرآن میں سے جتنا حصہ پڑھ سکو وہ پڑھو۔‘‘

میں نے کہا تمہیں اللہ کی طرف سے بڑی نیکیوں سے نوازا گیا ہے۔

بولی:

﴿وَمَايَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

ترجمہ: ’’صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔‘‘

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے اس سے پوچھا:

تمہارا کوئی شوہر ہے؟ بولی:

﴿لَا تَسْأَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾

ترجمہ: ”ایسی چیزوں کے بارے میں مت پوچھو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔“

اب میں خاموش ہوگیا اور جب تک قافلہ نہیں مل گیا میں نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ قافلہ سامنے آگیا تو میں نے اس سے کہا: یہ قافلہ سامنے آگیا ہے۔ اس میں تمہارا کون ہے؟

کہنے لگی:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾

ترجمہ: ”مال اور بیٹے دنیوی زندگی کی زینت ہیں۔“

میں سمجھ گیا کہ قافلے میں اس کے بیٹے موجود ہیں میں نے پوچھا قافلے میں ان کا کام کیا ہے؟

بولی:

﴿وعَلٰمٰت وبالنجم هم يهتدون﴾

ترجمہ: ”علامتیں ہیں اور ستارے ہی سے وہ راستہ معلوم کرتے ہیں۔“

میں سمجھ گیا کہ اس کے بیٹے قافلے کے رہبر ہیں۔ چنانچہ میں اسے لے کر خیمے کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا یہ خیمے آگئے ہیں اب بتاؤ تمہارا بیٹا کون ہے؟ کہنے لگی:

﴿وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾

یہ سن کر میں نے آواز دی، یا ابراھیم یا موسیٰ یا یحییٰ تھوڑی سی دیر میں چند نوجوان جو چاند کی طرح خوبصورت تھے میرے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

جب ہم سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو اس عورت نے اپنے بیٹوں سے کہا:

﴿فابعثوا احدکم بورقکم هذه الی المدينة فلينظر ايها ازکیٰ طعاماً فليأتکم برزق منه﴾

ترجمہ: ''اب اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ تحقیق کرے کہ کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے سو اس میں سے تمہارے واسطے کھانا لے آئے۔''

یہ سن کر ان میں سے ایک لڑکا گیا اور کچھ کھانا خرید کر لایا وہ کھانا میرے سامنے رکھا گیا تو عورت نے کہا:

﴿کلوا واشربوا هنيئاً بما اسلفتم فی الايام الخالية﴾

ترجمہ: ''خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو بسبب ان اعمال کے جو تم نے پچھلے دنوں میں کئے ہیں۔''

اب مجھ سے نہ رہا گیا میں نے لڑکوں سے کہا تمہارا کھانا مجھ پر حرام ہے جب تک تم مجھے اس عورت کی حقیقت نہ بتلاؤ۔ لڑکوں نے بتایا کہ ہماری ماں کی چالیس سال سے یہی کیفیت ہے چالیس سال سے اس نے قرآنی آیات کے سوا کوئی جملہ نہیں بولا اور یہ پابندی اس نے اپنے اوپر اس لئے لگائی ہے کہ کہیں زبان سے کوئی ناجائز یا نامناسب بات نہ نکل جائے جو اللہ کی ناراضی کا سبب بنے۔

میں نے کہا:

﴿ذَالِکَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

(الاشبھیؒ المستطرف فی کل فن مستظرف ص ۵۶، ۵۷ ج ۱۔ عبدالحمید احمد حنفی مصر ۱۳۶۸ھ)

امام ناصر الدین کا تذکرہ

صاحب فوائد الفوائد لکھتے ہیں:

''ایک مرتبہ امام ناصر الدین بستی بیمار ہوئے اور اس بیماری میں آپ کو مرض سکتہ ہوگیا اعزا و اقرباء نے آپ کو مردہ تصور کر کے دفن کر دیا۔ رات کے وقت آپ کو ہوش آیا خود کو مدفون دیکھا سخت متحیر ہوئے اس حیرت و پریشانی و اضطراب میں آپ کو یاد آگیا جو شخص حالت پریشانی میں چالیس مرتبہ سورۂ یٰسین پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اضطراب کو رفع کرتا ہے اور تنگی فراخی میں بدل جاتی ہے چنانچہ آپ نے سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کی ابھی انتالیس مرتبہ پڑھ چکے تھے کہ ایک کفن چور نے کفن چرانے کی نیت سے آپ کی قبر کھودی امام نے اپنی فراست سے معلوم کیا کہ یہ کفن چور ہے چالیسویں مرتبہ آپ نے بہت دھیمی آواز سے پڑھنا شروع کیا کہ دوسرا شخص نہ سن سکے ادھر آپ نے چالیسویں مرتبہ پورا کیا ادھر کفن چور بھی اپنا کام پورا کر چکا تھا۔ آپ اٹھ کر قبر سے باہر آئے کفن چور اس قدر ڈرا کہ اس کا دل پھٹ گیا اور چل بسا، امام ناصر الدین کو خیال ہوا کہ اگر میں فوراً شہر میں چلا جاؤں تو لوگوں کو سخت پریشانی و حیرت و ہیبت ہوگی پس آپ رات کو ہی شہر میں گئے اور ہر محلّہ کے دروازے کے آگے پکارتے تھے کہ میں ناصر الدین بستی ہوں تم لوگوں نے مجھے سکتہ کی حالت میں دیکھ کر غلطی سے مردہ تصور کیا اور دفن کر دیا، میں زندہ ہوں اس واقعہ کے بعد امام ناصر الدین نے قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ (فوائد الفوائد مترجم ص:۱۳۹)

حقوق استاد

(۱) شاگرد استاد کے پاس مسواک کر کے صاف کپڑے پہن کر جاوے۔

(۲) ادب کے ساتھ پیش آوے۔

(۳) نگاہِ حرمت و تعظیم سے ان پر نظر کرے۔

(۴) جو بتلاوے اس کو خوب توجہ سے سنے۔

(۵) اس کو خوب یاد رکھے۔

(۶) جو بات سمجھ میں نہ آوے اپنا قصور سمجھے۔
(۷) ان کے روبرو کسی کا قول مخالف ذکر نہ کرے۔
(۸) اگر کوئی استاد کو برا کہے حتیٰ الوسع اس کا دفعیہ کرے ورنہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہو۔
(۹) جب حلقہ کے قریب پہنچے سب حاضرین کو سلام کرے پھر استاد کو بالخصوص سلام کرے۔لیکن اگر وہ تقریر وغیرہ میں مشغول ہو تو اس وقت سلام نہ کرے۔
(۱۰) استاذ کے روبرو نہ ہنسے نہ بہت باتیں کرے ادھر ادھر نہ دیکھے نہ کسی اور کی طرف متوجہ رہے۔استاد کی بد خلقی کا سہارا کرے۔
(۱۱) اس کی تند خوئی سے اس کے پاس جانا نہ چھوڑے نہ اس کے کمال سے بداعتقاد ہو بلکہ اس کے اقوال اور افعال کی تاویل کرے۔
(۱۲) جب استاد کام میں لگا ہو یا طول ومغموم ہو............ کا پیاسا ہو یا اونگھ رہا ہو یا اور کوئی عذر ہو جس سے تعلیم شاق ہو یا حضور قلب سے نہ ہو ایسے وقت نہ پڑھے۔
(۱۳) حالت بعد وغیبت میں بھی اس کے حقوق کا خیال رکھے۔
(۱۴) گاہِ گاہِ تحفہ تحائف خط وکتابت سے ان کا دل خوش کرتا رہے اور بہت سے ہیں مگر ذہین آدمی کے لئے اسی قدر لکھنا کافی ہے وہ اسی سے باقی حقوق کو بھی سمجھ سکتا ہے۔(اصلاحی نصاب)

طلباء کی دو قسمیں ہیں

جو لوگ یہاں مدرسہ میں آئے ہیں اور پڑھ رہے ہیں ان کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ایک قسم تو ان بھائیوں اور عزیزوں کی ہے جو ماں باپ کے اصرار اور تقاضہ سے یا اس تعلق کی بناء پر جو اس معاشرہ میں والدین کا اولاد سے ہوا کرتا ہے اس سے مجبور ہو کر یہاں آئے ہیں یعنی یہ کہ ہمارا ان کا جو تعلق ہے وہ اس بناء پر ہے کہ وہ ماں باپ

کے حکم کی تعمیل میں یہاں آئے ہیں ان کی یہاں آنے کی نہ خواہش تھی اور نہ اس کے نزدیک اس کا کوئی فائدہ تھا چنانچہ یہاں آنے کے بعد بجائے اس کے یہاں ان کے دل میں اطمینان کی فضا قائم ہوتی، وہ اپنے والدین کے شکر گزار ہوتے اور ان کی خیر خواہی کے قائل ہوجاتے کہ انہوں نے بہت صحیح جگہ کا انتخاب کیا اور ان کی زندگی کے لئے اچھا راستہ تجویز کیا ان کے اندر مزید کشمکش پیدا ہوگئی ہے اب یہ کسی وجہ سے بھی ہو میں اس کے اسباب نہیں بیان کروں گا یہاں ان تفصیلات کی ضرورت نہیں اس کے علاج کی ضرورت ہے۔

ان کو یہاں آکر روز بروز یہ محسوس ہونے لگا کہ ان کو فائدہ یہاں حاصل نہیں ہورہا ہے ان کے والدین غالباً یہاں کے حالات سے واقف نہ تھے اور یہاں کی افادیت کا پوری طرح اندازہ نہیں تھا اشتراک عمل نہیں کرسکتے ہیں کے ساتھ خوش دلی کے ساتھ وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ جتنا زیادہ یہاں قیام رہے گا اتنا ہی ہمارا وقت گزرتا جائے گا اور کچھ حاصل نہ ہوگا کوئی خاص چیز یہاں سے ہم لے کر نہیں جائیں گے اور ہمیں برباد کیا جارہا ہے مجھے اس پر تعجب نہیں کہ عربی مدرسہ میں ایسے لوگوں کی بھی کوئی قسم ہوسکتی ہے اس لئے کہ واقعات کی دنیا میں بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جن کو ہم پسند نہیں کرتے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ اچھے اچھے لوگ بھی جو بہت سعید اور صالح ہوں اور بعد میں جاکر بہت ترقی کریں علمی ترقی کریں دینی ترقی کریں اولیاء اللہ بن جائیں لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ جب تک ان کے دل کو اطمینان حاصل نہیں ہے وہ کشمکش میں مبتلا رہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتی ہے اور کسی وقت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

ان سے مجھے یہ کہنا کہ وہ اپنے فیصلہ میں بالکل آزاد ہیں وہ اگر یہاں آکر بھی مطمئن نہیں ہوئے اگر وہ یہاں کے نظام کے ساتھ یہاں کے قواعد، قوانین، ضوابط اور یہاں کی فضا کے ساتھ اشراک عمل نہیں کرسکتے اس کے ساتھ خوش دلی کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ انہیں یہاں الجھن ہے اور دن رات ان کو یہ الجھن ستاتی ہے اور یہ ان کے

لئے ایک مسئلہ بن گیا ہے تو میں ان سے بہت ہی آزادی کے ساتھ خلوص اور صاف دلی کے ساتھ کہوں گا کہ وہ طلباء ہمت اور اخلاقی جرأت سے کام لیں اخلاقی جرأت سے بہت مدد ملتی ہے اس سے لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں اس سے بڑے بڑے فیصلے صادر ہو چکے ہیں وہ اپنے فیصلہ میں آزاد ہیں وہ اپنے والدین کو صاف صاف لکھ سکتے ہیں کہ یہاں آکر ہمیں اطمینان حاصل نہیں ہوا۔ ہم یہاں آکر کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے ہیں اور ہمیں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارا وقت ضائع ہو رہا ہے۔

آپ بڑے مغالطہ میں مبتلا ہیں اور خود کو دھوکے میں رکھے ہوئے ہیں آپ سمجھ رہے ہیں کہ ہم یہاں بڑی محنت سے پڑھ رہے ہیں لیکن واقعہ یہ نہیں ہے کس وجہ سے؟ یہ ہم آکر بیان کریں گے یا پھر کسی موقعہ سے ذکر کریں گے بہر حال حقیقت یہی ہے کہ یہاں ہمارا دل نہیں لگ رہا۔ یہاں ہمیں کوئی فائدہ محسوس نہیں ہو رہا ہے ان بھائیوں سے تو یہ کہنا تھا کہ وہ یہ فیصلہ کرلیں ہمیں انشاء اللہ ان سے نہ کوئی شکایت پیدا ہوگی نہ آئندہ ہمارے تعلق میں کوئی فرق واقع ہوگا۔ اور نہ ہم ان کے لئے خدانخواستہ کوئی بات زبان سے نکالیں گے۔

ہماری طرف سے اجازت ہے کہ وہ بخوشی اپنے گھر جائیں، والدین کے سامنے ذرا جرأت وہمت سے پوری بات رکھدیں کہ آپ نے ہمیں جس دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم پانے کے لئے بھیجا تھا وہاں جاکر ہم مطمئن نہیں ہوئے ہمارے لئے آپ کوئی دوسرا راستہ تجویز کیجئے۔

دوسری قسم

اب دوسری قسم وہ ہے جو یہاں آنے کے بعد یا یہاں آنے سے پہلے یہاں سے مطمئن ہوگئی ہے اور جو یہ سمجھتی ہے کہ ہم مدرسہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کا

فضل ہے کہ اس نے ہمیں زریں موقع عطا کیا ہے۔

علوم دینیہ میں مہارت پیدا کرنے کے لئے دین کے مطالب کو اور اس کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے اس کے حقائق ومعارف کو جاننے اور ان کے اندر تعمق پیدا کرنے کے لئے اللہ نے بہت اچھا موقع عنایت فرمایا اس کے تمام سامان یہاں مہیا ہیں تمام ضروری شرائط جو اس کے لئے ضروری ہیں یہاں موجود ہیں جن لوگوں کا کسی درجہ میں اس پر اعتقاد ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دارالعلوم کی تعلیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور علوم دینیہ میں کمال حاصل کرسکتے ہیں اور یہاں ہم ان مضامین میں جو پڑھائے جاتے ہیں۔ اچھی سمجھ اور اعلیٰ دستگاہ پیدا کرسکتے ہیں اور اپنے لئے کہ سب سے پہلے ہی سوال ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا اور ہر شخص اپنا ذمہ دار ہے۔ لاتزر وازرة وزر اخرٰی بہرکیف جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے لئے، اپنے والدین کے لئے، خاندان کے لئے، بستی کے لئے، پھر اللہ اگر ہمت وتوفیق دے تو اپنے صوبے کے لئے اور توفیق وصلاحیت مزید عطا کریں تو ملک کے لئے اور اگر اللہ تعالیٰ ....

اس سے بڑا حوصلہ اور ظرف عطا فرمائے تو پوری انسانیت کیلئے مفید ہوسکتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ہم کو اللہ کا راستہ معلوم ہوجائے بلکہ ہم اس راستہ کی طرف دوسرں کو بلانے کی بھی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرسکتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نیابت ہے یہ علوم نبوت ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ دولت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے مخصوص بندوں کو جن سے وہ امامت اور ہدایت کا کام لیتا ہے، ملتی ہے ارشاد ہے۔

﴿وَجَعَلْنَا هُمْ اَئِمَّةً يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾

ترجمہ: ”ہم نے ان کو پیشوا بنایا امامت کا منصب عطا کیا کہ ہمارے حکم

سے وہ دوسروں کو بھی ہدایت کرتے ہیں۔"

جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صلاحیت وتوفیق جس کسی کو نصیب ہوجاتی ہے اس سے سو آدمی ایک ہزار اور ایک لاکھ آدمی اور اللہ تعالیٰ کی فیاضی اور شان کریمی سے کچھ بعید نہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں آدمی ہدایت پاتے ہیں۔ اس کے نامۂ اعمال میں لاکھوں اور کروڑوں آدمی لکھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں لکھے گئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں لکھے گئے حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حساب میں لکھے گئے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے، آج ساری دنیائے اسلام میں جتنے مسلمان ہیں ان میں سے بہت تھوڑی تعداد کو مستثنیٰ کر کے تمام مسلمان چار مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں، مسلک حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ، مسلک شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، مسلک مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ اور مسلک حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اب آپ یہ دیکھئے کہ ایک ایک کے حساب میں کتنے لوگ آئے، کروڑوں انسان ایک ایک امام کے حساب میں لکھے گئے، اگر ان کے اس زمانہ سے جس وقت انہوں نے مسائل کا استنباط کیا اور لوگوں نے اس سے فائدہ حاصل کرنا شروع کیا اس وقت تک کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں کتنے کروڑ بلکہ کتنے ارب انسان لکھے گئے اور یہ بھی تو دیکھو کہ کس خانہ میں لکھے گئے؟ نماز کے فرض میں لکھے گئے روزہ کے فرض میں لکھے گئے زکوٰۃ کے فرض میں لکھے گئے ارکان اربعہ کے فرض میں لکھے گئے، ائمہ اربعہ کی فہرست میں جو لوگ لکھے گئے، کس کس عنوان کے ماتحت ان کا اندراج ہوا کتنی نمازیں ان کے حساب میں آئیں، اربوں انسانوں کے اعمال خیر ان کے نامہ اعمال میں لکھے گئے، آج ابھی ظہر کی نماز آپ پڑھیں گے، یقین کیجئے اس بات پر کہ اس کا ثواب امام ابوحنیفہ امام شافعی کی روح کو پہنچے گا اس میں ذرا بھی کلام نہیں، قرآن اس پر شاہد حدیث اس پر شاہد! فقہ اس پر شاہد!

اور تمہارے سامنے یہ علماء بیٹھے ہوئے ہیں ان سے پوچھو کہ کیا اس کا ثواب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام مالک امام احمد بن حنبل کو نہیں پہنچا؟ جن کے مسئلہ کے مطابق تم نے اپنی نمازیں درست طریقہ پر ادا کیں، جن کی محنت واستنباط کے نتیجے میں تم میں سے کسی نے اپنی نماز میں دعائے قنوت پڑھی اور کسی نے چھوڑ دی ان کو بھی ثواب ملا اور تم کو بھی ثواب ملا۔

کیا کوئی اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے ان کے اجر وثواب کا؟ آج کونسا ریاضی داں ہے جو ان ائمہ اربعہ اور ان محدثین کرام اور ان فقہائے عظام اور ان مشائخ کبار کے ثواب کا حساب جوڑ سکے۔ اور اس کی کوئی میزان متعین کر سکے۔ کیا کسی میں یہ قابلیت ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ، امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ، کے ثواب کا حساب جوڑ سکے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ثواب سیدنا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ثواب کا میزان مرتب کر سکے؟ کسی میں ہمت نہیں یہ وہ جگہ ہے جہاں یورپ کی ساری مشینیں عاجز ہیں اور ساری دور بینیں عاجز ہیں اور یورپ کے سارے سائنٹسٹ اور ریاضی داں عاجز ہیں۔

(پا جا سراغ زندگی ص ۴۴)

طلب علم طبعی جذبہ ہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان میں علم کا ذوق اور جذبہ فطری ہے یعنی پیدا کرانے سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ انسان علم کو طبعاً مطلوب سمجھے ہوئے ہے۔ ہر وقت اس کا جی چاہتا ہے کہ میرا علم بڑھتا رہے علم کی زیادتی سے کبھی بھی وہ تھکتا نہیں ہے۔ ہر وقت آپ کا جی چاہتا رہتا ہے کہ اچھی سے اچھی چیز آپ کے سامنے سے گزرے اور آپ دیکھیں یہ طلب علم نہیں تو اور کیا ہے؟ جی چاہتا ہے کہ اچھے سے اچھے کلمات کان میں پڑھتے رہے یہ علم کی طلب نہیں تو اور کیا ہے۔ کسی کو اخبار دیکھنے کا جی چاہتا ہے کسی کا

رسالے دیکھنے کو صبح اٹھتے ہی ہر شخص کوشش کرتا ہے کہ دیکھے اخبار کیا لکھتا ہے؟ یہ علم ہی کی طلب ہے بازار میں کوئی جھگڑا ہو جائے۔ ہر طرف سے لوگ سڑک پر جمع ہو جاتے ہیں جھگڑے میں شریک ہونے کے لئے نہیں بلکہ معلومات حاصل کرنے کے لئے کیا قصہ ہے کیوں ہوا ہے؟ بہر حال علم کی طلب طبعی ہے اور طبعیات کے لئے دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔

انسان کو بھوک لگتی ہے۔ تو دلیل کے زور سے نہیں لگتی کہ آپ استدلالی قوتوں سے بھوک لگائیں بلکہ جب لگی ہو تو لاکھ استدلال کریں وہ کبھی نہیں مٹ سکتی پیاس دلیل سے نہیں لگائی جاتی طبعی طور پر لگی ہے۔ انسان میں ایک جذبہ ہے اور اس جذبے کے ابھرنے کے بعد اگر خلاف میں بھی دلائل قائم ہوں تو بھوک نہیں رکے گی ....تو علم کی طلب ہی انسان میں طبعی ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ شانہ نے سر سے لے کر پیر تک مجسم علم کی طلب بنا دیا۔ انسان کے ہر ہر ذرّہ میں شعور موجود ہے۔ پورے بشرے اور پوری جلد میں احساس موجود ہے چھونے کی قوت موجود ہے جو سختی نرمی کا اور گرمی سردی کا علم حاصل ہوتی ہے تو سر سے لے کر پیر تک گویا انسان متعلّم ہے آنکھیں صورتوں کا علم حاصل کرتی ہے۔ کان آوازوں کا علم حاصل کرتے ہیں۔ ناک خوشبو کا علم حاصل کرتی ہے۔ زبان ذائقوں کا علم حاصل کرتی ہے۔ تو مختلف قسم کے علوم اور مشاعر ادراک انسان کے اندر موجود ہیں اور وہ ہر وقت ان اشیاء کی تسکین کا طالب رہتا ہے آنکھ والا کبھی یہ نہ چاہے گا کہ میں نہ دیکھوں کان والا کبھی نہ چاہے گا کہ کبھی نہ سنوں۔ دیکھوں بھی اور چکھوں بھی تو ہر وقت علم کی طلب انسان کے اندر موجود ہے۔ (حکیم الاسلام)

انسان میں طلب علم کے آلات جن کو نمایاں تر رکھا گیا ہے

اور علم حاصل کرنے کے آلات اس کے اندر موجود ہیں۔ قال تعالیٰ:

﴿وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِنۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ﴾ (نحل پارہ ۱۴)

ماں کے پیٹ سے تو آدمی ہنر لے کر نہیں آتا استعدادیں لے کر آتا ہے۔ جو ان مشاعر ادراک سے بڑھتا رہتا ہے۔ استعداد بڑھتی رہتی ہے۔ فعلیت میں آتی رہتی ہے اور ایک وقت میں جا کے انسان کامل عالم بن جاتا ہے۔ بہر حال انسان مختلف قسم کے علوم کا مجموعہ ہے لیکن ان علوم کے مشاعر اور ان ادراکات کے مخزن زیادہ تر چہرے کے اندر موجود ہے ہیں۔ بینائی کی قوت آنکھو میں ہے۔ سماعت کی قوت کان میں ہے، شم کی قوت ناک میں ہے گویا علم کے سب بڑے بڑے مشاعر چہرے کے اندر موجود ہیں۔ صرف قوت حسن چھونے کی قوت سارے بدن میں پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن وہ اتنی یعباء عبد قابل شمار نہیں ہے جتنا کہ یہ دوسری طاقتیں ہیں یعنی چھونے کی قوت ایک تو بلید قوت ہے وہ علم نہیں کرسکتی جب تک کہ اس ملموس کو معلوم کر کے سر پر پٹخ نہ دیا جائے آپ جب تک کسی چیز کو چھو نہیں لیں گے اس کی سختی نرمی معلوم نہیں ہو سکے گی کیونکہ اتنی بلید قوت ہے کہ دور سے علم نہیں حاصل کرسکتی جب تک کہ معلوم کو سر پر نہ چڑھا دیا جائے اس وقت پتہ چلتا ہے کہ یہ فلاں چیز ہے۔

اسی لئے شاید حق تعالیٰ شانہ نے کفّار کی بلادت ہدایت کے سلسلہ میں یوں واضح فرمائی ہے کہ:

﴿وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِىۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ بِاَيۡدِيۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ﴾ (انعام پ ۷)

اگر ہم کاغذوں میں بھی کتاب لکھ کر دے دیں اور وہ ہاتھوں سے چھو بھی لیں۔ تب بھی یہی کہیں گے کہ یہ سحر ہے یہ تو جادو ہے۔ پھر بھی ان کی سمجھ میں نہیں آئیگا یعنی ماسہ چھوڑنے والی) جیسی بلید قوت اس سے بھی یہ ابلے ہیں اس سے بھی انہیں ادراک حاصل نہیں ہوتا۔ تو جس کو قوت ماسّہ سے بھی علم حاصل نہ ہو وہ باصرہ سے کیا علم حاصل

کریگا؟ وہ سماعت سے کیا علم حاصل کریگا تو سب سے زیادہ بلید قوت انسان کے اندر لمس ومس کی قوت ہے جب تک معلوم سے ٹکرا نہ دیا جائے اس وقت تک اس سے علم حاصل نہیں ہوتا اس لیئے اونچی قوتیں یہی دو تین نکلتی ہیں ایک سننے کی قوت ایک دیکھنے کی ایک سمجھنے کی اسی واسطے قرآن کریم میں اکثر مواقع پر ان ہی تین قوتوں کو جمع کرکے ارشاد فرمایا گیا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّايَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّايُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّايَسْمَعُوْنَ بِهَا اُوْلٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وَ اُوْلٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ﴾

جہنم کے لئے ہم نے تیار کر رکھے ہیں بہت سے لوگ وہ کیسے ہیں؟ ان کے لیئے دل ہیں مگر سمجھنے کی طاقت نہیں، آنکھیں ہیں مگر دیکھنے کی ان میں ہمت نہیں کہ کلمۂ حق کو اور کلام حق کو یا معاملہ حق کو دیکھیں کان ہیں مگر سن نہیں سکتے۔ تو تین چیزیں ذکر کیں ایک کان ایک آنکھ اور ایک قلب تو گویا قابل شمار اور قابل اعتدال یہی تین قوتیں ہیں۔ یہاں ماسّہ کا ذکر نہیں کیا، سمع، بصر اور فواد، سننا دیکھنا اور سمجھنا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا﴾

تو سمع، بصر اور فواد کو جواب دہ قرار دیا گیا یہ نہیں کہ ہاتھ سے جواب طلب کیا جائے گا۔ اگر طلب کیا بھی جائے گا تو ان کے واسطے سے تو اکثر جگہ انہی تین طاقتوں کو جمع کیا گیا۔

اعضائے علم کی اعضائے عمل پر فضیلت

یہ تینوں چاروں طاقتیں انسان کے چہرے میں جمع ہیں اور چہرہ سب سے بلند

اور بالا چیز ہے گویا اس طرف اشارہ ہے کہ قوت علمیہ، قوت عملیہ سے افضل ہے جو علم کا مقام ہے حسی طور پر بھی بلند رکھا گیا ہے۔ آنکھ کی طاقت پیروں میں نہیں رکھی گئی سننے کی طاقت ہاتھ کی انگلیوں میں نہیں رکھی گئی قدرت دکھلانے کے لئے قیامت کے دن یہ ساری طاقتیں بدن میں بانٹ دیں گے مگر ان طاقتوں کا اصل موضوع چہرہ قرار دیا گیا جو اتنا باعزت ہے کہ احترام کے وقت اس کو چوما جاتا ہے پیشانی چومتے ہیں۔ سامنے جھکتے ہیں اسی لئے چہرے پر مارنے کی ممانعت ہے کہ چہرے پر مت مارو، حرمت کے خلاف ہے بہر حال ایک معظم ظرف ان کے لئے تجویز کی گئی ہے اس سے علم کی عظمت کو اور بزرگی معلوم ہوتی ہے ظاہر بات ہے جب علم عظمت والی چیز ہے جو عالم عظمت والی چیز نہ ہوگی تو عالم عظمت اور محترم عظمت والی چیز ہے تو عالم عظمت والی چیز نہ ہوگی؟ اس لئے آنکھ عالم ہے وہ اوپر رکھی گئی کان عالم ہے تو اوپر رکھا گیا، ناک عالم ہے تو اوپر رکھی گئی گویا یہ چہرہ یوں سمجھئے علماء کی ایک بستی اور دار العلوم ہے جس میں مختلف علوم رکھے ہوئے علماء جمع ہیں۔ کئی صدیوں کا عالم کوئی آوازوں کا عالم کوئی ذائقے کا عالم.......... مختلف قسم کے علوم کے علماء جمع ہیں۔ کوئی صورتوں کا عالم ہے کوئی آواز کا عالم کوئی ذائقہ کا عالم اور مختلف قسم کے علوم کے علماء جمع ہیں جنہیں اوپر جگہ دی گئی ہے۔

انسان میں دوسرے اعضاء بھی ہیں مگر وہ مزدور قسم کے اعضاء ہیں ہاتھ پیر سے علم کا تعلق نہیں عمل کا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجہ آخرت میں جب کوئی عذاب دیا جائے گا تو یہ کہا جائے گا ذَالِکَ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ تو کسب اور عمل ہاتھوں پیروں کی طرف منسوب کیا گیا تو ہاتھ اور پیر یہ مزدور قسم کے اعضاء ہیں عالم قسم کے اعضاء نہیں گو مزدور میں بھی تھوڑا بہت علم تو ہوتا ہے۔ بالکل پتھر تو وہ بھی نہیں ہوتا تو کچھ چھونے وغیرہ (لمس) کا علم ان کے اندر ہے۔ ہاتھ چھو کر کچھ پتہ چلا لیتا ہے پیر چھو کر کچھ پتہ چلا لیتے ہیں۔ مگر ان کی قوت ایسی معتد بہ قوت نہیں کہ اس کو مستقل علم شمار کیا

جائے تو مزدور بلکہ ہر کس وناکس کو تھوڑا بہت تو علم ہوتا ہی ہے۔ اعلیٰ ترین علم جو قابل اعتداد اور قابل شمار ہو وہ وہی علم ہے۔ جس کے علماء چھرے میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ تو مزدور طبقہ نیچے ہے اور علم طبقہ اوپر اس کو فضیلت دی گئی اور اس کو مفضول قرار دیا گیا تاکہ اہل علم یہ سمجھ لیں کہ ہمارے پاس جو چیز ہے وہ انتہائی شرف کی چیز ہے۔ وہ انتہائی عزت کی چیز ہے۔

علم کی عزت استغناء میں ہے

اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کی عزت کریں اور جتنی علم کی عزت کریں گے اتنی عالم کی عزت ہوگی۔ جتنا وہ اپنے علم کی بے حرمتی کرے گا خود عالم کی بے حرمتی پیدا ہوتی جائے گی۔ اگر ایک عالم خود اپنے علم کی عظمت نہ کرے تو دوسروں کو کیا مصیبت پڑی کہ اس کے علم کی عزت کریں پہلے اسے وقار کو سنبھالنا ہے۔ جب وہ اپنے وقار کو تو محسوس کرے گا تو دنیا اس کے وقار کے آگے جھکنے کے لئے مجبور ہوگی۔ اگر وہ علم کو ذلیل کرے تو اس کی عزت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہارون الرشید نے فرمائش کی کہ اگر وہ خود امین اور مامون کو موطا پڑھا دیں تو کب تشریف لائیں گے؟ فرمایا علم کا یہ کام نہیں کہ وہ در بدر پھرے علم کے طالب کا کام ہے۔ کہ وہ اس کے پیچھے پھرے اور فرمایا کہ یہ علم تمہارے گھر سے نکلا ہے اگر تم ہی اس کا احترام نہیں کروگے تو دنیا میں کوئی احترام کرنے والا نہیں ہوگا۔

تو عالم کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے علم کی عزت کو باقی رکھے اور وہ عزت استغناء ہے۔ جتنا دوسروں کی طرف حاجت مندی اپنے اندر بڑھائے گا علم کو بھی ذلیل کرے گا خود بھی ذلیل ہوگا۔ اس کے اندر اگر طلب ہو تو صرف آخرت کی ہو، دنیا کی نہ ہو۔

علم کی ناقدری کرنے والے سے اسلام کا شرف بھی چھن سکتا ہے

ایک طالب علم کے ذہن میں یہ آنا کہ کل کیا کریں گے، علم پڑھ کر ہم روٹیاں کہاں سے کمائیں گے، پیسہ کہاں سے ملے گا؟ یہ انتہائی احتیاج مندی اور ذلت نفس کی بات ہے جس کو اللہ علم کی دولت دے اور اس کی سوچ یہ ہو کہ روٹی کہاں سے آئے گی؟

اتستبدلون الذی ھو ادنیٰ بالذی ھو خیر کا مصداق ہے کہ اعلیٰ اور شرف کی چیز پاس ہے پھر ادنیٰ کی طرف توجہ کر رہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ دنیا ملے گی۔ لیکن اگر وعدہ نہ ہوتا اور نہ کبھی ملتی صرف علم مل جاتا تو دنیا و مافیھا کی دولت میسر آگئی تھی کسی دولت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ انتہائی ناقدرا انسان ہے کہ اللہ اعظیم ترین شرف دے اور پھر وہ ارذل ترین چیز کو اس کے مقابلہ میں چاہے یہ تو یہود کا سا قصہ ہو گیا کہ اللہ نے من وسلویٰ دیا انہوں نے کہا کہ ہمیں تو پیاز چاہئے اس کے مقابلہ میں ذلیل چیز چاہئے۔ ایک عالم یا مطیع یا طالب حق کی یہ شان نہ ہونی چاہئے کہ اللہ تو اس کے اوپر شرف و کمال خالص کرے اور وہ اس کے مقابلہ میں نقص و عیب اور بری اور گندی چیزوں کا طالب بن جائے یہ انتہائی بے قدری ہوئی ہے۔ اس میں ڈر ہوتا ہے کہ کہیں مسلم کا شرف بھی نہ چھن جائے۔ اس لئے کہ علم پاک چیز ہے۔ پاک ہی ظرف میں بھرا جائے گا۔ جس ظرف کے اندر گندگی موجود ہو اور وہ غیر اللہ اور دنیا کا طالب بنا ہوا ہے تو ایسا ہی ہے جیسے کہ جس نے سونے کے ظرف میں نجاست بھر دی تو محبت صرف ایک چیز کی رہے۔ دنیا استعمال کی چیز ہے محبت کی چیز نہیں۔ استعمال جتنا چاہے کرو محبت ایک ذات سے رہنی چاہئے۔ جس کا آدمی طالب ہے تو علم کے شرف کے بعد کسی غیر علم کی طلب کرنا ایسا ہے جیسے ایک عالم طلب کرے کہ

میں تو جاہل بن جاؤں تو بہتر ہے یہ کوئی دانش ہوگی؟ خدا علم دے اور وہ جہالت کو چاہئے۔

تو بہر حال حق تعالیٰ شانہ نے اس چہرے کے اندر مشاعر اور ادراک رکھ کر گویا اس طرف ایماء اشارہ کیا ہے کہ علم اونچی چیز ہے اور جو علم کی طرف منسوب ہوں وہ بھی اونچے بن کر رہیں اور ان کے بلند ہونے کا راز استغناء میں ہے۔ دنیا طلبی میں نہیں۔ وہ نیچے بن کر نہیں رہ سکتے۔ اس لئے کہ اللہ نے ان کو یہ شرف دیا ہے اور پھر علم عمل سے کہیں زیادہ افضل ہے اسی لئے جو عملی اعضاء ہیں ان کو پست رکھا گیا۔ یعنی ہاتھ کا رخ نیچے کی طرف ہے پیر کا رخ نیچے کی طرف ہے اور ناک کان کا رخ اوپر کی طرف جاتا ہے تو عمل والی چیزوں کو حسی طور پر بھی پست رکھا گیا اور ان کی وضع بھی ایسی جیسے پستی کی طرف جا رہے ہوں اور کان، ناک، آنکھ کو اونچا بنایا کیوں کہ یہ علم کی طرف منسوب ہیں۔

"علم" اللہ کی اور "مال" معدے کی صفت ہے۔

اب اگر ایک عالم کی آنکھ گندگی کو پسند کرنے لگے تو کیا یہ دانش کی بات ہوگی؟ اس کا تو مطلب یہ ہے کہ آنکھ یوں چاہے کہ میں معدہ بن جاؤں میرے اندر نجاست بھر دی جائے۔ تو اللہ نے اس کو لطافت دی اور اس کو کمال اور وہ چاہتی ہے کہ میرے اندر گندگی بھر جائے یہ تو عقل و دانش کے خلاف اور علم کے بھی خلاف ہے مودّت کے بھی خلاف ہے اخلاقی طور پر بری چیز ہے اور علمی طور پر تو ہے ہی۔

بہر حال حق تعالیٰ نے اہل علم کو عزت و عظمت بخشی ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ علم اللہ کی صفت ہے اور مال معدے کی صفت ہے تو اللہ کی ذات عالی اور صفات کمال۔ ظاہر ہے کہ ان سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔ ساری بھلائیں انہی کے لئے ہیں اور مال و دولت یہ معدے کی صفت ہے یہ روزانہ متغیر ہونے والی چیز ہیں۔ نہ ان کے لئے بقا ہے اور نہ ان کے لئے دوام ہے یہ ہمہ وقت علیٰ شرف السقوط اور علیٰ شرف

الزوال رہتی ہیں۔ گویا ہر وقت افتاد کا شکار ہونے والی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی صفت کسی بندے کے اندر آئے گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کو اپنا نمائندہ بنایا ہے کہ تو میری صفت کا حامل ہے۔ اس کو دنیا کے اندر پھیلا اور وہ کہے کہ میں تو معدہ کی صفت کا حامل بننا چاہتا ہوں میں تو گندگی حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اسے ہی پھیلانا چاہتا ہوں تو ظاہر بات ہے کہ یہ عقل کا کھوٹ ہوگا اور یہ گویا اس منصب کو بٹا لگانے کا باعث ہوگا کہ جس منصب کے لئے اللہ نے اسے دارالعلوم میں جمع کیا کہ یہ طالب علم ہے اس کی سعادت اس کو کھینچ کر لائی ہے کہ ایک مرکز علم میں اس کو پہنچا دیا۔ کیا اس کے لئے یہ شکر کا مقام نہیں ہے کہ اسے کسی سینما کا ملازم نہیں بنایا کسی تھیٹر کا کارکن نہیں بنایا اپنی صفت اور اپنی اونچی صفات میں بھی جو اونچی صفت تھی یعنی علم کی صفت اس کا حامل بنا کر ایسی فیکٹری میں لاکر بٹھا دیا جہاں علم چرچا ہوتا ہے علم ہی کی نشر و اشاعت کا سلسلہ جاری رہتا ہے کتنا بڑا شکر کا مقام ہے کہ اللہ نے آپ کو اپنے علم کے لئے منتخب کرلیا اور ان کاموں کے لئے منتخب نہیں کیا جو گندگی کے کام ہیں۔ پاک کام کے کے لئے منتخب کیا۔ اس لئے اس شرف پر انسان جتنا بھی ناز کرے، شکر کرے اتنا ہی کم ہے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

﴿منهومان لايشبعان طالب العلم وطالب الدنيااما طالب العلم فيزداد رضى الرحمن واما طالب الدنيا فيتمادى فى الطغيان﴾

تو ایک علم ہے جو رضائے رحمٰن کی طرف لے جاتا ہے اور ایک مال ہے جو طغیان کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت العلامہ محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کشمیری اکثر ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں جنہوں نے ایک چھاتی سے دودھ پیا ہے کہ ایک سے دوسری جدا نہیں ہوسکتی اور وہ کونسی چیزیں ہیں ایک حکمت اور تقویٰ۔ اس لئے جب علم آئے گا تو خشیۃ اللہ بھی آئے گا۔ خوف خداندی بھی آئیگا۔ یہ ممکن نہیں کہ علم ہو اور اللہ کا خوف نہ ہو۔ تو علم آیا اس کے ساتھ تقویٰ بھی

آیا۔ تقویٰ آیا تو اس کے ساتھ علم کا ہونا لازمی ہے۔ اور فرمایا کہ مال ودولت اور طغیان یہ بھی ایک وطن کے دو باشندے ہیں۔ جب دولت آئے گی تو سرکشی بھی بڑھے گی بغاوت بھی بڑھے گی الّا یہ کہ آدمی مال کو شرعی طریقے پر کمائے حلال طریقہ پر کمائے اور حلال طریق پر خرچ کرے اس طریق پر بچ جائے لیکن مال میں اپنی ذات کے لحاظ سے تو طغیان وتمرد ہی ہے باقی شریعت نے ایسے اصول بتلا دیئے ہیں کہ عوارض کے طور پر اس میں پاکی پیدا ہوجاتی ہے وہ بھی جب کوئی پاک کرنا چاہے۔ تو ایک اونچی چیز ہے ایک پست چیز ہے۔ اللہ نے جس قوم کو اونچی چیز کے لئے منتخب کیا اسے تو اپنی قسمت کے اوپر ناز کرنا چاہئے کہ اللہ نے اپنی صفت کے لئے اور اپنے کمال کے پھیلانے کے لئے ہمیں منتخب کرلیا۔

تحصیل علم اعجاز قرآن کے سبب ہے اور طالب علم آلات خداندی ہے

یہ بھی درحقیقت قرآن کا اعجاز اور معجزہ ہے قرآن کریم کی شانیں بھی درحقیقت معجزہ ہیں یعنی اس کی حفاظت کے طریقے بھی معجزہ نما ہیں اعجازی شانوں سے اس کی حفاظت کی جارہی ہے۔ آج دنیا میں اس علم دین کے اوپر کوئی وعدہ نہیں نہ دولت کا نہ عزت کا نہ کسی مرتبہ اور عزت وجاہ کا۔ اگر قرآن وحدیث کا بڑے سے بڑا عالم ہو تو کوئی علم وعدہ نہیں کہ اسے ملک کا گورنر بنا دیا جائے گا یا پریزیڈنٹ بنا دیا جائیگا۔ بلکہ لوگ اس کو عیب لگاتے ہیں کیوں کہ اس علم کے پڑھے ہوئے نہ اس قابل ہیں کہ وہ مسٹر بنیں نہ ہی کسی اور دنیوی صنعت وحرفت کا کام انہیں آئے۔ یہ انہیں بطور طعنہ کہا جاتا ہے۔ یہ غلط ہو یا صحیح ہو یہ تو بات الگ ہے مگر کہا جاتا ہے کہ اس علم کی تحصیل پر کوئی دنیوی وعدہ نہیں۔ بلکہ اگر وعدہ ہے تو اس کا ہے کہ عزت کی بجائے کچھ لوگ طعن کریں اس کے اوپر مذاق کریں گے اگر وعدہ ہے تو اس کا کہ آپ دولتمند ہونے کی بجائے کہیں

مفلس نہ ہوجائیں۔ اس کا تھوڑا بہت خطرہ ہے تو کسی دنیوی انعام کا خدائی وعدہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہاں آئے۔ تو کیوں تشریف لائے جبکہ کوئی وعدہ بھی نہیں۔ تو یہ آپ کی حفاظت قرآن کی سعادت کھینچ کر لائی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

ہم نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ یہ حفاظت خداوندی ہے کہ دلوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ جاؤ اور جا کر پڑھو، چاہے دنیا نہ ملے تو دنیا ملنا نہ ملنا اس کی طرف التفات نہیں ہے ملنے کی چیز تو وہ ہے جس کی ذمہ داری حق تعالیٰ شانہ کہ ہم اس کی حفاظت کریں گے تو آپ لوگ (طلباء کرام) گویا آلات کار ہیں۔ آپ کے واسطے سے ان کے کلام کی دنیا میں حفاظت ہورہی ہے یہ بھی درحقیقت (قرآن کریم) کا معجزہ ہی ہے کہ کوئی وعدہ نہیں اور پھر بھی بے لوث فوج درفوج لوگ چلے آرہے ہیں۔ تو قرآن بھی معجزہ ہے اور اس کی حفاظت کے طرق بھی ہمہ پہلو معجز ہیں۔

اہل علم کی اصلاح کے بغیر عوام الناس کی اصلاح ممکن نہیں

اس کائناتِ بدن میں انتہائی مقام قلب کا ہے اور اس کائنات آفاق میں اہل علم کا ہے۔ گویا وہ بمنزلہ قلب کے ہیں تو قلب اگر فاسد ہوجائے تو ساری کائنات فاسد ہوجاتی ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

﴿الا فی الجسد مضغة اذا صلحت الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وهی القلب﴾

تو قلب اگر ٹھیک رہے گا تو تمام اعضاء ٹھیک رہیں گے۔ اگر قلب میں فساد آگیا تمام اعضاء میں فساد آجائے گا۔ تو اہل علم کا کام یہ ہے کہ فساد سے دور بھاگنے کی

کوشش کریں۔ ان کا کام صلح پھیلانا ہے۔ اور پھیلا کر دنیا کو رشد و ہدایت اور بھلائی کی طرف اور بزرگی کی طرف لانا ہے اگر وہ بھی عوام الناس کی طرح چند چیزوں اور چند ٹکیوں اور چند مخصوص چیزوں کی طلب کرنے لگے تو انہوں نے اپنے وقار کو کھو دیا اور انہوں نے اپنے مقام کو پہچانا ہی نہیں۔

ان کا کام یہ ہے کہ وہ قلب کا مقام باقی رکھیں اور سمجھیں کہ ہم کائنات کے قلب ہیں۔ اس لئے اپنے کو فساد سے بچائیں اور اپنے کو صالح بنائیں ان کو دنیا کا امام بنایا گیا ہے اگر سارے مقتدی وضو کر آئیں اور امام کا وضو نہ ہو یا ٹوٹ جائے کسی کی نماز نہ ہوگی سب کی نماز جبھی ہوگی جب امام طاہر ہو امام پارسا اور پاک ہو جب اس کی پاکی ختم ہوگی تو دوسرے پاک بھی رہیں گے تو بھی ناپاک بن جائیں گے ان کی پاکی نامقبول ہوگی۔

آپ اس کائنات کے قلب ہیں۔ اگر اس میں طہارت ہے تو دنیا میں طہارت موجود ہے اگر اس میں خباثت آگئی تو دنیا میں خباثت پھیل جائے گی۔ دنیا میں نجاست عام ہو جائے گی۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بچہ کو دیکھا کہ دوڑتا جا رہا ہے آپ نے فرمایا کہ میاں آہستہ چلو گر جاؤ گے۔ تو اس لڑکے نے جواب دیا کہ آپ آہستہ اور دیکھ کر چلیں اس لئے کہ اگر آپ گر گئے تو ساری قوم گر جائے گی میرے گرنے سے تو صرف میں ہی گروں گا۔

تو یہاں عوام سے خوف نہیں خواص سے خوف ہے کہ ان کے فساد پر عوام کا فساد اور ان کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے اس واسطے اگر یہ صالح اور ٹھیک ہیں تو عوام بھی ٹھیک ہیں جب بھی فتنہ پھیلا ہے عوام سے کبھی نہیں پھیلا۔ عوام تو بیچارے متبع ہیں۔ ان کے سامنے اللہ ورسول کا نام لو گے تو گردن جھکا دیں گے اب نام لینے والا ہی خیانت کرے کہ اللہ ورسول کے نام سے اپنے ہی تخیلات پیش کرنے لگے۔ اس پردے میں اپنے دل کی اغراض پیش کرنے لگے تو یہ بیچارے عوام کا قصور نہیں

اگرچہ ان کی تباہی کا وبال اس شخص کی گردن پر ہوگا۔

تو خواص کی اصلاح پر عوام کی اصلاح موقوف ہے اور خواص میں ناک، کان، آنکھ نہیں بلکہ قلب ہے تو جب اللہ نے آپ کو قلب بنایا آپ کو عالم کی اصلاح وفساد کا مدار نہ ٹھہرایا تو بڑی ہی ناقص بات ہوگی کہ آپ ہی فساد کی طرف آنے لگے کہ پیسہ کس طرح آئے راحت کس طرح ملے۔ یہ تو خود بخود ملے گی وعدۂ خداوندی ہے کچھ تو اپنے اللہ کے وعدے پر اعتماد کرو۔ اس مقام پر بھی آکر اگر آپ جیسا آدمی اللہ کے وعدوں پر بھروسہ نہ کرے تو عوام الناس سے کیا امید رکھی جائے کہ وہ اللہ کی ذات عالی کے فرمودہ وعدوں پر بھروسہ کریں۔

اہل علم اور ان کی ذمہ داریاں

تو یہ چند کلمات آپ حضرات کے سامنے جرأت کر کے میں نے اس لئے عرض کر دیئے کہ آپ حضرات کا مقام بہت بلند وبالا اور بہت ہی اونچا ہے۔ آپ اللہ کا جتنا شکر کریں کم ہے کہ آپ کو ایسا رفیع مقام عطا کیا ہے مگر یاد رہے کہ جتنا بڑا اور رفیع مقام ہوتا ہے اس کے حقوق بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں اس کے واجبات بھی اتنے ہی ہوتے ہیں۔ جن کا ادا کرنا بھی ضروری ہے یا تو آپ اس میدان میں پڑے نہ ہوتے جب آ گئے ہیں تو حق ادا کرنا پڑے گا۔

حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ تعالیٰ جو ہمارے اکابر میں سے ہیں اور شاملی کے میدان میں امیر جہاد تھے اور جھنڈا بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان سے کسی نے کہا کہ حضرت میں اپنے بچے کو قرآن حفظ کرانا چاہتا ہوں۔ تو ہنس کر فرمایا کہ کیوں؟ یعنی عمر بھر کی بیماری اس کو کیوں لگاتا ہے؟ اس لئے کہ قرآن یاد کرائے گا تو عمر بھر لازم ہو جائے گا کہ یہ اس کو پڑھتا رہے یاد کرتا رہے۔ بھولا تو آخرت میں اس پہ مصیبت آئے گی۔ تو یہ مطلب نہیں تھا کہ قرآن حفظ نہ کرو بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب قرآن

حفظ کر کے میدان میں آ ؤ گے تو اس کے حقوق بھی لازم ہوجائیں گے اس کی تلاوت بھی لازمی ہوگی اور اس کا تحفظ بھی۔

اس بناء پر یا تو آپ اس میدان میں نہ آئے ہوتے اور جب آ گئے تو پھر اخلاقی جرأت سے کام لے کر اس مقام کے حقوق ادا کیجئے۔ مقام تو یہ ہے اور حالت یہ کہ بعض طلباء کے سامنے تو اگر کوئی امیر آ گیا تو وہ اپنی نگاہوں میں اپنے آپ کو ضعیف اور ہیچ سمجھتے ہیں اور خود منفعل ہوجاتے ہیں گویا ان کے دل میں اپنی وضع قطع کی کوئی عظمت نہیں ہے اس شخص کی وضع قطع کی عظمت ہے جو سامنے ہے جھینپ کے یہی تو معنی ہیں کہ میں ہیچ ہوں اور دوسرا مجھ سے بلند ہے اگر طالب علم کا مقام رکھتے ہوئے دوسرے کے آگے اور سمجھیں کہ یہ مقام اونچا ہے تو اس نے سارے حقوق کو تلف کر دیا اس کا تو یہ کام ہے کہ نہ ملامت گر کی پرواہ کرے نہ ناصح کی بے جا نصیحتوں کی پرواہ کرے اس مقام کی عزت اور شرف کو سنبھالے۔

حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے کہ جب ایران فتح ہوا تو بغداد تشریف لائے تو کھانا کھا رہے تھے ایک فارسی غلام کھڑا ہوا کھانا کھلا رہا تھا تو ہاتھ سے لقمہ زمین پر گر پڑا تو آپ نے لقمہ اٹھا کر مٹی جھاڑی اور صاف کر کے تناول فرما لیا اس غلام نے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا؟ یہ متمدن ملک ہے فارسیوں کا ملک ہے۔ یہ ایک لقمہ جو کہ گندہ ہو چکا تھا اور آپ نے اس کو اٹھا کر کھا لیا؟ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیتے ہوئے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی بلکہ فرمایا اترک سنة حبیبی لھؤلاء الحمقاء کیا میں اپنے حبیب پاک کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے چھوڑ دوں؟ تو اس ایک سنت کی وہ عظمت تھی کہ پورے تمدن کی وہ عظمت ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ اس سنت کا وہ وقار ذہن میں تھا کہ پورے ایران اور خراسان کے تمدن کی کوئی پرواہ نہیں کی یعنی ملامت کرنے والے ملامت کریں ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمیں اپنے حبیب پاک کی سنت درکار ہے۔

توجب تک یہ طمانیت اور اتنا اعتماد اور اطمینان سنت نبوی کے اوپر نہ ہو اس وقت تک ایک عالم نے اپنے مقام کو پہچانا ہی نہیں اور نہ ہی وہ اپنے مقام کو برقرار رکھ سکا اس کا فرض ہے کہ ایک ایک سنت کی اتنی عظمت کرے کہ پوری دنیا و مافیہا کی اس کے قلب کے اندر وہ عظمت نہ ہو پھر جا کے اس مقام کا حق ادا ہوگا۔

اگر طالب علم زمانۂ طالب علمی میں معصیت کو ترک نہ کرے تو وہ تین مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے

ایک مرتبہ استاذ العلماء شیرین زباں حضرت مولانا قاری حق نواز صاحب ہماری کلاس میں تشریف لائے تو انہوں نے طالب علموں کو بہت سی نصیحتیں فرمائی جن میں سے ایک اہم نصیحت یہ بیان فرمائی کہ طالب علموں غور سے سن لو اور توجہ کے ساتھ سن لو کہ جو طالب علم زمانہ طالب علمی میں گناہوں کو ترک نہ کرے تو تین مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے اور حضرت قاری صاحب نے انتہائی درد کے ساتھ یہ تین مصیبتیں بتلائی پہلی مصیبت یہ ہے کہ عین شباب (جوانی) میں موت آجائیگی اس وجہ سے یہ موت آئے گی تاکہ لوگ اس معاصی سے گمراہ نہ ہوں اور دوسری مصیبت یہ بیان فرمائی کہ عالم بننے کے بعد اللہ اس کو کسی دنیادار اور جاہل کا نوکر چپڑاسی بنا دیتا ہے اور تیسری مصیبت یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس عاصی کو ویران جگہ یا جنگل میں پھینک دیتا ہے جہاں اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا ہے۔ حضرت قاری صاحب ہمیں بہت سی باتوں کی تربیت دیتے رہے۔ متفرق باتیں

ایک مرتبہ فرمایا کہ طالب علمو اپنی چال چلن صلحاء علماء اولیاء اللہ کی چال کے مطابق بناؤ۔ اور کالج یونیوسٹیوں کے لڑکوں کی طرح بازاروں گلی کوچوں میں مت پھرو۔ کیونکہ یہ تمہاری شان کے مطابق نہیں بلکہ اس سے ذہن پر اور آپ کے پانچ فٹ بدن پر بڑا اثر ہوگا شاید کہ یہ افعال آپ کو انبیاء کی وراثت سے روکدیں کیونکہ تم

لوگ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضیوف مہمان ہو اور حضرت قاری صاحب نے ہم طالب علموں سے یہ کہا کہ تکرار اور مطالعہ کرتے وقت مسجد کا خیال رکھنا ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ آپ کے منہ سے ایسی بات نکل جائے جو مسجد کے آداب کے خلاف ہو اور پھر اللہ تعالیٰ شانہ کے ہاں اس کی گرفت ہو۔

ایک دن ہم سب ساتھی تکرار میں مشغول تھے حضرت قاری صاحب نے ہم کو بلا کر چند ضروری باتیں کی ان میں سے ایک یہ تھی کہ حضرت قاری صاحب نے حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی ایک نصیحت جو طالب علم کے سبق کے بارے میں تھی۔ بیان فرمائی کہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ جو طالب علم تین باتوں پر عمل اور اسؒ کا خیال کرے تو میں اس طالب علم کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں کہ فارغ ہونے کے بعد بہترین اور لاجواب مدرس بنے گا۔ اور اگر اس طالب علم کو ان تین باتوں کے بعد سبق یاد نہ ہو تو میں ذمہ دار ہوں گا۔

وہ تین باتیں یہ ہیں:

(۱) طالب علم آئندہ سبق کا مطالعہ پابندی سے کرے۔

(۲) استاد کے سبق کو توجہ سے سنے۔

(۳) استاد کے پڑھائے ہوئے سبق کو تین مرتبہ تکرار کرے۔

ایک دلچسپ واقعہ

میں جب کراچی سے اپنے گاؤں کا بلگرام گیا تو گھر پر میرے والد مولانا سلیمان رحمہ اللہ کی بہت ساری کتابیں پڑی ہوئی تھیں تو راقم نے ان کتابوں میں سے ایک کتاب تبلیغی نصاب اٹھائی جس میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہوتھا جس سے طالب علم کی قدر اور منزلت کا پتہ چلتا ہے۔

واقعہ یہ کہ جب سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ طالب علم تھے تو ایک عالم سفیان ثوری

رحمہ اللہ تعالیٰ کو ہزار دراہم دیا کرتے تھے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس عالم کا انتقال ہوگیا۔ تو ایک شخص نے اس عالم کو خواب میں دیکھا پوچھا کیا معاملہ کیا ہے اللہ نے تیرے ساتھ فرمایا مجھے اللہ نے اس وجہ سے بخش دیا جو میں سفیان ثوری کو دیا کرتا تھا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی کرامت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عباد مکی فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک بزرگ آئے جو ابوعبداللہ کنیت رکھتے تھے۔ جب میں سحری کے وقت زمزم کے کنویں پر گیا تو وہاں پر ایک بزرگ کھڑے تھے اپنے منہ پر کپڑا لٹکایا ہوا تھا وہ کنویں پر آئے اور زمزم طلب کیا یہ فرماتے ہیں (جب وہ پانی پی چکے اور چل دیئے) تو میں ان کے بچے ہوئے پانی کے لئے اٹھا اور اس کو نوش کیا تو وہ شہد ملے ہوئے پانی کی طرح تھا میں نے اس سے زیادہ مزے دار پانی کبھی نہیں پیا پس میں اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوا تو وہ جا چکے تھے۔ جب دوسری رات سحری کا وقت ہوا تو میں کنویں پر آیا تو وہ بزرگ بھی اپنے چہرے پر پردہ ڈالے مسجد حرام کے دروازہ سے داخل ہورہے تھے اور پھر کنویں پر تشریف لائے اور پانی طلب کیا پھر پانی پیا اور چلے گئے میں ان کے بچے ہوئے پانی کے لئے اٹھا تو وہ جیسا کہ ستو ہوتا ہے اس سے بھی زیادہ لذیذ تھا۔ پھر جب تیسری رات ہوئی تو بھی وہ کنویں پر تشریف لائے انہوں نے پانی مانگا تو میں نے ان کی چادر کے کنارہ کو پکڑ کر اپنے ہاتھ سے باندھ لیا پھر ان کا بچا ہوا پانی نوش کیا تو وہ شکر ملا ہوا دودھ تھا اس سے زیادہ لذیذ دودھ میں نے کبھی نہیں پیا۔ تو میں نے عرض کیا اے شیخ آپ کو اس گھر کا واسطہ آپ کون ہیں؟ فرمایا تم اس بات کو میرے لئے چھپائے رکھو گے؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا میں سفیان ثوری ہوں۔

علم نبوت تو ہے مگر نورِ نبوت نہیں

شاہ حکیم اختر صاحب نے فرمایا علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا شمار علم

وفضل کے اعتبار سے اونچے لوگوں میں ہوتا ہے جب یہ زندہ تھے ہر طرف ان کے علم کا شہرہ اور غلغلہ تھا۔ مرنے کے بعد بھی ان کا علمی احترام کم نہ ہوا شروع میں ان کے دل میں اہل اللہ کی خاص وقعت وعظمت نہیں تھی۔ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں دنیا میں کوئی کام نہیں رہ گیا ہے اس لئے چار دیواری میں محصور ہوکر رہ گئے ہیں مگر جب ایک نادیدہ قوت انہیں کشاں کشاں مولانا تھانوی کے پاس لے گئی اور ان سے اصلاحی تعلق قائم ہوگیا تو ان کے فکر ونظر کا پیمانہ بدل گیا۔ اس کے بعد تو انہیں اس وقت تک کی اپنی تصانیف اور علمی تحقیقات جسد بے روح کی طرح نظر آنے لگیں وہ فرمایا کرتے تھے علم کا مزہ تو اب ہم نے پایا ہے جب ان کی یہ نظر کھلی تو صاحب دل اہل نظر کی باتیں کرنے لگے۔

چنانچہ ایک دفعہ حکیم اختر صاحب نے فرمایا کہ آج کل ہمارے علماء کے اندر مدرسوں میں رہنے کی وجہ سے علم نبوت تو آجاتا ہے لیکن نورِ نبوت نہیں آتا۔ جس طرح یہ علم نبوت کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح انہیں نورِ نبوت کی تحصیل میں بھی سعی کرنی چاہئے جس کے لئے اہل دل کی صحبت وخدمت ضروری ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ سید صاحب نے ایک گہری حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ علماء کو نبوت کا علم اور نور دونوں کو اپنے اندر جمع کرنا چاہئے اسی وقت ان کا کام اخلاص وللّٰہیت کی وجہ سے شکل دوام اختیار کریگا اور اللہ کے بندوں کو ان سے بھرپور فائدہ پہنچے گا۔ حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس اور تاثیر صحت پر چند اشعار فرمائے ہیں ؎

ایسے کچھ انداز سے تقریر کی	پھر نہ پیدا شبہ باطل ہوا
آج ہی پایا مزہ ایمان میں	جیسے قرآن آج ہی نازل ہوا

منبر پر وہ کیا برسائیں گے۔

ایک دفعہ شاہ حکیم اختر صاحب نے فرمایا: ایک عالم اور ایک واعظ کو عمل کا پابند

ہونا چاہئے۔ بغیر عمل کے صرف قول مفید اور موثر نہیں ہوتا صاحب قصیدہ بردہ نے تو قول بلا عمل سے مغفرت طلب کی ہے الفاظ ان کے یہ ہیں استغفر اللہ من قول بلا عمل یعنی میں (اللہ کے) اس قول سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو بغیر عمل کے ہو۔

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب ان کے پاس اپنے لڑکے کو لے کر آئے کہنے لگے، حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے۔ ہزار بار سمجھایا مگر ایک بھی اس نے مان کر نہ دی میں پریشان ہوں کہ اس کو اس کے اس عمل سے کس طرح روکوں مجھے اندیشہ ہے کہ اس کثرت سے اگر گڑ کھاتا رہے تو جگر خراب ہوجائے گا۔ آپ دعا فرمایئے اور کچھ زبان مبارک سے نصیحت بھی فرمادیجئے۔

بزرگ نے جواب میں فرمایا آپ کل تشریف لایئے وہ آئے تو انہوں نے لڑکے کو نصیحت فرمائی اور دعا بھی کی، جب لڑکے کے والد جانے لگے تو پوچھا حضرت یہ نصیحت اور دعا کل بھی آپ فرماسکتے تھے آج آپ نے کیوں بلایا؟

بزرگ نے فرمایا: بھئی کل تک میں بھی بہت گڑ کھایا کرتا تھا اس حالت میں اسے گڑ ترک کرنے کی نصیحت کیوں کرتا۔ آج میں نے خود گڑ کھانا کم کردیا ہے تو پھر اسے نصیحت کی تاکہ یہ نصیحت موثر ہو اور میں پوری قوت کے ساتھ اپنی بات کہہ سکوں فرمایا اس سلسلہ میں میں نے ایک شعر کہا ہے جو نہایت قابل غور ہے وہ یہ ہے:

جب نور ہی نہیں خود دل میں   منبر پر وہ کیا برسائیں گے

عالم کا سونا عبادت کیوں؟

عارف باللہ شاہ حکیم اختر صاحب نے فرمایا: وہ عالم دین جس کا اوڑھنا بچھونا دین ہے اور ہمہ وقت دینی خدمت میں مصروف رہتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کا بڑا اونچا مقام ہے ایسے علم کا دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس کا سونا بھی عبادت ہے۔ عالم کے سونے پر مجھے ایک ایک واقعہ یاد آیا جسے میں نے حضرت پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ

سے سنا تھا واقعہ یہ ہے:

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا حضرت! حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ عالم کا سونا بھی عبادت ہے مگر اس کا عبادت ہونا سمجھ میں نہیں آتا؟

حضرت گنگوہی نے فرمایا ایک بڑھئی ایک شخص کا دروازہ بناتا ہے اسے اپنے کام کے دوران میں بعض اوزاروں کو پتھر پر گھسنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے تاکہ اوزار کے تیز ہوجانے کے بعد اس سے صحت اور تیزی کے ساتھ کام لے اب یہ بتایئے کہ بڑھئی جب اوزار کو تیز کررہا ہوتا ہے اس وقت دروازہ تو وہ نہیں بناتا ہے لیکن اس کو اس وقت کی مزدوری ملے گی یا نہیں پوچھنے والے نے جواب دیا ہاں ضرور ملے گی۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ایک بڑی اوزار تیز کرنے کے وقت کی مزدوری لگے گی اور یہ وقت مزدوری ہی میں شمار ہوگا۔ مٹھانہ کیا جائے گا اس بنیاد پر کہ اوزار کو تیز اس لئے کیا جارہا ہے کہ آئندہ اسی سے کام لے گا۔ تو سوچئے کہ ایک عالم بھی تو اسی لئے سوتا ہے کہ سونے کے بعد اس کی تھکن اور اضمحلال دور ہو اور نشاط مستعدی اور چاق وچوبند کے ساتھ دین کی خدمت کرسکے۔ اس صورت میں اس کا سونا کیوں نہ عبادت قرار پائے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مزدوری کیوں کاٹی جائے جبکہ اللہ کے بندے کے یہاں ایک بڑھئی کی مذکورہ بالا صورت میں مزدوری نہیں کٹتی ہے یہ تقریر بھی احقر نے مرشد پھولپوری رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنی تھی۔

علماء سے مشورہ اور کتابوں کا مطالعہ

شاہ حکیم اختر صاحب نے فرمایا، زندگی کے مختلف مسائل میں ہم اپنے بچوں بیویوں اور دیگر لوگوں کو آڑے لے آتے ہیں۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمارے پیش نظر نہیں رہتی۔ بھائیوں آپ علماء سے مشورے کیجئے۔ احادیث کا مطالعہ

کیجئے اور معلوم کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندگی میں کیا طریقہ اور طرز عمل تھا۔

بھائیو! دنیا کی جب کوئی چیز آپ خریدتے ہیں تو ہر طرح چھان بین کرتے ہیں۔ وکیلوں سے ملتے مشورہ لیتے ہیں، کہتے ہیں صاحب مکان یا زمین لے رہا ہوں۔ ایک مضمون لکھ دیجئے اور اس میں کوئی لفظ ایسا نہ رہے کہ بیچنے والے کی اولاد بعد میں دعویٰ نہ کر بیٹھے ایک ایک لفظ کو بار بار پڑھواتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ دنیا کی جائداد کے لئے اس قدر چھان بین اور محنت کرتے ہیں مگر آخرت کی جاندار جنت کے لئے کوئی فکر نہیں کرتے ہیں۔ یہ علماء جو دین کے قانون دان ہیں اور وکیل ہیں ان سے ملئے اور پوچھئے مشورے لیجئے ہر بات معلوم ہوتی / احادیث وفقہ وسیرت کا مطالعہ کیجئے بہت سی کتابیں اردو میں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ اسوۂ رسول ابھی کراچی سے شائع ہوئی ہے اس میں سیرت سے متعلق تمام تفصیلات آپ کو مل جائیں گی۔

علماء اور باطنی اصلاح

عارف باللہ شاہ حکیم محمد اختر صاحب نے فرمایا آج کل علماء کی عزت کیوں نہیں ہو رہی ہے جو اہل علم ہیں ان کی قدر ومنزلت کیوں گھٹ رہی ہے؟ اس کی اصل وجہ کو ایک مثال کے ذریعے پیش کر رہا ہوں کہ اس کی بناء پر آج کل علماء کی عزت اور قدر ومنزلت لوگوں کے دل سے اٹھتی جا رہی ہے۔

حضرات! جس طرح ہم اور آپ کباب بناتے ہیں اگر ان کو بغیر تلے ہوئے کھالیں تو یقیناً وہ فوراً تھوک دیں گے اور یہ بات ہم پر ہی موقوف نہیں ہے بلکہ یہ کباب جس کے پاس بھی جائے گا وہ کھاتے ہی فوراً تھوک دے گا لیکن اگر کباب آگ جلا کر تیل یا گھی کے اندر تل لیا جائے تو جو بھی کھائے گا وہ دل سے خوش ہوگا۔ ادھر آنکھوں سے اس کی مرچ کی وجہ سے آنسو نکل رہے ہوں گے مگر ادھر وہ کباب کو چھوڑنے پر تیار نہ ہوگا۔ اگر اس وقت کوئی آدمی اس سے یوں کہنے لگے کہ آپ کو تو

تکلیف ہورہی ہے آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہے اس لئے یہ کباب ہم کو دے دو۔ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ جناب آپ کو کیا خبر ان ظاہری آنسو اور تکلیف میں لطف اور مزے کا خزانہ پوشیدہ ہے ایک ظاہر میں میرے آنسو اور تکلیف کو دیکھ رہے ہیں میرے باطن کی آپ کو کیا خبر کہ مجھ کو کیا لطف حاصل ہورہا ہے اسی طرح اس معاملہ میں بھی سمجھنا چاہئے کہ جو علماء اپنے کو تلواتے نہیں ہیں یعنی اپنی اصلاح نہیں کراتے ہیں ان کو بغیر تلے ہوئے کباب کی طرح ہر شخص ناپسند کرتا ہے مگر وہ علماء جو اپنے کو کسی ماہر کے حوالے کر کے تلوا لیتے ہیں یعنی اپنی اصلاح کرا لیتے ہیں ان کی ہر جگہ مثل تلے ہوئے کباب کے عزت ہوتی ہے۔

جن حضرات نے اپنے کو کسی کامل اور ماہر کے حوالہ کیا ان کی حالت ہی بدل گئی۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب نور اللہ مرقدہ جب خانقاہ تھانہ بون میں تھے کچھ بے اصولی کی بناء پر حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ صاحب کو خانقاہ سے نکال دیا ان کے اندر سچی تڑپ اور محبت تھی۔ یہ پھاٹک سے نکل کر فٹ پاتھ پر لیٹ گئے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کو حضرت تھانوی نے جب نکال دیا ہے تو اب آپ اپنے گھر چلے جائیے۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ان کی جگہ نہیں ہے یہ جگہ تو سرکاری ہے میں یہاں سے کیوں چلا جاؤں اور ایک شعر پڑھا کرتے کہ

ادھر وہ در نہ کھولیں گے ادھر میں در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری کہیں میری

عرض کہ حضرت خواجہ صاحب پر تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو پھر ترس آیا کہ بے چارے کے اندر سچی طلب ہے۔ پھر چند ہی دنوں کے بعد جب تاج خلافت لئے ہوئے خانقاہ سے نکل رہے تھے تو یوں فرماتے ہوئے گئے کہ ؎

نقش بتاں مٹایا دکھایا جمال حق
آنکھوں کو آنکھ کو دل کو میرے دل بنادیا

آہن کو سوز دل سے کیا نرم آپ نے
ناآشنائے درد کو بسمل بنا دیا
مجذوب در سے جا رہا دامن بھرے ہوئے
صد شکر حق نے آپ کا سائل بنا دیا

بھائی اپنے کو کسی ماہر کامل کے سپرد کر کے تو دیکھو کیا مقام حاصل ہوتا ہے۔ آج کل ہم لوگ بس سند فراغت حاصل کر لیتے ہیں۔ بس سمجھتے ہیں کہ سب کچھ حاصل کر لیا پھر شکوہ ہوتا ہے کہ علماء کی عزت نہیں۔ یاد رکھئے جب تک ہم اپنے آپ کو کسی کے سپرد کر کے تلوائیں گے نہیں اس وقت تک مثل کچے کباب کے ہر جگہ تھوکے جائیں گے۔ بات اگرچہ تلخی لئے ہوئے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ جس کے اظہار پر میں مجبور ہوں۔

در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

شاہ حکیم اختر صاحب نے فرمایا آج کل بہت سے عالم احساس کمتری کے شکار ہیں وہ بھی دنیا کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہیں حالانکہ ان کے پاس جس علم کی انمول دولت ہے اس سے دنیا کا خزانہ خالی ہے۔ عالموں کو احساس بلندی پیدا کرنا چاہئے اور اپنی قدر قیمت پہچاننی چاہئے۔ جبھی دوسرے لوگ ان کی قدر و قیمت پہچانیں گے۔ ایک فارسی شاعر کہتا ہے ؎

برخود نظر کشا ز تہی دامنی مرنج
در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

شاعر ہلال یعنی پہلی کے چاند کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم اپنے اوپر نگاہ کرو اور ابھی جو تمہارا دامن خالی ہے اس پر رنج مت کرو اس حقیقت پر تو نظر کرو کہ تمہارے سینہ میں بدر کامل چھپا ہوا ہے اسی طرح علماء کے سینہ میں علوم نبوت کا بدر کامل ہے اس

پر نگاہ رکھیں اور اپنی ظاہری حیثیت کو دیکھ کر رنج مت کریں ان کے پاس اتنی بڑی دولت ہے کہ دنیادار اس سے محروم ہیں۔

علم کا لطف کب حاصل ہوتا ہے؟

مولانا شاہ حکیم اختر صاحب نے فرمایا علم کا لطف عمل کی برکت سے ملتا ہے اور عمل کا لطف محبت اور عشق کے فیض سے ملتا ہے اور عشق ومحبت کی دولت عاشقان خدا کی جوتیاں اٹھانے سے ملتی ہے۔ایک مدت عمران کی صحبت وخدمت میں رہ لے جس کی مقدار حضرت تھانوی نے چھ ماہ فرمائی تھی اور طلباء سے فرمایا کہ دس سال درس نظامی میں لگاتے ہوئے چھ ماہ کسی اللہ والے کے پاس رہ لو پھر دیکھو گے کہ سینے میں علوم انبیاء کا فیضان موجزن ہوگا اور اگر چھ ماہ مشکل ہو تو صرف چالیس ہی دن رہ لو:

مٹا دو اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہو
کہ دانہ خاک میں ملکر گل وگلزار ہوتا ہے

برجستہ جواب

جو لوگ علماء اور دینداروں کی وضع قطع پر طعنہ دیتے ہیں اس سلسلے میں ایک لطیفہ بیان فرمایا کہ پاکستان میں ناظم آباد روڈ پر ایک موٹے آدمی دو ڈھائی من کے دوڑ رہے تھے اور ان کی داڑھی بھی خوب تھی ماشاء اللہ ایک مشت شرعی ڈاڑھی ایک مسٹر جارہے تھے انہوں نے دیکھ کر کہا مولانا اتنی بڑی داڑھی رکھ کر دوڑ رہے ہیں کہنے لگے بھائی! ہمارا جسم ڈھائی من کا ہے، ڈھائی من کا جسم لے کر جب میں دوڑ سکتا ہوں تو اگر ایک چھٹانک کی داڑھی میرے ساتھ دوڑ رہی ہے تو آپ کو کیوں تعجب ہے؟

عجیب بات ہے یعنی ڈاڑھی والا، اپنی صحت نہ بنائے، صبح دوڑے ورزش نہ کرے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ دو میل روزانہ ٹہلتے تھے۔ اسی دوران پانچ پارے قرآن پڑھتے تھے۔ (باتیں ان کی یاد رہیں گی)

علم سے ہوتا ہے انسان محترم
علم سے ہوتا ہے انسان باوقار
علم سے ہے آدمیت کا فروغ
علم باغِ زندگی کی ہے بہار

طالب علم اور آزادی؟

(۱) بعض ایسے بھدے اور کور عقل ہیں کہ شریعت کو ایک خونخوار اور ڈراونی شکل میں سمجھتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ صفراوی کو شرینی بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس کا ذوق فاسد ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں نے اپنے ادارک کو فاسد کرلیا ہے تو شریعت کی خوبی ان کو کیسے نظر آئے۔ (وعظ الفاد المجازفہ ص ۸)

(۲) شریعت کو خونخوار جو سمجھتے ہیں اس کی وجہ اصل یہ ہے کہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ شتر بے مہار کی طرح پھریں اور کوئی قید و بند اور روک ٹوک نہ ہو بس جیسے جی چاہے زندگی گذاریں ایسے مطلق العنان لوگ دنیا میں بھی خوار اور ذلیل ہیں۔

(ذکرالموت ص ۶۰)

(۳) قیود نفس گوگراں ہیں وہ آزادی کا طالب ہے کہ جس طرح چاہا جب چاہا جو چاہا کرلیا۔ شریعت نے نفس کی آزادی ہی کو توڑا ہے۔ باقی عمل کوئی بھی ایسا نہیں جس میں دشواری یا دقت ہو اور یہ قاعدہ کہ ایک کام خود آزادی سے کیا جائے تو آسان معلوم ہوتا ہے اور اسی کام کا پابند کوئی دوسرا کردے تو اسی وقت سے گرانی شروع ہوجاتی ہے، راز وہی ہے کہ نفس کو تقیید ناگوار ہے مثلاً چپ رہنا اپنی مرضی اور اختیار سے تو آسان ہے چنانچہ بعض دفعہ ہم گھنٹوں خاموش رہتے ہیں مگر نماز میں چپ ہونا گراں ہے کیونکہ وہاں تقیید ہے کہ جب تک نماز پوری نہ ہو بات کرنا جرم ہے۔

(۴) اس لئے آزادی کا طالب ہونا الحاد وزندقہ ہے، دین تو نام ہی قید کا ہے کہ چنانچہ نماز میں قیود ہیں روزے میں قیود ہیں ہر کام میں قیود ہیں۔

(۵) مدعیان آزادی (آزادی کا دم بھرنے والے، آزادی چاہنے والے) بہائم چوپایوں جانوروں کی طرح ہیں نہ نماز کے نہ روزے کے یعنی دین سے آزاد ہیں) کھالیا اور ہواپرستی میں عمر گذار دی (پس ان کا یہ مطلوب ہے) صاحبو! واللہ یہ آزادی نہیں یہ نفس کی شرارت اور اتباع ہویٰ اور مطلق العنانی اور بے لگامی ہے اور یہ آزادی سانڈ (یعنی بھینسے وغیرہ چھوڑے ہوئے جانور) کی سی آزادی ہے کہ جس کھیت میں چاہا منہ ماردیا۔ جدھر چاہا چل دیا جو چاہا کرلیا۔

(۶) جو لوگ جانوروں کی طرح بالکل آزاد رہنا چاہتے ہیں ان کو نماز کی بھی بعض پابندیاں گراں گزرتی ہیں یہ گرانی نماز" کی ذات" میں نہیں بلکہ ان کی طبیعت اور مزاج کی خرابی ہے جیسے سانپ کے کاٹے ہوئے کا مزاج فاسد اور خراب ہوجاتا ہے۔ اس کو نیم کی تلخی معلوم نہیں ہوتی، ایسے ہی ان لوگوں کو اس کے بر عکس نماز کی شیرینی محسوس نہیں ہوتی۔ (الصبر والصلوٰۃ ص ۳۸)

(۷) آج کل لوگ آزاد اس کو کہتے ہیں جو شریعت سے آزاد ہو، اللہ اکبر! ایسا شخص بھی کہیں آزاد کہا جاسکتا ہے یہ تو وہ آزاد ہے جو ہزاروں قیدیوں میں ہے۔ یعنی معصیتوں میں مبتلا ہے پھر آزادی کہاں رہی کیونکہ معصیتوں کی قید تو سب قیدوں سے سخت قید ہے غرض بے قید کوئی نہیں کوئی خدا کی قید میں ہے، کوئی شیطان کی قید میں، بہرحال قید سے تو کوئی خالی نہیں اب اس کا فیصلہ خود کرلو کہ کون سی قید پسند کی قابل ہے۔ (طریق القلندر مطبوعہ پاکستان ص ۲۱)

واللہ اگر تم آزادی چاہتے ہو تو خدا کی غلامی کرو کہ اس غلامی میں تمہیں دوسرے ہم جنسوں کو غلامی سے آزادی ہوجائیگی۔ اور فطری طور پر تم غلامی سے تو کسی حال نہیں بچ سکتے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا) اور جب نہیں بچ سکتے تو انہیں کی غلامی کیوں نہ قبول

کرو جن کی غلامی سے بادشاہوں کو بھی فخر ہے ان کی غلامی کے یہ معنی ہیں کہ شریعت سے آزاد نہ ہو۔ (اشرف العلوم ص ۴۵)

(۸) جو طلبہ ایک وقت تک ماتحت اور کسی کی نگرانی میں رہے ہوں وہ جب بڑے مدارس میں جاتے ہیں اور طبیعت میں آزادی رکھتے ہیں تو وہ ان مدارس میں جا کر مخلی بالطبع ہو جاتے ہیں چونکہ طبعی قاعدہ ہے کہ جو قوت ایک زمانہ تک بند رہی ہو جب اس کو آزادی ملی ہے تو ایک دم سی ابل پڑتی ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۳۵۹)

اس کی اصلاح میں دو صورتیں ہیں۔ا۔اس آزادی کی روک تھام (خود تو) عقل سے ہوتی ہے عقل والوں کو یہ بات رہے کہ نفس کو پابند کرنا اور آزادی سے روکنا اور اس میں استقلال اور پختگی پیدا کرنا نہایت ضروری ہے ورنہ انسان اور جانور میں کیا فرق ہوگا۔ مردانگی اس میں ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو یافتہ ہو نفس کا تابع نہ ہو۔ (التواصی بالحق ص ۲۲)

(۹) اور جو ایسے ہیں کہ ان میں عقل نہیں، ان کا ناقص العقل ہونا مشاہد ہے ان کے لئے بڑوں کی ماتحتی اور تابعداری ضروری ہے اس کے بغیر ان کی تباہی ہے۔ (انفاس عیسیٰ)

بیوقوف کے لئے یہی مصلحت ہے کہ کسی کا تابع ہو کر رہے جیسے اگر چھوٹے بچے کو ماں باپ کے تابع نہ کیا جائے تو وہ یقیناً ہلاک ہوگا کیونکہ اس کو اپنے نفع اور ضرر کی کچھ خبر نہیں، تو بیوقوف کے لئے کسی کا ماتحت ہونا ہی مصلحت اور اس کی حفاظت ہے تا کہ دوسرا اس کو روک ٹوک کر سکے۔ (وعظ شعب الایمان ص ۵)

(۱۰) طالب علمی میں مطیع ہو کر ہی رہنا چاہئے یعنی طالب علم کو خود رائی اور خود روی آزادی نہیں، بلکہ اس کو تو اساتذہ اور اپنے بڑوں کا مطیع و فرمانبردار اور تابع ہدایات ہونا چاہئے۔ (الافاضات ص ۳۲۶)

(۱۱) جو مستقل بالذات ہوجاتا ہے (بڑے کے تابع نہیں رہتا) وہ مستقل بدذات ہوجاتا ہے۔ (ملفوظات)

طالب علم اور بے پروائی وخودرائی؟

(۱) بے پروائی کو لوگ دین کے خلاف ہی نہیں سمجھتے حالانکہ بے پروائی جڑ ہے مفاسد کی۔ (انفاس عیسیٰ ص ۶۷۵)

(۲) یہ اس قسم یعنی دوسروں کی ایذاء رسانی) کی حرکتیں اور گڑ بڑیں خود رائی سے پیدا ہوتی ہیں خود رائی بہت ہی بری اور مذموم چیز ہے۔ اس لئے خود رائی اگر رائی کے برابر بھی ہو اس کو بھی چھوڑ دینا چاہئے یہ بڑی ہی مضر چیز ہے۔ یہ سب خرابیوں کی جڑ ہے۔ اسی سے تمام امراض روحانی کا نشو نما ہوتا ہے۔

(افاضات ۲۳۵)

(۳) انسان کو چاہئے کہ کبھی خود رائی سے کام نہ کرے جب تک ضابطہ کے بڑے موجود ہیں ان کے مشورہ پر عمل کرے جب ضابطہ کے برابر نہ رہیں تو اپنے برابر وں کے مشوروں کا پابند رہے جب وہ بھی نہ رہیں تو چھوٹوں کے مشوروں کی پابندی کرے۔ ضابطہ کے بڑے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ حقیقت میں کون بڑا ہے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ (مجالس حکیم الامت ۳۸)

(۴) میں کہتا ہوں کہ جو شیخ صاحب نظر صحیح ہو وہ بھی اپنے واسطے کسی کو شیخ تجویز کرے کہ اپنے احوال خاصہ میں اس کی رائے سے عمل کیا کرے اپنی طرف سے عمل نہ کرے کیونکہ اپنے حالات وواقعات میں اپنی نظر تو ایک ہی پہلو پر جاتی ہے اور جس شیخ کو کوئی دوسرا شیخ نہ ملے تو وہ اپنے چھوٹوں ہی سے مشورہ کیا کرے اس طرح بھی غلطی سے محفوظ رہیگا۔ جب میں مشائخ کے لئے بھی اس کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ وہ بھی کسی کو اپنا بڑا بنالیں اور اپنے معاملات خاصہ میں محض اپنی

رائے سے عمل نہ کیا کریں تو غیر مشائخ کے لئے تو اس کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ (وعظ دوم ص ۴۵۴)

(۵) آج کل مرض خود رائی اور کبر کا زیادہ تر عام ہوگیا ہے یہ نفس کمبخت بڑا ہی دشمن ہے۔ کسی کو اس پر اطمینان نہیں کرنا چاہئے یہ وہ چیز ہے کہ اس نے بڑوں بڑوں کو پلک جھپکنے میں کہیں سے کہیں پھینک مارا ہے۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ شیطان کو تو یہ کہتے ہو کہ وہ ہم کو بہکاتا ہے مگر شیطان کو کس نے بہکایا تھا کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ یہ نفس صاحب ہی کے تو کرشمے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفس کا شر شیطان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ (الاضافات ص ۶۷۰)

طالب علم اور بے فکری؟

(۱) جو لکھے پڑھے ہیں ان کی بھی یہ حالت ہے کہ جو منہ میں آیا بک دیا جو قلم میں آیا لکھ دیا اس سے کوئی بحث نہیں کہ دوسرے کو اس سے تکلیف ہوئی اس کی فکر ہی نہیں کہ اپنے سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے جو جی میں آیا کر لیا جو منہ میں آیا بک دیا جو قلم میں آیا لکھ دیا۔ فکر اور غور کا نام نہیں اس طرح رہتے ہیں جیسے سانڈ آزاد ہوتے ہیں بس یہ حالت ہے آزادی اور بے فکری کی۔ (الاضافات ص ۵۷۱)

(۲) بے فکری اور بے پروائی کے ساتھ طالب علمی گزارنے پر فرمایا چاہئے تو یہ تھا کہ اساتذہ کے پاس سے صحیح آدمی ہو کر نکلتے مگر جانور ہو کر نکلتے ہیں۔ یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ ان لوگوں میں فہم نہیں۔ جس کی وجہ سے غلطیوں میں مبتلاء ہے۔ ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ فکر نہیں توجہ نہیں اسی لئے سمجھانے پر بھی نہیں سمجھتے۔ اگر فکر اور توجہ کریں تو ان غلطیوں کا صدور نہ ہو۔ مگر اس کا قصد ہی نہیں کہ ہماری کسی بات سے کسی کام سے دوسرے کو تکلیف نہ ہو اذیت نہ پہنچے۔ بالکل بے فکر ہیں جیسے کوئی جانور بیل گائے ہوتے ہیں۔ سو یہ بے فکری بے توجہی بے پرواہی تو

جانوروں کی سی زندگی ہوتی۔ (الاضافات)

(۳) اے طالب علمو! اپنی اصلاح کی فکر کیجئے بے فکری بہت بری شے ہے اس سے گناہ بڑھتے چلے جاتے ہیں اور گناہ کے بڑھنے سے دل بے حس ہوجاتا ہے پھر اچھے برے کی تمیز بھی نہیں رہتی اس لئے ہر وقت اپنے نفس کی دیکھ بھال اور نگرانی میں لگا رہنا چاہئے یہ نفس کمبخت ہر رنگ میں مارتا ہے حتیٰ کہ دیندار کو دنیا میں دین کا رنگ دکھا کہ مبتلا کردیتا ہے۔ بہر حال سخت ضرورت ہے نگرانی کی۔ کسی کو بھی بے فکر نہ ہونا چاہئے۔

(۴) ہر حقیقت کے سمجھنے کے لئے توجہ اور فکر کی ضرورت ہے اگر کوئی شخص اسے کام لے تو ہر بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ ہر معاملہ میں ضرورت ہے کہ تدبر و فکر کی اور بدون فکر اور غور کے تو اکثر جائز ناجائز کا بھی پتہ نہیں چلتا۔

(الاضافات ص ۶۵۲)

طالب علم اور اخلاص

(۱) اصل چیز خلوص اور فکر ہے ان سے سب کام ٹھیک ہوجاتا ہے مگر آجکل یہی دونوں چیزیں لوگون میں مفقود ہیں۔ (الاضافات ص ۵۵۰)

یاد رکھئے کہ احادیث وقرآن میں جہاں علم کی فضیلتیں مذکور ہیں وہاں وہی علم مراد ہے جو خلوص اور رضائے الٰہی کی نیت) کے ساتھ ہو اور جو علم طلب جاہ وغیرہ کے لئے ہو یا جو اغراض ومصالح کے تابع ہو وہ علم مراد نہیں۔ (وعظ تعظیم العلم ۸۵)

(۲) ایسے بہت کم ہیں جن کی غرض محض رضائے الٰہی ہو (علم دین حاصل کرنے میں خلوص نہیں رکھتے) بلکہ اکثر کو تو جاہ مطلوب ہوتی ہے کیونکہ بہت لوگ علم دین پڑھتے ہیں مگر اپنی اصلاح نہیں کرتے۔ اگر رضائے الٰہی ان کو مطلوب ہوتی تو عمل کا اہتمام ضرور ہوتا۔ (وعظ تعظیم العلم ص ۳۷)

(۳) بہت لوگ دنیا کو دین کی صورت میں حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت لوگ علم دین حاصل کرتے ہیں جو ظاہر میں آخرت کا کام ہے دنیا کا نہیں مگر ان کی نیت جاہ و مال ہیں حاصل کرنا کی ہوتی ہے۔ اس لیئے ایسے علم کو دنیا ہی کہا جائے گا دین کا کام خاص وہ علم ہے جس میں اخلاص ہو جس کی آجکل بہت ہی کمی ہے۔

(وعظ ترجیح الآخرۃ)

(۴) صدق و خلوص بڑی چیز ہیں۔ بدوں ان کے کام چلنا یا بننا مشکل ہی سے ہوتا ہے، اگر خلوص ہو تو بڑے سے بڑا کام اور سخت سے سخت کام سہل بن جاتا ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۲۱، ج ۲)

(۵) جس کام میں حظ نفس ہو سمجھ لو کہ وہ اخلاص سے خالی ہے اور بجائے ثواب کے اس میں گناہ کا اندیشہ ہے اس کا علاج مجاہدہ ہے کہ مقتضیات نفس کی مخالفت کی جائے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۲۳۸)

(۶) سب سے بڑی بات جس سے برکت بڑھتی ہے یہ ہے کہ کام میں خلوص ہو یعنی جو کام ہم کریں یہ نیت ہو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے، پھر برکت ہی برکت ہے اور کام میں جو بے برکتی ہوتی ہے وہ نیت کی خرابی اور عدم خلوص کے سبب ہوتی ہے۔ (الاضافات ج ۳ ص ۲۳۵)

(۷) جو علم دین حاصل کر رہے ہیں ان کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں کہ ہم کو مرض جہل سے شفا حاصل کرنے کے قصد سے علم حاصل کرنا چاہئے۔ اگر اس نیت سے پڑھتا ہے کہ مرض جہل دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے تحصیل علم فرض کر دی ہے اور میں اس فرض کو ادا کر رہا ہوں تو اور زیادہ اہتمام کرتا۔ بخلاف اس شخص کے جو مقتدا وغیرہ بننے کے لئے پڑھتا ہے اس کو علم کا اتنا اہتمام نہ ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اس مرض جہل کو دور کرنے والے) کو ضروری اور غیر ضروری علوم میں امتیاز ہوگا۔ اور اس (مقتدا وغیرہ بننے کی نیت والے) کو نہ ہوگا۔ پس اس کا

انجام یہ ہوگا۔

مولوی گشتی وآگاہ نیستی   تو کجا واز کجا دکیستی

اور فرماتے ہیں:

ایھا القوم الذی فی المدرسة   کل ماحصلتموہ وسوسه
علم بنود غیر علم عاشقی   مابقے تلبیس ابلیس شقی
علم رسمی برسر قیل ست وقال   نے از وکیفیتے حاصل نہ حال
علم چہ بود انکہ رہ بنمایدت   زنگ گمراہی زدل بزدایدت
ایں ہوسہا از سرت بیروں کند   خوف وخشیت دردلت افزوں کند
تو ندانی جزیجوز ولا یجوز   خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز

(شفاء العلیل ص ۳۱)

طالب علم اور خشیت وتقویٰ

اوّل تو علم مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود بالذات عمل ہے دوسرے اگر علم ہی کو مقصود بالذات مان لیا جائے تب بھی یہ سمجھ لو کہ بدعمل کی حالت تو خود کمال علمی میں بھی حارج ہے کیونکہ یہ تجربہ ہے کہ تقویٰ میں جتنی کمی ہوگی اسی مرتبہ کی کمی علم میں بھی ہوگی، اس کا آسان امتحان یہ ہے کہ دو مہینے کے لئے آپ بالکل متقی بن جائیں اور پھر اپنی پہلی علمی حالت اور اس زمانہ تقویٰ کی علمی حالت موازنہ کریں۔ ان دونوں حالتوں میں جو تفاوت ہوگا اس سے معلوم ہو جائے گا کہ تقویٰ کو اس میں بڑا دخل ہے۔

ممکن ہے کہ کسی صاحب فہم کو یہ خیال ہو کہ ہم تو متقی بھی نہیں لیکن پھر بھی ہم کو تو اچھا خاصا علم حاصل ہے۔ تو سمجھ لیں کہ علم صرف ترجمہ کر لینے کا یا چند تصدیقات کے حاصل ہو جانے کا نام نہیں بلکہ ان تصدیقات کے حاصل ہونے کے بعد جو ایک ملکہ ہو جاتا ہے اس کا نام علم ہے تو وہ بالذات اختیاری نہیں یعنی اگرچہ اپنے اسباب کے

اختیار ہونے کے اعتبار سے وہ اختیاری ہو، لیکن اسباب کے حاصل کئے بغیر اس کا حاصل ہونا اختیاری نہیں اور اس کے اسباب میں سے ایک سبب اعظم تقویٰ ہے کہ بغیر اس کے حاصل کئے ہوئے وہ ملکہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

امام شافعی کا قول ہے:

شکوت الی وکعی سوء حفظی   فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم فضل من اللہ   وفضل اللہ لایعطیٰ لعاصی

غرض یہ مطلب نہیں کہ جو متقی نہ ہوگا وہ جلالین یا بیضاوی کے پڑھانے پر قادر نہ ہوگا بلکہ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے بغیر وہ خاص ملکہ میسر نہ ہوگا۔ تو علم کو اگر مقصود بالذات بھی مان لیا جائے تب بھی اس کے حاصل کرنے کے لئے تقویٰ کی ضرورت ہے۔

تقویٰ وطہارت ایسی چیزیں ہیں جن سے علم کھلتے ہیں۔ معصیت سے قلب کی نورانیت زائل ہوجاتی ہے۔ علم بدوں نور فہم کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور نور فہم بدون تقویٰ کے حاصل ہونا محال ہے۔

انبیاء کی یہ حالت تھی کہ جتنا علم بڑھتا جاتا تھا اس قدر خشیت بڑھتی جاتی تھی۔ حدیث میں ان اعلمکم باللہ واخشاکم للہ۔

پس معلوم ہوا کہ علم خود مقصود نہیں بلکہ خشیت کے لئے مقصود ہے۔ مگر اب ہماری یہ حالت ہے کہ علم حاصل کرتے ہیں پھر پڑھانے میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اسی کو مقصود سمجھتے ہیں۔ تحصیل خشیت کا اہتمام نہیں کرتے۔ علم کو میراث انبیاء کہا جاتا ہے تو اب دیکھ لو کہ انبیاء کی میراث کونسا علم ہے۔

میراث پدر خواہی علم پدر آموز

بعض لوگ (قالاً یا حالاً) کہتے ہیں کہ ہم کو تحصیل خشیت کی فرصت نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب آپ کو تحصیل مقصود کی فرصت نہیں تو غیر مقصود کے لئے فرصت

نکالنے سے کیا حاصل ہوا۔

بعض کہتے ہیں کہ کتابیں پڑھ لینے سے خشیت خود بخود حاصل ہوجاتی ہے۔ مستقل طور پر اس کے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ محض کتابیں پڑھنے سے جو خشیت حاصل ہوتی ہے وہ شیطان کی ذرا ٹھیس سے شکستہ ہوجاتی ہے اور دوسری ٹھیس میں کچھ بھی نہیں رہتی۔ اور خشیت مطلوبہ وہ ہے جو معاصی سے حجاب ہوجائے اور شیطان کی ہزار ٹھیس لگانے سے بھی شکستہ نہ ہو۔

اب تو معلوم ہوگیا کہ تحصیل علم کے بعد تحصیل خشیت کی مستقل طور پر ضرورت ہے تاکہ اس کو استحکام ہوجائے۔ مگر آجکل اہل علم خانقانوں کو بیکار بتاتے ہیں اور اہل خانقاہ پر اعترض کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! جو درس گاہ اصل مقصود کی تعلیم کے لئے موضوع ہے وہ تو بیکار ہوجائے اور جو درس گاہیں غیر مقصود کی تعلیم کے لئے ہیں وہ بیکار نہ ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ جس کو تم مقصود بالذات سمجھ رہے ہو یعنی تعلیم و تعلم وہ مقصود بالذات نہیں ہے محض طریق ہے اور مقصود بالذات دوسری چیز ہے یعنی وہ علم جس سے خشیت پیدا ہو۔

(فضائل العلم والخشیۃ ص ۲۹)

علم معصیت کے ساتھ جمع نہیں ہوتا

قرآن شریف سے مستنبط ہوتا ہے کہ رفع جہالت کے لئے محض دانستن کافی نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ایک جگہ تو انما التوبة علی الله للذین یعلمون السوء بجھالة سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ علم کے ساتھ گناہ کرنے سے توبہ قبول نہیں ہوتی اور دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ عمداً بھی گناہ کرتے تب بھی توبہ قبول ہوتی ہے۔ تو محققین نے رفع تعارض کے لئے فرمایا ہے کہ بجھالة قید واقعی ہے احترازی نہیں۔

جب قید واقعی ہے تو آیت اس پر دال ہوگی۔ کہ گناہ ہمیشہ جہل ہی سے ہوتا ہے اور علم کے ہوتے ہوئے معصیت ہو نہیں سکتی۔ تو معلوم ہوا کہ علم کی حقیت کوئی ایسی چیز ہے جس کے ساتھ معصیت جمع نہیں ہوتی اور وہ حقیقت یہ ہے کہ اعتقاد جازم مطابق واقع مع غلبۃ الحال والاتحھار۔ اور ظاہر ہے کہ اس غلبہ اور استحضار کے ہوتے ہوئے گناہ ہونا ممکن نہیں پس گناہ کرنے والے کو گو علم بمعنی دانستن ہوتا ہے۔ جو کہ محض نام کا علم ہے) مگر حقیقی علم یعنی) اعتقاد وجازم مع الاتحھار وغلبۃ الحال نہیں ہوتا۔ (آداب المعاشرت، حضرت مولانا حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

(بحوالہ معارف السنن لمولانا بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ)

استاد اور شاگرد کا رشتہ

استاد اور شاگرد کا رشتہ ایک علمی اور تہذیبی رشتہ ہے اس رشتے میں جہاں تقدس، پاکیزگی ہے وہاں احترام اور تعظیم کے جذبہ کو بھی دخل ہے۔ اسلام میں امتیاز، مراتب نسب ونام یا دولت ومال کی بناء پر نہیں بلکہ فضل واستحقاق کی بناء پر ہے۔ استاد معاشرے کا بزرگ ترین فرد ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا احترام لازم آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ استاد کا منصب تعلیم وتلقین کا منصب ہوتا ہے۔ اس کا کام صرف درس ہی نہیں۔ بلکہ وہ معلم اخلاق بھی ہوتا ہے۔ اور حقائق ومعارف کی کرسی پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ تاکہ اس کے چشمہ فیض کا افادہ عام ہو اور وہ تعلیمات وتلقینات کو دوسروں تک پہنچا سکے اس تعلیم وارشاد میں خشیت الٰہی سادگی تواضع اور اخلاق سب چیزیں اس دائرے میں آجاتی ہیں۔

شریعت محمدی میں استاد اور شاگرد کے رشتے کو تزکیہ وحکمت کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ وہ مقدس رشتہ ہے جس کے ذریعہ تزکیہ نفوس اور حکمت یعنی اخلاق حسنہ کی تشکیل وتعمیر ہوتی ہے۔ اسلام میں عبادات اور دوسرے احکام کو جو اہمیت ہے

اس سے کم استاد اور شاگرد کے کسوٹی کی اہمیت اس کی نگاہ میں نہیں اس کا تقویٰ ہے۔ ایک استاد میں جتنا تقویٰ اور پرہیزگاری ہوگی اتنا ہی اس کا مرتبہ بلند ہوگا اور استاد اور شاگرد کے رشتے کی اہمیت اس کی نگاہ میں نہیں ایک استاذ اور شاگرد کے رشتے کا تقدس آئیگا۔

استاد اور شاگرد کے رشتے کا اصل وظیفہ یہ ہے کہ استاد شاگرد کے سامنے خیر وشر نیکی وبدی کو واضح کرے اور اس پر نیکی اور سچائی کی راہ کو آسان بنائے اس کا کام شاگرد کو صالحیت کا راستہ دکھانا ہے اور اس کی چشم عبرت وبصیرت کو کھولنا ہے تاکہ شاگرد وخیر وشر اور اس کے آثار اور لوازم کو جان لے۔

انسان کے اندر اخلاقی حسن ایک فطری حس ہے جس کی بناء پر انسان بعض صفات کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتا ہے۔ سچائی، انصاف، پاس عہد اور دیانت کو ہمیشہ سے انسانی اخلاقیات میں تعریف کا مستحق سمجھا گیا ہے۔ اور کبھی کوئی ایسا دور نہیں گزرا جب جھوٹ، دغا، خیانت اور امتحان میں نقل کرنے کے رجحان کو پسند کیا گیا ہو، ہمدردی، فیاضی، فراخدلی کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اور خودغرض سنگ دلی، تنگ نظری اور اساتذہ کی توہین کو بھی عزت کا مقام حاصل نہیں ہوا۔ ذاتی استعداد محنت ومطالعہ جفاکشی، تندہی اور جانفشانی وہ اوصاف ہیں جو داد کے مستحق سمجھے گئے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے اپنی زبان میں نیکی کو معروف اور بدی کو منکر کہا ہے۔ یعنی نیکی وہ ہے جسے سب بھلا جانتے ہیں۔ اور منکر وہ ہے جسے کوئی خوبی اور بھلائی کی حیثیت سے نہیں جانتا۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو استاد اور شاگرد کا رشتہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا رشتہ ہے۔ استاد کا فرض ہے کہ وہ شاگرد کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے زبان کی سچائی، دل کی سچائی اور عمل کی سچائی وہ خوبیاں ہیں اگر طلبہ ان پر عمل پیرا ہوں تو انؓ سے نقل کے رجحان میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ اسی طرح منکرات میں جھوٹ وعدہ خلافی، بد دیانتی دھوکہ دینا، بے ایمانی یہ وہ رزائل ہیں

کہ اگر طلبہ ان سے اجتناب کریں تو معاشرے میں پاکیزگی کی فضا پیدا ہوسکتی ہے۔

دراصل استاد اور شاگرد کا رشتہ طہارت و پاکیزگی کا رشتہ ہے۔ اگر استاد پاکباز وپاکدامن سچا دیانتدار عدل وانصاف سے کام لینے والا عفو ودرگزر کرنے والا، حلم وبردباری کا پیکر، نرمی، تواضع، انکساری، خوش اخلاقی، خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے تو یہ وہ اوصاف ہیں جن کا اثر شاگرد کی سیرت وکردار پر پڑے گا۔ شاگرد میں عزت نفس خودداری شرم وحیا استقامت کی خوبیاں پیدا ہوں گی۔ اس طرح استاد اور شاگرد کا رشتہ فرض شناسی، مستعدی اور تعمیر سیرت وکردار کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جس سے اسلامی اجتماعی نظام کا پورا ڈھانچہ بنتا ہے۔

ایک استاد کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی بھی ہوتی ہے۔ ایک استاد اور شاگرد کا رشتہ اس بات سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے کہ وہ خدا سے ڈریں۔ جیسے خدا سے ڈرنے کا حق ہے آپس میں ایک دوسرے کو ذات الٰہی کے واسطے پیار کرے ان کے سامنے زہد وتقویٰ، حسن واخلاق، توحید وصفات الٰہی، عذاب قبر اور خوف قیامت ہر وقت رہنا چاہئے کیونکہ اللہ کی یاد اور ذکر الٰہی سے استاد اور شاگرد کے رشتے میں تقدس آتا ہے جن اساتذہ کے ساتھ خدا کے جلال وکبریائی کا جلوہ ہوتا ہے وہ تدریس کے دوران میں بھی خدا کے خوف اور خشیت الٰہی کو مدنظر رکھتے ہیں۔ دراصل یہی وہ راہ ہے جو اخلاص ومحبت کی منزل تک پہنچاتی ہے۔ اور طلبہ میں عبودیت الٰہی اور ادب واحترام کے جذبہ کو اجاگر کرتی ہے قرآن مجید نے اچھے استاد کی خوبی بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

ترجمہ: ''جو ایمان لائے ہیں ان کو سب سے زیادہ خدا سے پیار ہے۔''

استاد اور شاگرد کے رشتہ میں توکل علی اللہ کو بھی دخل ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی چیز طلبہ میں عزم واستقلال اور جراءت وبے باکی پیدا کرتی ہے جو حصول تعلیم کے لئے ضروری ہے۔

ایک طالب علم کی طالب علمی کی زندگی کا جوہر یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو حصول تعلیم اور جدوجہد کے جذبہ سے سرشار ہو اور دوسری طرف حصول تعلیم کی کٹھن منزل اور اس کے شدائید کو خندہ پیشانی سے گوارا کرے اور یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے اور کامیابی و ناکامیابی کا سررشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ میں ہے۔

جس طرح ماں باپ کی عزت، خدمت اور اطاعت اولاد پر واجب ہے اسی طرح ایک شاگرد پر استاد شاگردوں کے دل و دماغ کو علم و تہذیب کی روشنی سے منور کرتا ہے۔ طلبہ اولاد معنوی ہوتے ہیں۔ استاد ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کرتا ہے ان کو جہالت، تاریکی اور اندھیروں سے نکالتا ہے اور اجالے میں لاتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں استاد کا مرتبہ اتنا ہی بلند ہے جتنا ماں باپ کا، نبوت محمدی جس کی بعثت ہی اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے۔ اس نے استاد کی عزت اور ان سے ڈرنے کی تاکید کی ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات انسانی میں استاد ہی ایک ایسی صنف ہے جس کو سب سے زیادہ برتری حاصل ہے اور یہ برتری بالکل فطری ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انسان اپنے وجود میں خالق اکبر کی علت فاعلہ اور ماں باپ کے بعد جس چیز کا ممنون ہے وہ اس کا درجہ ہے۔ استاد شاگرد کی ذہنی نشوونما اور تربیت کرتا ہے۔ ایک شاگرد اپنے استاد کی علمی محنتوں اور تعلیمی کاوشوں سے حاصل کی ہوئی دماغی قوت کا شکر بجالائے اور اس کی عزت و احترام کرے۔ استاد کے سامنے ادب سے جھکنا، ان کی دعاؤں کو اپنے حق میں قبول سمجھنا ایک طالب علم کی سعادت مندی ہے۔ استاد کے ساتھ حسن سلوک اور ادب و احترام ایک اچھے طالب علم کا طرۂ امتیاز ہے۔

غرض استاد اور شاگرد کا رشتہ ناقابل شکست اور ناقابل تعبیر ہے۔ ماں باپ بچے کی صرف جسمانی نشوونما کرتے ہیں۔ لیکن استاد شاگرد کی اخلاقی تربیت دینی تعلیم اور

ذہنی نگہداشت کرتا ہے۔ وہ صورت کے بجائے سیرت کی تعمیر کرتا ہے۔ اچھی تعلیم استادوں کی طرف سے اپنے شاگرد کو بہترین عطیہ ہے۔ اچھا استاد اپنے شاگرد کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اَن پڑھ طلباء کو پاک وصاف بناتا ہے اور مادی تعلیم کے ساتھ کتاب وحکمت کی باتیں بھی سکھاتا ہے۔ یعنی آئینہ کے زنگ کو دور کر کے اس میں صیقل اور جلا پیدا کرتا ہے۔ قران مجید میں تزکیہ کا مفہوم یہ ہے کہ اخلاق واعمال کو درست اور صاف ستھرا بنایا جائے۔

غرض استاد اور شاگرد کا رشتہ اخلاقی رشتہ ہے۔ انسانوں کا باہمی معاملات اور تعلقات کا نام اخلاق ہے اور عبادات حقوق اللہ یعنی خدا کے فرائض ہیں قران مجید کی صریح آیتوں میں خدا کی اطاعت کے ساتھ والدین کی اطاعت کا ذکر ہے۔ لیکن اسلامی تعلیمات میں استاد اور شاگرد کے رشتے کو بھی اہمیت دی گئی ہے اس رشتے میں ایک قسم کا تقدس ہے اور یہ تقدس ہر قیمت پر باقی رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس سے تعلیمی ماحول میں نظم وضبط آتا ہے۔

اس لئے استاد اور شاگرد کو چاہئے کہ وہ اس اخلاقی رشتے کو پاک وطاہر اور صاف ستھرا رکھ کر معاشرے میں طہارت وپاکیزگی کو فروغ دیں۔ (محاضرات القرآن)

استاد کا مرتبہ

اسلام میں استاد کا رتبہ ایک مصلح اور مبلغ کا ہے۔ اچھا استاد نہ صرف خصائل حمیدہ کا پیکر ہوتا ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک معلم اخلاق کی بھی ہوتی ہے وہ نہ صرف اچھے سیرت وکردار کا حامل ہوتا ہے بلکہ وہ اپنی تعلیم یعنی اسلامی تعلیمات پر پہلے خود عمل کرتا ہے اور پھر دوسروں کو جتنا حکم دیتا ہے اس سے کہیں زیادہ خود انجام دیتا ہے۔ اچھا استاد طلبہ کے دلوں سے کدورتوں اور تعصّبات کو دور کرتا ہے۔ اور اس بات کی تلقین کرتا ہے کہ نسل رنگ زبان اور جغرافیائی سکونت سے کسی انسان کو دوسرے پر قطعا کوئی فوقیت

نہیں۔ حقیقی فضیلت نیکوکاری اور خداترسی سے ہے۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقٰکُمْ﴾

ترجمہ: ”خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں زیادہ تقویٰ والا ہے۔“

اسلام کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ دین و دنیا دونوں کی بیک وقت بھلائی چاہتا ہے روحانی ترقی اور تزکیہ نفس کے لئے توحید سے بڑھ کر کوئی وسیلہ نہیں۔ معاشرے میں استاد کا صحیح منصب یہی ہے کہ وہ طلبہ میں اس عقیدے کو راسخ بنائے کہ خدا ایک ہے اور حشر و نشر کا ہونا لابدی امر ہے۔ اگر یہ دو چیزیں یعنی توحید اور فکر آخرت طلبہ کے دلوں میں ذہن نشین ہو جائیں تو اس سے ایمانی پختگی اور روح میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

ایک اچھا استاد، خدا اور طلبہ کے درمیان واسطے کا کام دیتا ہے کہ اللہ کا دین اور اس کا حکم کیا ہے وہ طلبہ کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے ربانی ماخذ یعنی قرآن مجید اور خود حاکمیت الٰہی پر زور دیا جائے۔ مقتدر اعلیٰ خداوند قدوس کی ذات کبریائی ہے۔ اسلام میں اگر اس تعلیم کے وسیع مفہوم کو سمجھ لیا جائے تو پورا تمدن انسانی دنیا و آخرت کے تمام مسائل بخوبی حل ہو سکتے ہیں۔ دراصل اسلام خدا اور بندے کے رشتے کو استوار کرتا ہے۔ وہ نہ صرف آسمانی بادشاہت کی خوشخبری سناتا ہے بلکہ آسمانی بادشاہی کے ساتھ ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دیتا ہے تاکہ دنیا میں خدا کی بندگی بے خوف و خطر کی جا سکے اور خدا کی بادشاہی دنیا میں قائم ہو۔

چنانچہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے۔ ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ ان کو زمین میں حاکم یعنی اپنا نائب بنائے گا۔

﴿وَعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ﴾

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا ثواب، فتح ونصرت، ناموری اور عزت ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے نیک کام کیے اور اچھے اعمال کیے۔ یہ وہ تعلیم ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ دین ودنیا کا امتزاج یا ملاپ ہی انسان کو انسان بناتا ہے۔ قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو اسوۂ حسنہ اور قانون کا درجہ دیا ہے۔ اس لئے ہمیں دنیا اور آخرت کے معاملات میں اسوۂ رسول کو اپنا رہنما بنانا چاہئیے۔ کیونکہ مسلمانوں کی رہبری قرآن وحدیث سے ہی ہوتی ہے اور اگر انسانی ضمیر ہدایت پاسکتا ہے تو اس کا ذریعہ بھی یہی قرآنی تعلیمات اور اخلاق نبوی ہیں۔

استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ طلبہ کی توانائیوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے ان میں اسلامی تعلیمات اور اخلاق نبوی ہیں۔

استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ طلبہ کی توانائیوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے ان میں اسلامی تعلیمات کے ذریعہ مزید قوت پیدا کرے جس سے ان میں وحدت کے خیالات پیدا ہوں۔ ان کی علمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا ان کی سوئی ہوئی قابلیتوں کو پیدا کرنا اور ان کو مفید اغراض میں کام میں لانا یہ ایک اچھے استاد کی فرائض منصبی میں سے ہے۔ تاکہ طلباء آگے چل کر اپنی علمی صلاحیتوں سے علوم وفنون کی حیرت انگیز فصلیں کاٹ سکیں۔

جہاں تک تعلیم اور اہل تعلیم یعنی استاد ومعلم کے مرتبہ ومقام کا تعلق ہے تو قرآن مجید کی آیات میں جا بجا اس بارے میں ارشاد کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"تم کو علم سے تھوڑی تعداد دی گئی ہے۔" (۱۷/۸۵)

"اللہ سے اس کے بندوں میں صرف علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

(۳۵/۲۸ قرآن مجید)

"اور کہو کہ اے میرے رب میرے علم میں زیادتی عطا کر۔" (۲۰/۱۱۴)

''تمہیں وہ چیز سکھائی گئی جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد قسم ہے دن رات کی اور قلم کی اور اس چیز کی جو تم کہتے ہو۔'' (القرآن)

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ میں ایک معلم یعنی استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (ابن ماجہ باب فضل العلماء)

دراصل ایک اچھے استاد کا مرتبہ یہ ہے کہ طلبہ میں تزکیۂ نفس کا کام انجام دے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے تا کہ وہ گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔

حقیقت میں تبلیغ اور تعلیم ایک ہی چیز ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ بیعت عقبہ ثانیہ جو ہجرت سے دو سال قبل ہوئی تھی اس موقع پر ایک درجن عرب اسلام لائے تھے جو مدینہ سے آئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ان کے ساتھ ایک تربیت یافتہ استاد روانہ کیا تھا جو انہیں قرآن مجید کی تعلیم دے سکے۔ اور دینیات اسلام سے واقف کرا سکے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاف صفہ کی تعلیم کے لئے حضرت عبادہ بن الصامت کو استاد مامور کیا تھا تا کہ وہ لوگوں کو لکھنے کی اور قرآن مجید کی تعلیم دے سکیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی تربیت یافتہ صحابی کو قبائل وفود کے ساتھ ان کے مکانوں کو روانہ کیا تھا تا کہ وہ ایک استاد کی حیثیت سے اس علاقے میں دینیات کی تعلیم کا بندوبست کر سکیں۔

(نظام الحکومت النبویہ جلد اوّل ص ۴۳)

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلے میں جو نیا نیا مسلمان ہوا تھا ایک معلم یعنی استاد روانہ کیا۔ (طبقات ابن سعد باب الوفود)

مدنی زندگی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ مختلف قبائل میں تعلیم وتربیت کے لئے معلم یعنی استاد روانہ کرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں صفہ واحد درسگاہ تھی بلکہ یہاں کم از کم نو مسجدیں خود عہد نبوی میں تھیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر مسجد اپنے آس پاس کے محلے والوں کے لئے درسگاہ کا کام بھی دیتی تھی حاصل

کر بچے وہاں پڑھنے آیا کرتے تھے۔ جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا تعلق ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اعلیٰ تعلیم دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کباران درسوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ جہاں قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی تھی۔

یہ وہ حقائق ہیں جن سے معاشرے میں ایک استاد کے مرتبہ ومقام کے تعین میں مدد ملتی ہیں جہاں تک عالم استداد کی فضیلت کا تعلق ہے تو حدیث شریف میں ہے کہ استاد کی عزت کی جائے۔ تربیت دلانے کا ایک طریقہ یہ بھی ہی کہ جو پچھلے سیرت وکردار کا استاد اور معاشرے میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس کے حلقہء درس میں نوجوانوں کو داخل کر دیا جائے تا کہ وہ تہذیب وثقافت حاصل کر سکیں۔

مختصر یہ ہے کہ اسلام ایسا وسیع تعلیماتی نظام قائم کرنا چاہتا ہے جس میں دینی ودنیوی تعلیم کی ضرورتوں سے اچھی طرح عہدہ برآ ہوا جاسکے، یمن کے گورنر عمرو بن حزم کے نام جو طویل ہدایت نامہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا اس میں گورنر کو ہدایت کی گئی تھی کہ لوگوں کے لئے قرآن حدیث، فقہ اور علوم اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ (جمع الجوامع سیوطی)

غرض اسلام دینی ودنیوی دونوں تعلیموں پر زور دیتا ہے۔ جہاں تک اساتذہ کی فضیلت کا تعلق ہے تو حدیث شریف میں ہے کہ **خیر الناس العلماء والمتعلمون** یعنی اساتذہ سب سے بہتر انسان ہیں حتیٰ کہ عالم اساتذہ کو انبیاء کا وارث قرار دیا گیا ہے۔ **العلماء ورثة الانبیاء.**

ان احادیث سے معاشرے میں اچھے استاد کے مرتبہ ومقام کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم اساتذہ کا ادب واحترام کریں۔ کیونکہ وہ سوسائٹی میں ایک ایسا مقام رکھتے ہیں جس کی رو سے وہ بیجا طور پر ادب واحترام کے مستحق ہیں۔

علم حاصل کرنے میں محنت کرنا

طالب علم کو چاہئے کہ اچھی طرح محنت کرے اپنے اوقات کو ضائع نہ کرے۔ علم حاصل کرنے میں ہرگز سستی اور کاہلی سے کام نہ لے کیونکہ کاہلی علم سے محرومی کا باعث ہوگی۔

سلف کی زندگی پر غور کرے کہ انہوں نے کیسی محنت کی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾

ترجمہ: ''جن لوگوں نے ہمارے لئے جدوجہد کی تو ضرور ہم ان کو سیدھی راہ دکھلائیں گے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ﴾

ترجمہ: ''اے یحییٰ کتاب کو نہایت قوت کے ساتھ لے۔''

عربی کا مقولہ ہے کہ ''من طلب شيئا وجدّ وجد'' (جو شخص کسی چیز کا طالب ہے اور اس کے لئے کوشش بھی کرتا ہے تو اپنی کوشش کے مطابق اس کو ضرور پالیگا۔)

''من قرع الباب ولجّ ولج'' (جس نے دروازہ کھٹکھٹایا اور اہتمام کیا وہ ضرور داخل ہوجائے گا۔)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الجديد في كل امر شاسع   والجدّ يفتح كل باب مغلق

ترجمہ: ''انسان کوشش کے بعد ہر مشکل کام کو انجام دے لیتا ہے جس طرح بند دروازہ کوشش کے بعد کھل جاتا ہے۔''

ایک شاعر کہتا ہے:

تمینت ان تمسی فقیها مناظرا بغیر عناء والجنون فنون
ولیس اکتساب المال دون مشقّة تحملها فالعلم کیف یکون

ترجمہ: ”تمہاری خواہش اگر ہے کہ بغیر تکلیف اور مشقت کے عالم فاضل بن جاؤ تو یہ پاگل پن اور جنون ہے کیونکہ جب مال ودولت کا حصول بغیر مشقت برداشت کئے نہیں ہوتا تو پھر علم جو اس سے بدرجہا بلند ہے اس کا حصول بلا مشقت کے کیسے ہوسکتا ہے؟“

ایک بزرگ کا مقولہ ہے:

﴿العلم لایعطیک بعضه حتی تعطیه کلک﴾

ترجمہ: ”علم تم کو اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے سکتا جب تک کہ پوری طور پر اپنے کو اس کے حوالہ نہ کردو۔“

شیخ الاسلام انصاری فرماتے ہیں:

﴿هذا الشان شان من لیس له شان سویٰ هذا الشان﴾

ترجمہ: ”یعنی طلب علم ان جوانمردوں کا کام ہے جن کو مقصود بالذات یہی کام ہو۔“

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابو یوسف سے فرمایا کہ تم بہت کند ذہن تھے مگر تمہاری کوشش اور مداومت نے تمہیں آگے بڑھا دیا۔

امام طحاوی کا حال بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ ان کے ماموں امام مزنی نے ان کو کند ذہن ہونے کی عار دلائی اور کہا خدا کی قسم تجھ سے کچھ نہ ہوسکے گا۔ امام طحاوی ابوجعفر بن ابی عمران حنفی کے درس میں شریک ہوگئے اور بڑی محنت سے علم حاصل کیا اور فقہ میں بڑے مہارت حاصل کی، دنیا نے پھر اس کند ذہن کو امام تسلیم کیا۔ محنت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

محنت کے سلسلہ میں امور ذیل کا لحاظ ضروری ہے

(۱) مطالعہ:

اس کے بغیر کسی طرح استعداد نہیں حاصل ہوسکتی کوئی بھی اس کے بغیر ترقی نہیں کرسکا۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں ہے کہ طالب علمی کے بعد بھی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک رہتے تھے۔

محمد ابن سماعہ جو ان کے خاص تلامذہ میں ہیں فرماتے ہیں کہ امام محمد کو مطالعہ میں اس قدر انہماک ہوتا تھا کہ اگر کوئی ان کو سلام کرتا تو انہماک اور بے خبری میں جواب دینے کے بجائے اس کے لئے دعا کرنے لگتے۔ ان کے نواسے فرماتے ہیں کہ امام محمد کی وفات کے بعد میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ نانا جب گھر میں رہتے تھے تو کیا کیا کرتے تھے؟ انہوں نے اشارہ کرکے فرمایا اس کوٹھڑی میں رہا کرتے تھے اور گرد وپیش کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا میں نے مطالعہ کے وقت ان کو بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔

علمی شغف کا یہ حال تھا کہ کپڑے میلے ہوجاتے تھے مگر اس کا احساس تک نہ ہوتا تھا اور کوئی دوسرا شخص کہہ کر کپڑا نہ بدلوا دیتا تو آپ کپڑے نہ اتارتے گھر کے مرغ کو اس لئے ذبح کردیا تھا کہ اس کی آواز سے مطالعہ میں خلل ہوتا تھا۔ آپ نے یہ کہہ رکھا تھا کہ مطالعہ کے وقت مجھ سے کسی ضرورت کا ذکر نہ کیا جائے میرا قلب اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ساری رات امام محمد کے یہاں رہا، آپ کی ساری رات اس طرح گزری کچھ دیر مطالعہ کرتے پھر لیٹ جاتے پھر اٹھ جاتے اور مطالعہ کرنے لگتے جب صبح ہوئی تو آپ نے فجر کی نماز پڑھی

جس سے معلوم ہوا کہ ساری رات باوضور ہے اور جاگتے رہے۔

لکھا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ رات کو بہت کم سوتے تھے اکثر درس وتدریس میں اور مطالعہ میں گذرتا۔

بعض احباب نے کم خوابی اور زحمت کشی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

﴿کیف انام وقد نامت عیون المسلمین توکلوا علینا یقولون اذا وقع لنا امر رفعناه الیه فیکشفه لنا فاذا نمت ففیه تضیع الدین﴾

ترجمہ: ”فرماتے ہیں کہ سب لوگ تو اطمینان سے سو رہے ہیں کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے گا تو ہم جا کر اس (امام محمد) سے معلوم کرلیں گے۔ اب اگر میں بھی سو جاؤں اور دینی کتابوں کا مطالعہ نہ کروں تو اس میں دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔“

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روز کمرے میں مطالعہ کر رہے تھے کہ دوران مطالعہ پانی طلب کیا۔ان کے والد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب تشریف فرما تھے، ان کو فکر ہوئی کہ مطالعہ کے درمیان ذہن کسی اور طرف کیسے گیا، معلوم ہوتا ہے یہ نہ پڑھے گا۔ حکم دیا کہ بجائے پانی کے انڈی کا تیل جو وہاں رکھا تھا دے دیا جائے۔ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے گلاس منہ میں لگایا اور تیل پی گئے اور یہ احساس نہ ہوا کہ تیل ہے یا پانی اس کے بعد پھر مطالعہ میں مشغول ہوگئے ان کے والد کی فکر دور ہوئی اور کہا امید ہے کہ پڑھ لے گا۔ والد صاحب چونکہ بہت بڑے طبیب بھی تھے اس لئے صاحب زادے کو دوا پلا کر تیل کا اثر زائل کر دیا۔

حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے ایک وعظ میں ہے کہ دہلی میں ایک طالب علم نے جو بہت غریب تھے اور مطالعہ کے لئے تیل نہ ہونے کی وجہ سے پریشان تھے ایک دوکاندار سے کہا کہ میں تمہاری دوکان کا رات کو پہرہ دیا کروں گا میرے لئے رات بھر

کے تیل کا انتظام کردیا جائے دوکاندار خوش ہوا کہ اتنی کم اجرت پر آدمی مجھے مل گیا اور یہ طالب علم خوش ہوئے کہ میرے مطالعہ کا انتظام ہوگیا۔ ایک رات یہ مطالعہ کررہے تھے کہ بادشاہ کی سواری بہت بڑے لشکر کے ساتھ مع باجے گاجے کے اس طرف سے گذری جس کے دیکھنے کے لئے ایک جم غفیر شہر اور اطراف سے جمع ہوا تھا، سواری گذر جانے کے بعد کچھ لوگ جو دور سے یہ جشن دیکھنے کے لئے آئے تھے اس طالب علم کے پاس آکر دریافت کیا کہ بادشاہ کی سواری گذر گئی طالب علم نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم ایک شور ضرور تھا۔

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی کے حالات میں ہے کہ ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھ رہے تھے، ایک دن اچھی طرح مطالعہ نہیں کرسکے والد صاحب نے سبق نہیں پڑھایا۔ حضرت قاری صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا نہ کھایا گیا۔ اس کے بعد مطالعہ کا ناغہ کبھی نہیں ہوا۔

تعلیم المتعلم میں لکھا ہے کہ جو اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ رات کے اوقات کو علمی مشاغل میں صرف کرے۔ ایک شاعر کہتا ہے:

بقدر الکد تکسب المعالی   ومن طلب العلیٰ سهر اللیالی

تروهم العز ثم تنام لیلا   یخوض البحر من طلب اللاٰلی

علق الکعب باالهم العوالی   وعز المرء فی سهر اللیالی

ومن رام العلیٰ من غیر کدّ   اضاع العمر فی طلب المحالی

ترجمہ: ”تم بلند مقام پر اپنی کوشش کے مطابق پہنچو گے اور جو بھی بلندی تک پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کو چاہئے کہ راتوں کو جاگے، عزت اور ترقی چاہتے ہو تو تمام رات سوکر گذارتے ہو یہ نہیں معلوم کہ جس کو موتیوں کی طلب ہوتی ہے اس کو دریا میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے۔ پھر علم کو اس آرام طلبی کے ساتھ کس طرح حاصل کرسکتے ہیں۔ عزائم کی بلندی

کے بعد ہی انسان بلند مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے۔ پس راتوں کو جاگنا انسان کی عزت کا باعث بنے گا اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بغیر تکلیف ومشقت کے بلندی حاصل ہوجائے تو یہ ایک محال بات ہے جس کی طلب میں وہ اپنی عمر ضائع کررہا ہے۔"

حکیم جالینوس سے پوچھا گیا تم نے اپنے ساتھیوں سے زیادہ حکمت کیسے حاصل کرلی؟ جواب دیا میں نے کتب بینی کے لئے چراغ پر اس سے زیادہ خرچ کیا جتنا لوگ شراب پر خرچ کرتے ہیں۔

طالب علمی ہی کے زمانہ میں اگر شوق پیدا ہوگیا تو آخر عمر تک رہتا ہے اور اگر اس زمانہ میں بدذوقی رہی اور کتابوں سے مناسبت نہیں پیدا ہوئی تو پھر بعد میں بہت مشکل ہے بلکہ مدارس کی زندگی اور تعلیمی لائن اختیار کرنا بھی شاید ہی پسند کرے یہی وجہ ہے کہ آجکل تعداد تو بہت ہے لیکن مدرس نہیں ملتے اس کی بڑی وجہ یہی علمی بد ذوقی ہے ورنہ ممکن نہیں کہ دس بارہ سال ایک مشغلہ میں رہ کر اپنے لئے کچھ اور تجویز کرے۔

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات میں مولانا سید ابوالحسن علی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ اپنے صاحب زادے سے اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا: مجھے خوب یاد ہے میں چھ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوا کبھی راستہ میں بچوں کے ساتھ نہ کھیلا اور نہ زور سے ہنسا، سات برس کی عمر میں جامع مسجد کے سامنے میدان میں چلا جاتا وہاں کسی مداری یا شعبدہ باز کے حلقہ میں کھڑا ہوکر تماشا دیکھنے کے بجائے محدث کے درس حدیث میں شریک ہوتا وہ حدیث وسیرت کی جو بات کہتا وہ مجھے زبانی یاد ہوجاتی پھر گھر جاکر اسے لکھ لیتا دوسرے لڑکے دجلہ کے کنارے پر کھیلا کرتے اور میں کسی کتاب کے اوراق لے کر کسی طرف چلا جاتا اور الگ تھلگ بیٹھ کر مطالعہ میں مشغول ہوجاتا۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ ان کا محبوب مشغلہ کتابوں کا مطالعہ تھا وہ ہر موضوع پر کتابیں پڑھتے تھے اور آسودگی نہ ہوتی تھی۔

صید الخاطر میں تفصیل کے ساتھ ان کے مطالعہ اور کتب بینی کے حالات درج ہیں امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مطالعہ کے وقت یہ عالم ہوتا ہے کہ ادھر ادھر کتابیں اور ان کے مطالعہ میں ایسے مصروف ہوتے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہتی، بیوی کو کب گوارہ تھا کہ ان کے سوا کسی اور کی اس قدر گنجائش ہو، ایک روز بگڑ کر کہا، **واللہ ھذہٖ الکتب اشدّ علی من ثلٰث ضرائراً** قسم ہے رب کی یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر شاگرد امام مزنی نے اپنے استاد کی ایک کتاب کا پچاس برس مطالعہ کیا اور خود ہی ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھ کو نئے نئے فوائد حاصل ہوئے۔

ابو العباس ثعلب نے بغداد میں اسحاق موصلی کے کتب خانہ میں ایک ہزار جزء فن لغت کے دیکھے ہیں جو سب کے سب اسحٰق کے سماع میں آچکے تھے۔

امام رازی کو افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت کیوں علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے: **واللہ الیٰ اتاسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم فی وقت الاکل فان الوقت والزمان عزیز.**

خدا کی قسم مجھ کو کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے کیونکہ فرصت کا وقت بہت عزیز چیز ہے۔

در بزم وصال ہنگام بہنگام تماشہ
نظارہ زجنبیدن مژگاں جگہ دارد

ابو بکر بن بشار ادب کے مشہور امام بغداد ہوئے، شاہزادوں کے اتالیق تھے ایک روز قصر خلافت کو جاتے ہوئے نخاس سے گذرے وہاں ان دنوں ایک باندی فروخت

ہونے کو آئی جس کے حسن اور سلیقہ کا سارے بغداد میں شہرہ تھا ابن بشار اس کو دیکھ کر مفتون ہو گئے۔ دارالخلافہ میں پہنچے تو خلیفہ نے دیر میں پہنچنے کی وجہ دریافت کی انہوں نے باندی کا قصہ بیان کیا یہ سن کر خلیفہ نے خفیہ طور پر خدام کو حکم دیا کہ وہ باندی خرید کر ابن بشار کے مکان پر ان کے پہنچنے سے پہلے پہنچا دی جائے جب علامہ ممدوح مکان واپس آئے تو باندی کو پایا دریافت کرنے پر حال معلوم ہوا کہ تو باندی کو بالاخانہ پر بھیج دیا اور خود وہیں بیٹھ کر ایک علمی مسئلہ پر جس کی تحقیق میں وہ ان دنوں میں مصروف تھے غور کرنے لگے، طبیعت تو اور ہی طرف لگ رہی تھی غور کرنے میں خلل ہوا قلب کا یہ رنگ دیکھ کر ابن بشار نے خادم کو آواز دی اور کہا اس باندی کو لے جا کر واپس کر آؤ، میرے نزدیک اس کی اتنی قدر نہیں ہے کہ میرے دل کو علم سے پھیر دے، خادم گیا اور باندی کو واپس کر آیا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دیکھنے والے کا بیان ہے کہ دن تو خیر دن تھا رات کو بھی امام کا یہ حال تھا کہ بظاہر سونے والوں کی شکل بنا کر لیٹ جاتے لیکن تھوری تھوڑی دیر بعد اپنی باندی کو حکم دیتے وہ چراغ جلاتی اور وہ کچھ لکھتے اور اس کے بعد چراغ گل کر دیتے۔

مولانا گیلانی نے مفتی رکن الدین کے حوالہ سے ان کے ماموں مولانا انوار اللہ خاں صاحب کے مطالعہ کا حال انہیں کے الفاظ میں لکھا ہے کہ ہم کوشش کرتے کہ کتاب کا مضمون مطالعہ ہی میں حل ہو جائے۔ طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت اور ترجمہ کی طرف توجہ ہوتی جو نئے الفاظ آتے تھے اس کو لغت کی مدد سے حل کیا جاتا پھر مطلب سمجھنے کی کوشش ہوتی اگر ایک دفعہ میں مضمون حل نہ ہوتا تو ایک بار یا دو بار یا سہ بار سعی کی جاتی اس پر بھی اگر کچھ رہ جاتا تو استاد حضرت مولانا فرنگی محلی کے درس میں حل ہو جاتا جب استاد سے مطلب معلوم ہوتا تھا تو فرط مسرت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں سے بیش قیمت خزانہ مل گیا اس طرح سے مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ روزانہ کئی

کئی صفحہ درس ہوتا تھا۔ (مطلع الانوار)

آج کل طلبہ کو اپنے کھانے پینے کی چیزیں پکانے ہی سے فرصت نہیں ملتی اس طرح انہماک کے ساتھ کون مطالعہ کرے گا۔ شیخ محدث دہلوی اپنی طالب علمی کا حال درج کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''در اثناء مطالعہ کہ وقت از نیم شب در جی گذشت والد قدس سرہ مرا فریاد می زدہ باچہ می کنی۔''

یعنی آپ اتنی دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتے کہ والد ماجد کو رحم آ جاتا اور فرماتے کہ کب تک جاگو گے اب آرام کرو۔ شیخ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی آواز سن کر فی الحال میں لیٹ جاتا اور جب والد صاحب سو جاتے تو پھر اٹھ کر مطالعہ کرنے لگتا، اسی محنت نے تو ان کو محدث بنا دیا تھا۔

قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب محدث کے حالات میں ہے کہ مطالعہ میں ایسا انہماک ہوتا تھا کہ پاس رکھا ہوا کھانا کوئی اٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر نہ ہوتی۔

(تذکرۃ الرشید)

اسی محنت کا اثر تھا کہ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نے بڑی بڑی کتابوں کا سبق پڑھایا، سیدی حضرت مولانا الحاج شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم نے فرمایا کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعہ کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کو کتب بینی سے اتنا شغف تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی سرہانے کتابیں رکھی رہتی اور فرماتے ہیں میری بیماری کا علاج ہی کتب بینی ہے اپنے اس شغف کا اظہار بھی عربی اشعار میں فرمایا ہے نفحۃ العرب ادب میں ان کی کتاب ہے اس میں باب النظم میں وہ اشعار موجود ہیں۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کو مطالعہ کا بہت شوق تھا بعض خدام سے سنا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے کبھی سو جاتے جب بیدار ہوتے تو پھر مطالعہ شروع کر دیتے۔

مطالعہ سرسری نہ کرتے بڑے امعان کی ساتھ کرتے طالب علمی میں اکثر کتابیں زبانی یاد تھیں۔ (از آداب المتعلمین)

آلات علم کاغذ، قلم، روشنائی کا ادب

طالب علم کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ اساتذہ کی تعلیم اور احترام کرے اسی طرح اس کو چاہئے کہ آلات عظمت بھی اس کے دل میں ہو، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل باتوں کو لحاظ رکھے۔

(۱) کسی کتاب کو بغیر طہارت کے نہ چھوؤ۔

شمس الائمہ حلوائی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم کو جو علم حاصل ہوا اس میں علم کی عظمت کو بڑا دخل ہے میرا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کتاب کو بلا وضو نہیں چھوتا تھا۔

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عالم تھا کہ باوجود ریاحی امراض میں مبتلا ہونے کے بغیر وضو کے ہاتھ میں کتاب نہ اٹھاتے تھے ایک بار مطالعہ کے دوران میں ان کو تقریباً ستر بار وضو کرنا پڑا۔ اس باوضو کے رہنے کے عقلی وجہ بھی ہے وہ یہ کہ اصل میں علم نور ہے اور وضو بھی نور ہے۔

لہٰذا علم کا نور وضو کی نور کی وجہ سے زیادہ ہو جائے گا۔

(۲) طالب علم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کتاب کی طرف پیر نہ دراز کرے اور تفسیر، حدیث، فقہ کی کتابوں کو بقیہ فنون کی کتابوں کے اوپر رکھے، کتاب ادب کے ساتھ اٹھائے کسی کو دے تو پھینک کر نہ دے اس میں کتاب کی بے ادبی ہے۔ لہٰذا ان امور کا خاص خیال رکھو۔

(۳) کتاب پر کوئی چیز نہ رکھو۔

شیخ الاسلام برہان الدین رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک صاحب کتاب کے اوپر دوات رکھنے کے عادی تھے تو ہمارے شیخ نے فرمایا کہ تم اپنے علم سے ہرگز کچھ فائدہ

نہیں اٹھا سکتے ہو۔

ایک عالم نے اپنے دو طالب علموں کو اس حال میں پایا کہ ایک تکیہ کا سہارا لئے مطالعہ کر رہا تھا اور دوسرا دو زانو مستعد بیٹھا کتاب دیکھنے میں مشغول تھا اور کچھ لکھتا بھی جاتا تھا جو ہر شناس استاد نے یہ ماجرا دیکھ کر اوّل کی نسبت فرمایا: اِنَّہٗ لاَ یَبْلُغُ دَرَجَۃَ الْفَضْلِ (یہ فضیلت کے کسی درجہ کو نہ پہنچے گا) اور دوسرے کی بابت فرمایا: سَیَحْصُلُ الْفَضْلَ وَیَکُوْنُ لَہٗ شَأْنٌ فِی الْعِلْمِ یہ عنقریب فضل حاصل کرے گا اور اس کے لئے علم میں ایک بڑی شان ہوگی۔

(۴) کتاب ہمیشہ دائیں ہاتھ میں پکڑو اور سینے کے ساتھ لگائے رکھو، تھیلے کی طرح جھلاؤ نہیں اور نہ ہی بائیں ہاتھ میں پکڑو۔ مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلباء بائیں ہاتھ میں دینی کتابیں اور دائیں ہاتھ میں جوتے لے کر چلتے ہیں بہت مذموم ہے کیونکہ خلاف ادب ہے اور صورۃ جوتوں کو فوقیت دینا ہے کتب دینیہ پر۔

(۵) قلم اور روشنائی کا بھی خوب خیال رکھو اور لکھنے کے بعد قلم کان کے اوپر لگا دیا کرو کہ اس طرح گرنے سے یاد بھی رہتا ہے اور احترام بھی ہے بعض طلبہ قلم سے کھیلتے ہوئے پیر کی انگلیوں میں پھیرتے رہتے ہیں یہ بہت برا ہے۔ اسی طرح ہر جگہ اور ہر چیز پر مت لکھو کہ یہ روشنائی کی بے قدری ہے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایک بار ایک لفافہ پر روشنائی گر گئی تھی تو اس پر یہ لکھ دیا کہ بلا قصد روشنائی گر گئی۔ اور وجہ بیان فرمائی کہ یہ اس لئے لکھ دیا کہ قلت اعتناء پر محمول نہ کریں جس کا سبب قلت احترام ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے اندر جا کر نظر پڑی کہ انگوٹھے کے ناخن پر ایک نقطہ روشنائی کا لگا ہوا ہے جو عموماً لکھتے وقت قلم کی روانی دیکھنے کے لئے لگایا جاتا تھا فوراً گھبرا کر باہر آ گئے اور دھونے کے بعد

تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس نقطہ کو علم کے ساتھ ایک تلبس ونسبت ہے اس لئے بے ادبی معلوم ہوئی کہ اس کو بیت الخلاء میں پہنچاؤں۔

یہ تھا ان حضرات کا ادب جس کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو درجات عالیہ عطا فرمائے تھے آج کل تو روشنائی کا بیت الخلاء لیجانے کیا کہنا کسی بھی بیت الخلاء میں جاکر محسوس ہوتا ہے کہ کسی کتابت کے مشق کے کمرے میں آگئے ہیں ہر طرف دیواروں پر طرح طرح کے جملے اور عبارتیں لکھی ہوتی ہیں یہ نہایت مضموم فعل اور بڑی بے ادبی ہے دوسری بے ادبی جو عام ہے وہ یہ کہ آج کل اخبار ورسائل کی فراوانی ہے۔ ان میں قرآنی آیات احادیث اور اسماء الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں غلاظتوں کی جگہوں میں بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ العیاذ باللہ العظیم

معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا جن عالمگیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔

ساتھیوں کے حقوق

استاد کے ادب کا لحاظ کرنے کے علاوہ اپنے ساتھیوں اور رفقاء کا ادب واحترام بھی ضرور ملحوظ رکھو اور درج ذیل باتوں کا خاص خیال رکھو۔

(۱) ساتھیوں کے ساتھ احسان کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاعْبُدُوْ اللهَ (الی قوله) وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾ (الآیة)

عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنے رشتہ داروں اور یتیموں اور قرابتی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور جو تمہارے ہم صحبت پاس بیٹھنے والا ہو ان سب کے ساتھ احسان کرو۔

اس آیت سے شرکاء تعلیم کا حق دو طرح ثابت ہوتا ہے۔ ایک اس لفظ والجار الجنب سے اور دوسرا اس لفظ سے والصاحب بالجنب کیونکہ ساتھی کا جار ہونا ظاہر

ہے اور صاحب بالجنب ہونا بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ مفسرین نے شریک فی التعلیم کے ساتھ بھی ان کی تفسیر کی ہے۔

(۲) بیٹھنے میں ساتھیوں کی رعایت رکھو اگر جگہ تنگ ہو تو ذرا سا ہٹ کر اس کے لئے جگہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا﴾ (سورۃ مجادلہ:۱۱)

جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کشادگی کرو تو فوراً کشادگی کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے جنت میں کشادگی کرے گا اور جب کسی ضرورت سے کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو وہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا اور درجے بلند کردیگا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکاء تعلیم ہم سبق ساتھیوں کو بیٹھنے کی جگہ دینے کے لئے جتنا بھی ممکن ہو اہتمام کرنا چاہئے۔

حضرت واثلہ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ اس کے لئے ذرا کھسکے تا کہ جگہ خالی ہوجائے اس نے عرض کیا یا رسول اللہ جگہ وسیع ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ جب اس کو دیکھے تو اس کے لئے کچھ ہلے اور جنبش کرے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ شریک فی التعلیم ساتھی کا بدرجہ اولیٰ یہ حق ہے کہ اس کے آنے کے وقت ضرور اس کو بیٹھنے کی جگہ دے بعض طلبہ اس میں بہت بے مروتی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

(۳) بعد میں آنے والوں کو چاہئے کہ دیکھ لیں حلقہ میں گنجائش ہے یا نہیں اگر گنجائش ہو تو برابر میں بیٹھ جانے میں مضائقہ نہیں ورنہ لوگوں کو پریشان نہ کریں اور ان کے

پیچھے بیٹھ جانے سے عار کرنا علامت ہے تکبر کی۔

(۴) اگر کوئی ساتھی یا دوسرا طالب علم غلط الفاظ پڑھے تو ہنسنا نہیں چاہئے کیونکہ اس نے غلطی اور ناواقفی کی وجہ سے پڑھا جس کی وجہ سے اس پر کوئی الزام نہیں اور آپ کی ہنسی میں تکبر اور ایذائے مسلم ہے اور یہ دونوں بڑے جرم ہیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس علم سے تکبر پیدا ہو وہ علم جہل سے بد تر ہے اور رحمۃ المتعلمین میں لکھا ہے کہ تکبر کی وجہ سے ایک عالم کا دماغ فالج سے خراب ہوگیا اور کل علم بھول گیا۔

(۵) ضرورت مند ساتھیوں کو تکرار کراؤ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک دوسرا شخص میرا پڑوسی انصاری عوالی مدینہ میں مسجد نبوی سے کچھ فاصلہ پر رہا کرتے تھے اور باری باری جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ایک دن میں ایک دن وہ جس دن میں جاتا تو جو سن کر آتا اس سے بیان کر دیتا جس دن وہ جاتا تو جو سن کر آتا مجھ سے بیان کر دیتا۔ (بخاری)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ حاضر ہیں وہ غائبوں کو پہنچا دیں۔ (بخاری)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اپنا شریک فی التعلیم (ہم درس ساتھی) اگر کسی سبق میں حاضر نہ ہو تو ناغہ شدہ سبق کا اس کو تکرار کرا دیا کرو یہ اس کا حق ہے۔

(۶) اسی طرح اگر کسی ساتھی کو دوران سبق کتاب سمجھ میں نہ آئے تو بعد میں اسے تکرار میں سمجھا دیا کرو اور اس کو حقیر نہ سمجھو اور نہ ہی اس پر طعن و تشنیع کرو انشاء اللہ اس سے ہر قسم کا نفع ہوگا اور علم میں برکت ہوگی۔

(۷) اگر کوئی ساتھ شرم وحیاء کی وجہ سے سوال نہ کر سکتا ہو تو دوسرا ساتھی اس کے لئے پوچھ لے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو مذی بہت آتی تھی شرم کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہیں اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے کہا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔ (بخاری)

اس حدیث سے یہ حق معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنا ہم سبق، استاد سے کوئی بات پوچھتا ہوا شرمائے اور اپنے ساتھی سے پوچھنے کی درخواست کرے تو خودغرضی کو چھوڑ کر پوچھ لے۔ البتہ اگر نامعقول سوال ہو تو عذر کر دے یا استاد کسی مصلحت سے کہے کہ جس کا سوال ہو وہ خود کرے تو اس وقت استاد کے اسی کہنے پر عمل کرے۔

(۸) دوران تعلیم ایک دوسرے کی دعوت نہ کرو نہ ہی مشترکہ طور پر کسی کی دعوت کرو۔ اس لئے کہ ایک تو اس سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے اور سبق کا نقصان ہوتا ہے اور دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ بعض طلبہ غریب ہوتے ہیں، دعوت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور شرمندگی سے بچنے کے لئے قرض لیتے ہیں۔ اس طرح کسی کو تکلیف و پریشانی میں مبتلا کرنا جائز نہیں نہ ہی مسلمان کا ایسا مال جو اس نے بطیب خاطر نہ دیا ہو کھانا جائز ہے کہ حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے۔

نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مظاہر حق کے مصنف ہیں انہوں نے اپنے استاد شاہ محمد اسحاق اور اپنے ساتھی مولانا مظفر حسین صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کی شاہ صاحب چونکہ ان کی مالی حالت سے واقف نہ تھے لہٰذا انہوں نے قبول فرمالی اور مولانا مظفر حسین صاحب نے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب سے ان کی شکایت کی گئی۔ شاہ صاحب نے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا حضرت بات یہ ہے کہ نواب صاحب آج کل مقروض ہیں اور دعوت میں تکلف کرتے لہٰذا اتنی رقم انہیں ادائیگی قرض میں صرف کرنی چاہیئے۔ شاہ صاحب نے یہ سن کر اپنی دعوت بھی منسوخ کر لی۔

غور کیجئے دعوت کرنے والے نواب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کے پاس اللہ کا دیا ہوا بہت کچھ تھا مگر اس وقت کچھ تنگی تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی دعوت قبول نہ کی پھر جن کے پاس واقعۃً کچھ نہ ہوان کی دعوت قبول کرنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

(۹) مدرسہ کے دیگر ساتھیوں کا بھی بہت خیال رکھوان سے جھگڑا فساد نہ کرو۔ ان سے کوئی کوتاہی یا کسی قسم کا نقصان ہوجائے تو اس کو برداشت کرو۔ ان میں جو غریب ہو حسب استطاعت اس کی امداد کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور بزگان دین کے واقعات کو سامنے رکھو کہ ان حضرات کے اندر کس قدر ایثار اور ہمدردی کا جذبہ تھا ایک غزوہ میں ایک صحابی کے چچازاد بھائی زخمی ہوکر گر پڑے، یہ صحابی ان کو تلاش کرنے نکلے دیکھا کہ ایک جگہ پڑے ہوئے ہیں اور جان کنی کا علم ہے یہ قریب گئے انہوں نے پانی مانگا یہ پانی لے کر گئے تو قریب میں دوسرے کو ساتھی زخمی تھے انہوں نے پانی پانی مانگا ان کے زخمی بھائی نے اشارہ کیا کہ ان کو بھلا دوان کے پاس گئے تو تیسرے نے پانی مانگا اس دوسرے نے اشارہ کیا جب پلانے گئے تو ان کا انتقال ہوچکا تھا۔ دوسرے کے پاس آئے تو ان کا بھی انتقال ہوچکا تھا۔ بھائی کے پاس آئے تو وہ بھی دنیا سے رخصت ہوچکے تھے یہ ایثار تھا ان کا جس کی وجہ سے اللہ نے دنیامیں ان کو اپنی رضامندی کی سند جاری فرمادی کہ رضی اللہ عنہم ورضوعنہ۔

طالب علم کے آداب

طالب علم کے آداب بے شمار ہیں لیکن وہ سب دس کے ضمن میں آجاتے ہیں۔

پہلا ادب: پہلا ادب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو بری عادات اور گندے اوصاف سے، پاک وصاف کرے اس لئے کہ علم دل کی عبادت، باطن کی اصلاح اور تقرب الٰہی کا

نام ہے۔

دوسرا ادب: یہ ہے کہ طالب دنیا کی مصروفیتیں کم کردے، عزیز واقارب اور وطن سے دور جاکر رہے۔ وہ اس لئے کہ یہ رشتے، ناتے یہ مصروفیتیں علم کی راہ میں رکاوٹ ہیں کوئی بھی شخص اپنے سینے میں دو دل نہیں رکھتا، جب اس کا ذہن وفکر منتشر ہوگا توجہ بٹے گی تو وہ حصول علم میں کوتاہی کرنے پر مجبور ہوگا اسی لئے کسی نے کہا ہے کہ علم اس وقت تک بھی تھوڑا حصہ نہیں دے گا جب تک اپنے آپ کو پوری طرح اس کے سپرد نہ کردو گے۔

تیسرا ادب: یہ ہے کہ طالب علم اپنے علم پر مغرور نہ ہواور استاد پر حکومت نہ چلائے بلکہ سب کچھ اسی کی رائے پر چھوڑ دے، جو نصیحت وہ کرے اسے اسی طرح قبول کرے، جس طرح مریض، مشفق اور حاذق حکیم کی نصیحت سنتا ہے اور قبول کرتا ہے طالب علم کو یہ بھی چاہیئے کہ وہ استاذ کے ساتھ تواضع اور انکساری سے پیش آئے۔

چوتھا ادب: چوتھا ادب یہ ہے کہ طالب علم تعلیم کے ابتدائی مراحل میں اختلافی باتیں سننے سے پرہیز کرے خواہ وہ علم دنیا حاصل کر رہا ہوں یا علم آخرت۔ اس لئے کہ اختلافی مسائل سننے سے مبتدی طالب علم کا ذہن پریشان ہوجاتا ہے عقل حیران ہوجاتی ہے۔

پانچواں ادب: یہ کہ طالب علم بہترین علوم میں سے کوئی علم دیکھے بغیر نہ چھوڑے۔

چھٹا ادب: چھٹا ادب یہ ہے کہ فنون علم میں سے کسی فن کو دفعتاً اختیار نہ کرے بلکہ اس میں بھی ترتیب ملحوظ رکھے اس فن کا جو حصہ اہم ہو اس سے ابتدا کرے۔

ساتواں ادب: ساتواں ادب یہ ہے کہ اس وقت تک کسی فن میں مشغول نہ ہو جب تک اس سے پہلے والے فن کی اچھی طرح تکمیل نہ کرلے۔ اس لئے کہ علوم میں ایک ترتیب ہے۔ ایک علم دوسرے علم کا راستہ ہے۔

آٹھواں ادب: یہ ہے کہ طالب علم کو چاہیئے کہ وہ علوم کی افضلیت وشرف کے

اسباب معلوم کرے۔

استاد کے آداب

پہلا ادب: یہ ہے کہ شاگردوں پر شفقت کرے اور ان کو اپنے بیٹوں کے برابر سمجھے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے فرمایا کرتے تھے:

﴿انما انا لکم مثل الوالد لولدہ﴾ (ابوداؤد)

ترجمہ: ''میں تمہارے حق میں ایسا ہوں جیسا باپ اپنے بیٹے کے حق میں۔''

مطلب یہ ہے کہ استاذ اپنے شاگردوں کو آخرت کے عذاب سے اس طرح بچائے جس طرح ماں باپ اپنے بچوں کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں اور آخرت کی آگ سے بچانا دنیا کی آگ سے بچانے سے زیادہ اہم ہے اس لئے استاذ کا حق ماں باپ کے حق سے بڑھ کر ہے کیونکہ باپ اس کی زندگی اور اس کے باقی وجود کا سبب ہے۔

جبکہ استاذ اس کی ابدی زندگی کا سبب ہے۔ اگر استاد نہ ہوتا تو اس چیز کی ہلاکت میں کیا شائبہ تھا جو باپ سے حاصل ہوتی تھی استاذ ہی کی بدولت اخروی زندگی کی سعادت حاصل ہوتی ہے مگر استاذ سے ہماری مراد علوم آخرت کا سکھلانے والا یا دنیا کے علوم کو آخرت کی نیت سے بتلانے والا ہے نہ کہ وہ شخص جو دنیاوی اغراض کے لئے تعلیم دیتا ہے۔ ایسا استاذ خود تباہی کے راستے پر ہے اور دوسروں کو بھی تباہ کردینا چاہتا ہے۔ ایسی تعلیم سے اللہ تعالیٰ پناہ دے۔

دوسرا ادب: یہ ہے کہ تعلیم کے سلسلے میں صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ یعنی علم سکھانے پر اجرت نہ طلب کرے۔

تیسرا ادب: یہ ہے کہ شاگرد کی نصیحت میں کوئی دقیقہ فردگزاشت نہ کرے۔ مثلاً اگر

یہ دیکھے کہ اس کا شاگرد کسی لیاقت اور استعداد کے بغیر ہی منصب اور بلندی اور درجات کا خواہاں ہے یا علم ظاہری کی تحصیل سے پہلے علم باطن میں مشغول ہونا چاہتا ہے تو اسے منع کردے۔

چوتھا ادب: چوتھا ادب جو فن تعلیم کے سلسلے میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ شاگرد کو برے اخلاق سے اشارۃً و پیار سے منع کردے۔ اس میں کبھی کوتاہی نہ ہو لیکن صریح الفاظ میں یا ڈانٹ ڈپٹ کر کبھی کچھ نہ کہے۔ اس لئے کہ صاف لفظوں میں کہنے سے اس کا حجاب دور ہوجاتا ہے۔ استاذ کے خلاف کرنے کی جرأت پیدا ہوجاتی ہے بلکہ خواہش ہوتی ہے۔

پانچواں ادب: پانچواں ادب یہ ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کے سامنے زیر تعلیم علم سے بلند تر علوم کی مذمت نہ کرے۔ جیسا کہ لغت پڑھانے والوں کو علم فقہ کی برائی کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ فقہ کی تعلیم دینے والا علم حدیث اور علم تفسیر کی برائیاں بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان علوم کا تعلق محض نقل سے ہے۔ ان سے پرہیز کرے۔

چھٹا ادب: چھٹا ادب یہ ہے کہ بیان کرنے میں شاگرد کی عقل اور فہم کا معیار پیش نظر رکھے۔ ایسی باتیں بیان کرنے سے گریز کرے جن میں وہ سمجھنے سے قاصر ہو۔

ساتواں ادب: ساتواں ادب یہ ہے کہ جب استاذ کو اپنے کسی شاگرد کی کم عقلی اور ناسمجھی کا علم ہوجائے تو اسے وہ باتیں بتلائے جو واضح ہو اور اس کے لئے مناسب ہوں مگر یہ ہرگز نہ کہے کہ اس ذیل میں کچھ دقیق باتیں بھی ہیں جو ہم نے نہیں بتائیں۔ اگر طالب علم سے یہ بات کہہ دی گئی تو علم میں اس کا شوق کم ہوجائے گا۔ دل اچاٹ ہوجائے گا۔ ذہن پریشان ہوگا اور وہ یہ خیال کرے گا کہ مجھے بتلانے میں بخل سے کام لیا گیا ہے۔ وہ طالب علم کبھی یہ باور نہیں کرسکتا کہ میرا ذہن کمزور ہے۔ میں بہت سی باتیں سمجھنے سے عاجز ہوں۔ اس لیئے کہ ہر شخص اپنے آپ کو عقل کل سمجھتا ہے۔

آٹھواں ادب: آٹھواں ادب یہ ہے کہ استاذ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہوا ایسا نہ

ہو کہ کچھ اس لئے کہ علم کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے اور عمل کا مشاہدہ ظاہر کی آنکھ سے کیا جاتا ہے اہل بصیرت کم ہیں اور آنکھیں کھولنے والے تو زیادہ ہیں اگر استاذ کے علم و عمل میں تضاد ہوگا تو اس کے ذریعہ ہدایت نہ ہوسکیگی۔ (احیاء العلوم ج ۱)

علم کا مقصد

طالب علم بھائیو دیکھو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آمد تبلیغ اور دعوت کے لئے ہے۔ جتنے بھی انبیاء علیہم السلام آئے ہیں ان کا کام صرف تبلیغ ہے تبلیغ اس پیغام کی اس صداقت کی جوان کو خدا کی طرف سے ملا ہے اور اس راہ کے اندر جو دشواریاں پیش آئیں انہوں نے برداشت کیا سب کو برگ گل پھول کی پتیاں سمجھا، انبیاء کرام کے آنے کا مقصد یہ تھا وہ پیام وصداقت وعلم جو لے کر آئے ان کو لوگوں کے اندر پہنچائیں اور اسی کا نام العلماء ورثۃ الانبیاء ہے۔

ہم اگر علم حاصل کررہے ہیں کہ اس غرض کے لئے جو اس کی اصل غرض ہے اور اس کا اصل مقصد ہے تو پھر ہم علم کے حاصل کرنے میں پوری پوری کوشش کریں گے ہمارے علم حاصل کرنے کا مطلب اس کا دوسروں تک پہنچا دینا ہے یہ بات ہے علم ربانی کی بہرحال انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس مقصد کے بجالانے میں جو کچھ پیش آتا رہا اس کو برداشت کرتے تھے۔ ناگواریاں، دشواریاں، اپنوں کی اور پروں کی یعنی دوسروں کی سب کی سہتے تھے اور اللہ کو خوش کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ڈنکا بجاتے تھے جو علم کے اندر مشغول ہے علم بھی وہ جو خدا کی ذات میں سے چلا ہوا ہے وہ ورثۃ الانبیاء ہے کوئی ہمارا مقصد نہ ہو سوائے اللہ کے راضی کرنے کے اگر وہ دل کے اندر ہو تو صحیح ہے۔

علم حاصل نہیں ہوتا جب کہ آدمی اپنی نفسانیت کو قربان نہ کردے اپنے نفس کو نہ کچلے اس کو نہ دبائے بخاری شریف کا علم حاصل نہیں کرسکتا، ایک تو وہ جس کو شرم ہو اور

ایک وہ جو تکبر کرتا ہو میں جس کے اندر خودی ہوگی علم اس کے اندر نہیں آ سکتا اس کا گمان چاہے حاصل ہو جائے علم کی حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔

﴿العلم لایطیک بعضه حتی لاتعطیه کلک﴾

آج کل کی ہوا تو یہ ہے اپنا جی چاہیں پورا کریں اور پھر اپنے کو طالب علم کہتے ہیں علم کی طلبہ کا راستہ یہ نہیں علم کی طلباء کا راستہ نفس کو کچلنا ہے جتنے گذر چکے ہیں ان کے واقعات سے پتہ چلے گا۔ انہوں نے اس کی مشق کی تھی کہ ہر ایک سے اپنے کو کمتر سمجھے جس کو دیکھیں ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھیں۔ (حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا طلبہ سے خطاب ماخوذ از احوال آثار کاندھلہ اشاعت خاص۔ مرتب مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی)

فائدہ: ہمارے طلبہ ساتھیوں دعوت وتبلیغ کی عظیم محنت کے تیسرے امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۵ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ (۲۸ جولائی ۱۹۷۱ء) کو مرکز تبلیغ بنگلے والی مسجد نظام الدین دہلی میں طلبہ کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مندرجہ بالا نصیحتیں فرمائی تھیں۔ بزرگوں کی ایسی باتیں گرہ میں باندھ لینے کے قابل ہوتی ہیں۔ آپ اپنے تعلیمی اوقات سے فراغت کے بعد تبلیغی محنت میں حسب توفیق حصہ لیتے رہا کریں۔ تاکہ حصول علم کے ساتھ ساتھ اشاعت علم بھی جاری رہے تاہم یہ خیال ہے کہ اس سے آپ کی تعلیمی سرگرمیاں متاثر نہ ہوں اس لئے کہ آپ کا یہ زمانہ بنیادی طور پر تعلیم کا ہے۔

توکل

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب (جہلم) فرماتے ہیں کہ باتوں باتوں میں ایک دفعہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک روز عصر کا وقت تھا مجھے بھوک لگی ہوئی تھی گھر پہنچ کر کھانے کو کچھ مانگا۔ بیوی نے بتایا آج گھر میں کھانے

کھلانے کو کچھ بھی نہیں اتنے میں ایک صاحب آئے اور کہا حضرت تشریف لے چلئے اور نکاح پڑھا دیجئے انہوں نے نکاح پڑھانے کے بعد پانچ روپے پیش کئے مگر میں نے قبول نہ کئے۔ واپس آ کر مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہا تھا کہ ایک شخص نے پانچ روپے ہدیہ دیئے وہ میں نے قبول کر لئے جن سے خورد ونوش کا بندوبست کیا۔

مولانا عبداللطیف صاحب (جہلم) نے بتایا کہ میں نے حضرت سے ایک دفعہ سنا فرماتے تھے مجھے ایک بار انگریزوں نے جالندھر کے ایک گاؤں میں جہاں پولیس کی چوکی تھی نظر بند کر دیا سردی کا موسم تھا میرے پاس بستر وستر کچھ نہ تھا تھانے دار سکھ تھا۔ اسے میرے ساتھ کیا ہمدردی ہو سکتی تھی میں رات کو تھانے کے ایک پھٹے (تختے) پر باریک سی عربی قبا اوڑھ کر لیٹ جاتا اور رات جوں توں کر کے کاٹ لیتا ہر روز عشاء کے وقت ایک صاحب مجھ سے کہتے اگر آپ کہیں تو آپ کے لئے لحاف لے آؤں، میں انکار کر دیتا کئی دن کے بعد ایک صاحب آئے اور کہنے لگے مولانا میں نے آپ کے لئے ایک فظ بنوایا ہے قبول فرمالیں میں نے قبول کر لیا۔ فرمایا پہلا شخص کہا کرتا تھا کہ اگر کہیں تو لے آؤں مجھے یوں لینا پسند نہ تھا دوسرے نے کہا میرے لئے بنوایا ہے قبول کر لو اس لئے میں نے اس کا ہدیہ قبول کر لیا۔

(دو بزرگ ص ۱۱۵ سید امین گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ)

فائدہ: پیارے دوستو! حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ گذشتہ صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور عظیم صاحب نسبت بزرگ تھے ان کے توکل کے مذکورہ دو واقعات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ دوسرے واقعہ میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جب ایک شخص نے ازخود باعزت طریقہ سے حضرت کو ہدیہ پیش کیا تو انہوں نے قبول کر لیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اپنی طلب کے بغیر کچھ ملے تو اسے من جانب اللہ سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے۔ احادیث سے بھی اس کا سبق ملتا ہے۔

حاصل مطالعہ......ادب اور احترام

استفاضۂ علم میں ادب اور تقویٰ کو بڑا دخل ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے وہی کتابیں پڑھیں تھیں جن کو سب پڑھتے ہیں پھر ان کو اتنا علم کہاں سے آیا؟ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں کئی چیزوں کو دخل ہے ایک تو مولانا طب کی رو سے معتدل مزاج تھے اس سے ان پر نفس کامل فائض ہوا۔ دوسرے یہ کہ استاد بڑے کامل ملے یعنی مولانا مملوک علی صاحب جن کا علم فضل مخفی نہیں، تیسری یہ بات کہ متقی اعلیٰ درجہ کے تھے پھر ان میں استاد کا ادب بہت تھا اور پھر پیر بھی بڑے کامل ملے یعنی حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ادب کی یہ کیفیت تھی کہ مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جب بیماری میں آپ کے پاس آتے تو آپ اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو فرمایا کہ حضرت آپ میرے استاد ہیں انہوں نے کہا کہ میں کہاں استاد ہو گیا۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا مملوک علی صاحب کسی کام میں تھے تو آپ سے فرمایا تھا کہ ذرا ان کو کافیہ کا سبق پڑھا دو۔ چنانچہ میں نے آپ سے سبق پڑھا تھا۔

دوسرا قصہ یہ ہے کہ تھانہ بون کا ایک گندھی جس کو اہل علم سے محبت تھی مجھ سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا تھا کہ ایک بار میں دیوبند میں مولانا کی مجلس میں حاضر ہوا۔ مولانا نے فارغ ہو کر پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ حکیم الامت نے کہا تھانہ بھون سے آیا ہوں۔ یہ سن کر گھبرا گئے اور فرمایا کہ بے ادبی ہوئی وہ تو میرے پیر کا وطن ہے آپ آئے میں بیٹھا رہا مجھ کو معاف کیجئے۔ وہ گندھی کہتا تھا کہ میں مولانا کی اس حالت کو دیکھ کر شرمندگی سے مرجاتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مولانا کے ادب کا ذکر فرماتے تھے کہ میں نے اپنا ایک مسودہ مولانا کو نقل کے لئے دیا۔ ایک مقام پر املاء میں غلطی ہوگئی تھی مولانا اس مسودہ کو نقل کر کے لائے تو اس لفظ کی جگہ بیاض میں چھوڑ دی صحیح بھی نہیں لکھا کیونکہ یہ تو حضرت حاجی صاحب کے کلام کی اصلاح تھی اور غلط بھی نہیں لکھا کیونکہ یہ عمل کے خلاف تھا اور عمداً خطا تھی اور آ کر فرمایا کہ اس جگہ پڑھا نہیں گیا اور غرض یہ تھی کہ دیکھ کر غلطی درست کر دیں مگر کس عنوان سے کہا۔ یہ نہیں کہ غلطی ہوگئی۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قلم سے کاٹ کر درست کر دیا ان باتوں کے جمع ہونے سے یہ برکت آپ کو حاصل ہوئی۔ (ملفوظات کمالات اشرفیہ)

عمل کرنے کی باتیں

- ضرورت کے موافق علم حاصل کرے خواہ کتاب پڑھ کر یا علماء سے پوچھ پاچھ کر سب گناہوں سے بچیئے۔
- اگر کوئی گناہ ہوجائے فوراً توبہ کرے یہ خیال نہ کرے کہ بعد میں توبہ کرلوں گا کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کسی کا حق نہ رکھے کسی کو زبان یا ہاتھ سے تکلیف نہ دے کسی کی برائی نہ کرے۔
- مال کی محبت اور نام کی خواہش نہ رکھے نہ بہت اچھے کپڑے پہننے کی فکر میں رہے۔
- بدون سخت ضرورت کے سفر نہ کرے کیونکہ سفر میں بہت سی باتیں بے احتیاطی کی ہوجاتی ہیں بہت سے نیک کام چھوٹ جاتے ہیں نیکیوں میں خلل پڑ جاتا ہے وقت پر کوئی کام نہیں ہو پاتا۔ بلکہ نمازیں قضاء ہوجاتی ہیں ذکر واذکار کے معمول میں خلل آجاتا ہے۔
- نہ بہت ہنسے نہ بہت بولے خاص کر نامحرم سے بے تکلفی کی باتیں نہ کرے۔

کیونکہ اس کا انجام برا ہوتا ہے۔

- کسی سے جھگڑا اور بحث ومباحثہ نہ کرے اس سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔
- حکم شرعی کی پابندی کا ہر وقت خیال رکھے۔
- عبادت میں سستی نہ کرے۔
- زیادہ وقت تنہائی میں رہے یعنی بلا ضرورت لوگوں سے اختلاط نہ رکھے اگر اوروں سے ملنا جلنا پڑے تو سب سے اخلاق کے ساتھ پیش آئے سب کی خدمت کرے بڑائی نہ جتلائے (یعنی اپنی کو بڑا بنا کر نہ رکھے۔)
- امیروں سے بہت ہی کم ملے۔ کیونکہ مالداروں میں عام طور پر بڑائی ہوتی ہے۔
- بددین آدمی سے دور بھاگے یعنی جاہلوں سے دور رہے کیونکہ ان کی صحبت سے دینی ودنیوی دونوں طرح کا نقصان ہوتا ہے۔
- دوسرے کے عیب نہ ڈھونڈھے کسی پر بدگمانی نہ کرے اپنے عیبوں کو دیکھا کرے اور ان کی اصلاح کی فکر کرے۔
- نماز کو اچھی طرح اپنے وقت میں دل سے پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا بہت خیال رکھے۔
- دل یا زبان سے ہر وقت اللہ کی یاد میں رہے کسی وقت غافل نہ ہو۔
- اگر اللہ کا نام لینے سے مزہ آئے دل خوش ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔
- بات نرمی سے کرے یعنی اجڑ لوگوں کی طرح بداخلاقی سے بات نہ کرے)
- سب کاموں کے لئے وقت مقرر کرے اور پابندی سے اس کو نبھائے۔
- جو کچھ رنج وغم نقصان پیش آئے اللہ کی طرف سے سمجھے پریشان نہ ہو اور یوں سمجھے کہ اس پر صبر کرنے سے مجھے اجر وثواب ملے گا۔
- ہر وقت دل میں دنیوی کاموں کا حساب وکتاب اور دنیا کے کاموں کا ذکر نہ رکھے بلکہ خیال بھی اللہ ہی کا رکھے یعنی دنیا کے کام کرتے وقت بھی دھیان اللہ

کی ہی کی طرف رہے۔

- جہاں تک ہوسکے دوسروں کو فائدہ پہنچائے خواہ دنیا کا ہو یا دین کا۔
- کھانے پینے میں نہ اتنی کمی کرے کہ بیمار ہوجائے نہ اتنی زیادتی کرے کہ عبادت میں سستی ہو۔
- خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے طمع نہ کرے نہ کسی طرف خیال دوڑائے کہ فلانی جگہ سے ہم کو فائدہ ہوجائے فلانا شخص سے میری فلاں حاجت پوری ہوگی۔
- اللہ تعالیٰ کی تلاش میں بے چین رہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے عبادات میں خوب محنت کرے اور اللہ کے ہر حکم کو بجالانے کی مکمل کوشش کرے۔
- جو نعمت بھی ملے تھوڑی ہو یا زیادہ اس پر شکر بجالائے اور فقر و فاقہ سے تنگ دل نہ ہو۔
- جو اس کی حکومت میں ہیں ان کی خطاء و قصور سے درگزر کرے یعنی اپنے ماتحتوں سے کوئی غلطی ہوجائے تو معاف کردے۔
- کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو اس کو چھپائے البتہ اگر کوئی کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور تم کو معلوم ہوجائے تو اس شخص کو کہہ دو۔
- مہمانوں اور مسافروں اور غریبوں اور عالموں اور درویشوں کی خدمت کرے۔
- نیک صحبت اختیار کرے یعنی اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھے ان کے بیانات سنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرے۔
- ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرا کرے۔ یعنی کہیں غفلت میں کوئی گناہ نہ ہوجائے۔
- موت کو یاد رکھے یعنی مرنے کے بعد آنے والی زندگی کا خیال رکھے)
- روزانہ کسی وقت بیٹھ کر اپنے دن بھر کے کاموں کو سوچا کرے جو نیکی یاد آئے اس پر شکر کرے گناہ پر توبہ کرے جھوٹ ہرگز نہ بولے۔

- جو کام خلاف شرع ہو وہاں ہرگز نہ جائے یعنی بے حیائی فسق وفجور کی باتوں سے اجتناب کرے)
- اگر اللہ تعالیٰ نیک اعمال کرنے کی توفیق دے تو ان باتوں پر مغرور نہ ہو کہ میرے اندر ایسی خوبیاں ہیں کیوں کہ اعمال صالحہ کی توفیق انسان کا اپنا کمال نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔
- اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرے کہ نیک راہ پر قائم رکھیں اور ہر قسم کے کفر وشرک بدعات ورسومات اور گناہوں کے کاموں سے حفاظت فرمائے۔

(ماخوذ از بہشتی زیور مع اضافہ وترمیم)

خدمت کا جذبہ

حضرت شاہ علم اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ میں خدمت کا جذبہ بچپن سے موجود تھا وہ کسی کی خدمت قبول کرنے کی بجائے خود اس کی خدمت پر کمر بستہ رہتے تھے یہ جذبہ ان کی زندگی کے آخری ایام تک نہ صرف کارفرما رہا بلکہ مرور ایام کے ساتھ اور زیادہ طاقتور ہوتا گیا، مصنف سیرت علمیہ لکھتے ہیں وہ جھاڑو دینے پانی بھرنے اور کھانا پکانے میں خادمان خانہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے کام آسان ہو یا مشکل نہ کسی کی مدد طلب کرتے تھے اور نہ کسی سے کام کرواتے، بلکہ خود کام شروع کر دیتے تھے دوست واہل تعلق یہ دیکھ کر ان کا ہاتھ بٹاتے اور ان کے کام میں شریک ہو جاتے چنانچہ تعمیر مسجد میں انہوں نے پورا حصہ لیا اس کے لئے زمین کھود کر روڑی نکالتے اور معماروں کے ساتھ کام میں شریک رہتے۔

ایک مرتبہ ایک سیلاب کے بعد ایک مخلص نے حویلی کی کرسی بلند کرنے کے لئے پانچ سو روپے بھیجے آپ نے صاحبزادوں سے فرمایا یہ رقم آئی ہے چاہے مزدوروں سے کام لیا جائے اور ان کو مزدوری دی جائے چاہے تم خود محنت کرو اور مزدوری لے لو سب

نے اسی کو منظور کیا۔ سید شاہ علم اللہ بہ نفس نفیس اپنے فرزندوں کے ساتھ پھاوڑا چلانے، زمین برابر کرنے اور سطح زمین برابر کرنے اور سطح زمین بلند کرنے میں شریک ہوئے اور دن بھر محنت کرتے رہے۔

(تذکرہ سید شاہ علم اللہ حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۶۲ از مولانا محمد الحسنی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ)

فائدہ: پیارے طالب علم دوستو! مدرسے میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ خدمت کے مواقع بھی خوب حاصل ہوتے ہیں ان کو بار نہ سمجھے بلکہ اپنی سعادت سمجھ کر خدمت کا ہر موقع سے فائدہ اٹھایئے اس سے آپ میں وہ صفات پیدا ہوں گی جو اللہ کے خاص بندوں کا مایہ امتیاز ہوتی ہیں۔

مجاہدہ اور اخفاء

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ نے فقیہ ابوعباس احمد بن عبدالرحمٰن ابیوری رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ظاہری بود و باش سے اپنی فاقہ کشی کو چھپاتے تھے وہ غربت کی وجہ سے کئی سال تک سردی سے بچاؤ کے لئے جبّہ نہ لے سکے وہ عموماً شاگردوں سے کہتے تھے مجھے ایسا مرض یعنی فقر لاحق ہے جس کے باعث میں موٹا کپڑا نہیں پہن سکتا۔ (صفحات من صبر العلماء از شیخ ابوالفتاح ابوغدۃ)

فائدہ: دوستو اپنے فقر و فاقہ اور سخت حالات کو اللہ ہی کے سامنے پیش کر کے اس سے مدد چاہیں بندوں سے سوال نہ کریں نہ ان کے سامنے اپنے فقر و افلاس کا رونا روئیں، اللہ اپنے خزانوں سے آپ کو مالا مال کرے گا۔

علم دین کی ارزانی

مولوی منفعت علی صاحب سے ایک شخص نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ علماء میں اب رازی غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نہیں پیدا ہوتے؟ انہوں نے کہا اس وقت انتخاب کا قاعدہ یہ تھا کہ قوم میں جو سب سے ذہین اور ذکی طلبہ ہوتے وہ علوم دین کے لئے منتخب کئے

جاتے اور اب انتخاب کا قاعدہ یہ ہے کہ جو سب سے احمق اور غبی ہو وہ اس کے لئے تجویز ہوتا ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اب بھی جو ذہین وذکی پڑھتے ہیں وہ غزالی ورازی سے کم نہیں ہوتے میرے ساتھ چلو اور علماء کی حالت دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت بھی غزالی ورازی موجود ہیں اور ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن تعداد کم ضرور ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ جو لوگ قابل ہیں وہ تو ادھر متوجہ نہیں ہوئے ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر بیس آدمی ایسے پڑھیں تو ان میں پندرہ غزالی اور رازی ضرور نکلیں گے اب بے چارے غریب غرباء جولاہے دھنے پڑھتے ہیں ان کی جیسی سمجھ ہوتی ہے ویسے ہی نکلتے ہیں اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ غریب غرباء کے بچوں کو نہ پڑھایا جائے کیونکہ امراء نے خود چھوڑا اور ان (غریبوں) سے ہم چھڑادیں تو پھر علم کس کو پڑھائیں، غرباء کیا کریں۔ انگریزی تو پڑھ نہیں سکتے کیونکہ اس کی تعلیم نہایت گراں ہے اور عربی ہم نہ پڑھائیں تو یہ بے چارے بالکل کورے کے کورے کورے ہی رہیں اور واقعی علم دین ایسی تیز چیز ہے کہ اس میں محنت بھی کم اور خرچ بھی کم بخلاف انگریزی کے۔

علم دین کی ارزانی دیکھئے کہ اگر کوئی شخص میزان سے اخیر تک ایک کتاب بھی نہ خریدے تو ہر کتاب اس کو میسر آسکتی ہے اور آپ ایک شخص بھی نہیں بتلا سکتے کہ اس نے بی اے پڑھا ہو اور اس کو قریب قریب کل کتابیں نہ خریدنی پڑھی ہوں اس سے معلوم ہوا دینی تعلیم نہایت ارزاں اور دنیوی تعلیم نہایت گراں ہے اور یہی دلیل ہے اس کے معزز ہونے کی کیوں کہ فطرت کا قاعدہ ہے کہ جتنی ضرورت کی چیز ہوتی ہے اسی قدر سستی ہوتی (جیسے ہوا پانی) اور جو جس قدر بے کار ہوتی ہے اسی قدر گراں اور کمیاب ہوتی ہے (جیسے سونا، ہیرے، موتی) یہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔

(دعوت عبدیت ج۶ ص۹۰)

ضمیر آزاد نہیں رہے گا

مفتی صاحب (کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ) جس وقت مدرسہ امینیہ کی صدر مدرسی کرنے آئے وہ مدرسہ کا ابتدائی وقت تھا، مدرسہ کی مالی حالت کمزور تھی۔ مفتی صاحب نے صرف بیس روپے ماہوار پر کام شروع کر دیا۔ یہ ۱۳۲۳ھ کی بات ہے یہ تنخواہ بڑھتے بڑھتے دوسو پچاس تک پہنچ گئی۔ ۱۳۷۰ھ میں مدرسے کی مجلس منتظمہ نے پچیس روپے کا اور اضافہ کیا مفتی صاحب اضافے کے پچیس روپے تو لیتے تھے۔ مگر بطور چندہ مدرسہ کو واپس دیتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے مجھے ڈھائی سو کافی ہے۔

جب چالیس روپے تنخواہ تھی مدرسہ عالیہ کلکتہ سے پانچ سو روپے پر بلایا۔

گیا تھا فرمایا وہاں ضمیر آزاد نہیں رہے گا اور اس سے دین کی خدمت میں رکاوٹ پڑے گی انکار لکھ بھیجا۔ حکیم اجمل خان نے ریاست حیدر آباد سے منصب مقرر کرادیا تھا مگر مفتی صاحب نے اس کا اجراء نہیں کرایا۔

(میرے زمانے کے دلی ۱۷۰ از ملا واحدی دھلوی)

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی قوت حافظہ اور مطالعہ

ایک مرتبہ درس میں فرمایا میں نے بخاری کا مکمل مطالعہ بارہ دفعہ کیا ہے یہ مطالعہ اس سے علیحدہ ہے جو شروح اور حواشی کے ذیل میں کیا گیا۔ حدیث کے موضوع پر مطبوعات کے علاوہ نوادر بھی مطالعہ میں تھے، مطالعہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ فرماتے، چنانچہ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ کی شرح فتح القدیر جو آٹھ جلدوں اور ہزار ہاں صفحات میں پھیلی ہوئی ہے اس کا مطالعہ کل بیس روز میں آپ نے فرمایا۔ اور ۲۶ سال کے بعد آپ نے فرمایا کہ ایک بار مطالعہ کے بعد پھر مطالعہ کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

جس زمانہ میں اس طویل کتاب کا مطالعہ فرمارہے تھے اس کی تلخیص بھی ساتھ ساتھ جاری تھی۔ اسی طرح مسند احمد بن حنبل کا دوسو صفحات روزانہ کے اوسط سے مطالعہ کیا اور اس بصیرت اور غور وفکر کے ساتھ کہ اس طویل اور ضخیم مجموعہ احادیث سے احناف کے دلائل منتخب کرتے چلے گئے۔ گویا کہ بے پناہ قوت حافظہ کے ساتھ سرعت مطالعہ کی خصوصیت بھی رکھتے تھے۔ (حیات کشمیری ص ۱۳)

باب دوم

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مختصر حالات اور تعلیم

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ابھی بچپن ہی تھا کہ ان کے والد اسماعیل بن ابراہیم کا انتقال ہوگیا اور تربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آ گئی، ادھر اسی بچپن کی زمانے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بینائی زائل ہوگئی جس سے والدہ کو بہت صدمہ ہوا، وہ بڑی عبادت گزار اور خدا رسیدہ خاتون تھیں، الحاح وزاری کے ساتھ انہوں نے دعائیں کیں، ایک مرتبہ رات کو خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی تو انہوں نے بشارت سنائی کہ تمہاری دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے کی بینائی لوٹا دی ہے۔

علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ گرمی اور دھوپ میں طلب علم کے لئے سفر سے پھر دوبارہ بینائی جاتی رہی، خراسان پہنچے، کسی نے سر کے بال صاف کرانے اور گلِ خطمی کے ضماد کا مشورہ دیا اس سے بینائی پھر واپس لوٹ آئی۔

بچپن میں علمی نبوغ

بچپن سے مکتبی زندگی کے دوران ہی حفظ حدیث کا شوق پیدا ہوا جبکہ عمر دس سال سے متجاوز نہ تھی، مکتب سے نکلنے کے بعد محدث داخلی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ دوسرے محدثین کے حلقہ ہائے دروس میں شرکت شروع کی۔

ایک دن امام داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سند بیان کی۔ ”سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم“ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے عرض کیا

"ابوالزبیر لم یروعن ابراھیم" استاذ نے طفل نوآموز سمجھ کر توجہ نہیں دی بلکہ جھڑک دیا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سنجیدگی سے عرض کیا کہ آپ کے پاس اصل ہوتو مراجعت فرمالیں بات معقول تھی، محدث داخلی اندر گھر میں گئے اور اصل کو ملاحظہ فرمایا تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات درست نکلی واپس آئے تو پوچھا: لڑکے! اصل سند کیا ہے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایاھو الزبیر وھو ابن عدی عن ابراھیم" محدث داخلی رحمۃ اللہ علیہ نے قلم لے کر اصلاح کرتے ہوئے فرمایا" صدقت" کسی نے پوچھا کہ اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ تو فرمایا گیارہ برس۔

علامہ بیکندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ محمد بن اسماعیل جب درس میں آجاتے ہیں تو مجھ پر تحیر کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اور میں حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں۔

ایک مرتبہ سلیم بن مجاہد علامہ بیکندی کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم تھوڑی دیر پہلے آتے تو میں تمہیں ایسے لڑکے سے ملواتا جس کو ستر ہزار احادیث یاد ہیں۔

ایک مرتبہ علامہ بیکندری رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ تم میری تصنیف پر نظر ڈالو اور جہاں غلطی ہو اصلاح کردو تو کسی نے بڑے تعجب سے کہا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ یعنی علامہ بیکندی امام العصر ہوکر اس سے اپنی کتاب کی اصلاح کے لئے کہہ رہے ہیں! تو بیکندی نے فرمایا اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام کو بچپن میں ستر ہزار حدیثیں تھیں۔

بے مثال حافظہ

حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ حاشد بن اسماعیل کا بیان

ہے کہ ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بصرہ کے مشائخ کے پاس جایا کرتے تھے، ہم لوگ لکھا کرتے تھے اور بخاری نہیں لکھتے تھے بطور طعن رفقاء درس امام بخاری رحمہ اللہ سے کہا کرتے تھے کہ آپ خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، احادیث لکھتے نہیں! زیادہ چھیڑ چھاڑ جب ہوئی تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو غصہ آگیا اور فرمایا اپنی لکھی ہوئی حدیثیں لاؤ، اس وقت تک پندرہ ہزار احایث لکھی جا چکی تھیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان احایث کو سنانا شروع کر دیا تو سب حیران رہ گئے پھر تو حدیثیں لکھنے والے حضرات اپنے نسخوں کی تصحیح کے لئے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے حفظ پر اعتماد کرنے لگے۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد تشریف لائے وہاں کے محدثین نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے امتحان کا ارادہ کیا اور دس آدمی مقرر کیے ہر ایک کو دس دس احادیث سپرد کیں جن کے متون واسانید میں تبدیل کر دی گئی تھی، جب امام تشریف لائے تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے وہ حدیثیں پیش کیں جن میں تبدیلی کر دی گئی تھی امام ہر ایک کے جواب میں لا اعرفہ کہتے رہے عوام تو یہ سمجھنے لگے کہ اس شخص کو کچھ نہیں آتا لیکن ان میں جو علماء تھے وہ سمجھ گئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی چال سمجھ گئے ہیں۔ اس طرح دس آدمیوں نے سو حدیثیں پیش کر دیں جن کی سندوں اور متنوں میں تغیر کیا گیا تھا اور امام نے ہر ایک کے جواب میں لا اعرفہ فرمایا اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نمبر وار ایک ایک کی طرف متوجہ ہوتے گئے اور بتاتے گئے کہ تم نے پہلی روایت اس طرح پڑھی تھی جو غلط ہے اور صحیح اس طرح ہے، اسی طرح ترتیب وار دسوں کی اصلاح فرمائی، اب سب پر واضح ہو گیا کہ یہ کتنے ماہرِ فن ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تعجب اس پر نہیں کہ انہوں نے غلطی پہچان لی اور اس کی اصلاح کر دی کیونکہ وہ حافظ حدیث تھے ان کا تو کام ہی

یہ ہے، لیکن تعجب درحقیقت اس بات پر ہے کہ غلط احادیث کو ایک ہی مرتبہ سن کر ترتیب وار محفوظ رکھا اور پھر ترتیب کے ساتھ ان کو بیان کر کے اصلاح کی۔

رحلات یا علمی اسفار

محدثین کی اصلاح میں رحلہ اس سفر کو کہتے ہیں کو جو طلب حدیث کے لئے کیا جائے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تابعین رحمہ اللہ تعالیٰ میں اس کا خاص ذوق رہا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا خاص اہتمام فرمایا ہے، چونکہ اسلامی فتوحات کی وجہ سے محدثین دور دور پھیلے ہوئے تھے تو وہ ان کے پاس پہنچ کر احادیث کا سماع فرماتے تھے، حضرات صحابہ کرام نے ایک ایک حدیث سننے کے لئے ایک ایک ماہ کی مسافت کا سفر کیا ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے، "رحل جابر بن عبد الله مسيرة شهر الى عبد الله بن انيس فى حديث واحد."

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ"

اس آیت کریمہ میں طلب علم اور تفقہ فی الدین کے لئے نکلنے اور یہ پھر اس کی تبلیغ و تعلیم کی تاکید کی گئی ہے۔

مشہور بزرگ ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ کا ارشاد ہے "اصحاب حدیث کے سفر کی برکت سے خداوند قدوس اس امت سے بلاؤں کو اٹھا لیتے ہیں۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے رحلات

امام صاحب نے پہلے تمام کتب متداولہ اور مشائخ بخارا کی کتابوں کو محفوظ کیا پھر سولہ برس کی عمر میں حجاز کا قصد کیا۔ والدہ اور بھائی احمد بن اسمٰعیل ساتھ تھے والدہ اور بھائی حج سے فراغت کے بعد وطن واپس آ گئے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کے لئے مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے، مکہ مکرمہ کے آپ کے اساتذہ ابوالولید احمد بن محمد

ازرقی، امام حمیدی، حسان بن حسان بصری، خلاد بن یحییٰ اور ابوعبدالرحمٰن مقری رحمہم اللہ تھے۔

پھر اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور محدثین عبدالعزیز اویسی، ایوب بن سلیمان بن بلال اور اسماعیل بن ابی اویس رحمہم اللہ وغیرہ سے استفادہ کیا۔ ۱۸ برس کی ہی عمر میں قضایا الصحابۃ والتابعین لکھی اسی سفر میں مدنیہ طیبہ میں چاندنی راتوں میں التاریخ الکبیر کا مسودہ لکھا یہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تصنیف ہے۔

پھر امام صاحب بصرہ تشریف لے گئے وہاں ابوعاصم النبیل، محمد بن عبد اللہ انصاری، بدل بن المحبر عبدالرحمٰن بن حماد الشعثی، محمد بن عرعرہ، حجاج بن منہال، عبداللہ بن رجاء غدانی اور عمر بن عاصم کلابی رحمہم اللہ وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا۔

امام صاحب حجاز میں چھ سال رہے بصرہ کا چار دفعہ سفر کیا اور کوفہ وبغداد کے متعلق تو خود امام صاحب فرماتے ہیں: **ولا احصیٰ کم دخلت الی الکوفۃ وبغداد مع المحدثین.**

کوفہ کے مشائخ جن پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعتماد کیا ہے وہ ہیں: عبید اللہ بن موسیٰ، ابونعیم احمد بن یعقوب، اسماعیل بن ابان الحسن بن ربیع خالد بن مخلد سعید بن حفص، طلق بن غنام عمر بن حفص، عروہ، قبیصہ بن عقبہ، ابوغسان اور خالد بن یزید مقری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ۔

بغداد کے مشائخ میں امام احمد بن حنبل، محمد بن سابق محمد بن عیسیٰ ابن اطباء اور سریج بن النعمان رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

شام کے مشائخ میں محمد بن یوسف فریابی، ابونصر اسحاق بن ابراہیم، آدم بن ابی ایاس ابوالیمان الحکم بن نافع، حیوۃ بن شریح علی بن عباس اور بشر بن شعیب رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔

مصر کے مشائخ میں عثمان بن صالح سعید بن ابی مریم عبداللہ بن صالح احمد بن صالح احمد بن شعیب، اصبغ بن الفرج سعید بن عیسیٰ، سعید بن کثیر، یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر، احمد بن اشکاب اور عبداللہ بن یوسف وغیرہ ہیں۔

جبکہ الجزیرہ کے مشائخ میں احمد بن عبدالملک حرانی، احمد بن یزید الحرانی، عمر بن خلف اور اسماعیل بن عبداللہ الرقی قابل ذکر ہیں۔

مرو میں علی بن الحسن بن شقیق، عبدان اور محمد بن مقاتل، رحمہم اللہ وغیرہ سے سماع کیا۔

بلخ میں مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن بشیر، محمد بن ابان، یحییٰ بن موسیٰ اور قتیبہ وغیرہ سے احادیث کا سماع کیا۔

ہرات میں احمد بن ابی الولید حنفی سے احادیث کا سماع کیا۔

نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ، بشیر بن الحکم، اسحاق بن راہویہ محمد بن رافع محمد بن یحییٰ ذیلی رحمہم اللہ وغیرہ سے حدیثیں سنیں۔

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تقریبا تمام ممالک اسلامیہ کا سفر کیا اور ایک ہزار اسّی مشائخ سے حدیثیں سنیں۔

تنبیہ

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سفر الجزیرہ کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ امام صاحب الجزیرہ میں داخل نہیں ہوئے۔

لیکن امام نوری اور حافظ حجر رحمہا اللہ اس سفر کے قابل ہیں۔

ان رحلات میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ صاحب کی تنگدستی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طلب علم کے دوران فاقے بھی کیے اور پتے اور گھاس کھا کر گذارا کیا بعض اوقات اپنا لباس تک فروخت کر دینے کی نوبت بھی آئی،

زندگی کے ایک بڑے حصے میں سالن استعمال نہیں کیا ایک مرتبہ بیمار ہوئے، اطباء نے ان کا قارورہ دیکھ کر کہا کہ یہ قارورہ ایسے پادری کا معلوم ہوتا ہے جو سالن استعمال نہیں کرتا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے چالیس سال سے سالن استعمال نہیں کیا، اطباء نے ان کا علاج سالن تجویز کیا تو امام نے انکار فرمادیا اور جب علماء ومشائخ نے بہت اصرار کیا تو یہ منظور فرمایا کہ روٹی کے ساتھ شکر استعمال کرلونگا۔ واقعی سچ ہے

لایستطاع العلم براحة الجسم.

یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس عظیم مرتبہ پر پہنچے کہ بڑے اور چھوٹے سب ان کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **ماا خرجت خراسان مثل محمد بن اسمٰعیل.**

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "**اشهد انه ليس فى الدنيا مثلک**"

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا "**دعنى اقبل رجليک يااستاذ الاستاذين وسيد المحدثين وطبيب الحديث فى علله......**"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا فضل وشرف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اہل فارس میں سے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا تھا، **لو كان الدين عند الثريا اذهب به رجل من فارس او قال من ابناء فارس.**

حضرات محدثین کا ارشاد ہے کہ اس کے اوّلین مصداق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور یہ پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْبِهِمْ﴾

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس آیت کے متعلق آپ سے سوال کیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

لو كان الايمان عند الثريا لنا له الرجال من هٰولاء اس کے مصداق بھی امام ابوحنیفہ وامام بخاری رحمہما اللہ ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وراق محمد بن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لیجارہے ہیں اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پیچھے چل رہے ہیں، جہاں آپ کے قدم مبارک پڑ رہے ہیں امام کے قدم پڑ رہے تھے۔

اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا متبع سنت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

فربری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمارہے ہیں۔ این ترید؟ میں نے عرض کیا ارید محمد بن اسماعیل آپ نے فرمایا: اقرأه منی السلام.

احتیاط وتقویٰ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

﴿ماغتبت احد اقط منذ علمت ان الغيبة حرام نیز فرمایا انی لارجو ان القى الله ولا يحاسبنى انى اغتبت احد﴾

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے معاصی ومنکرات سے بچنے کا بڑا اہتمام فرمایا ہے کیونکہ گناہوں سے حافظہ خراب ہوجاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے گناہوں سے حد درجہ احتیاط کی اس لئے ان کا حافظہ متاثر نہیں ہوا اور حفظ میں ان کو زبردست کمال حاصل ہوا۔

علمی وقار کی حفاظت

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دریائی سفر کر رہے تھے اور ایک ہزار اشرفیاں ان کے ساتھ تھیں، ایک شخص نے کمال نیاز مندی کا طریقہ اختیار کیا اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر اعتماد ہو گیا اپنے احوال سے اس کو مطلع کیا یہ بھی بتا دیا کہ میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں ہیں ایک صبح کو جب وہ شخص اٹھا تو اس نے چیخنا چلانا شروع کیا اور کہنے لگا کہ میری ایک ہزار اشرفی کی تھیلی غائب ہے چنانچہ جہاز والوں کی تلاشی شروع ہوئی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موقعہ پا کر چپکے سے وہ تھیلی دریا میں ڈال دی، تلاشی کی باوجود تھیلی دستیاب نہ ہوسکی تو لوگوں نے اس کو ملامت کی سفر کے اختتام پر وہ شخص امام بخاری سے پوچھتا ہے کہ آپ کی وہ اشرفیاں کہاں گئیں؟ امام نے فرمایا کہ میں نے ان کو دریا میں ڈال دیا کہنے لگا کہ اتنی بڑی رقم کو آپ نے ضائع کر دیا؟ فرمایا کہ میری زندگی کی اصل کمائی تو ثقاہت کی دولت ہے چند اشرفیوں کے عوض میں اس کو کیسے تباہ کر سکتا تھا؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد نے ترکہ میں کافی مال چھوڑا تھا امام نے وہ مال مضاربت پر دیدیا ایک مرتبہ ایک مضارب پچیس ہزار درہم لے کر دوسرے شہر میں جا کر آباد ہو گیا اور اس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رقم ضائع ہونے لگی لوگوں نے کہا کہ مقامی حاکم سے خط لکھوا کر اس علاقے کے حاکم کے پاس بھجوا دیجئے تو رقم آسانی سے مل جائے گی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر آج میں حکام کی سفارش کے ذریعہ اپنی رقم حاصل کرونگا تو کل یہی حاکم میرے دین میں دخل اندازی کریں گے اور میں اپنے دین کو دنیا کے عوض ضائع کرنا نہیں چاہتا پھر یہ طے ہوا کہ مقروض دس درہم ماہوار ادا کرے گا لیکن اس میں سے ایک درہم بھی امام کو نہیں ملا۔

وراق بخاری محمد بن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا کہ میں طلب حدیث کے لئے آدم بن ایاس کے پاس گیا اور خرچہ ختم ہوگیا تو میں نے گھاس اور پتے کھانا شروع کیا اور کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ تیسرے دن ایک اجنبی شخص میرے پاس آیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی تھما دی۔

عمر بن حفص الاشقر کا بیان ہے کہ ہم چند ہم سبق بصرہ میں احادیث لکھتے تھے ہمارے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے ایک مرتبہ بخاری کئی دن تک نہیں آئے۔ تفتیش کرنے سے معلوم ہوا کہ ان کے پاس خرچہ ختم ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ امام کو کپڑے بھی فروخت کرنے پڑے، ہم نے چندہ کیا اور کپڑے کا انتظام کیا۔

اس طرح مشقتیں برداشت کرنا امام کی فطرت میں داخل ہوگیا تھا بخارا سے باہر انہوں نے مہمان خانہ تعمیر کرایا تو بہت سارے لوگ آپ کی مدد کے لئے جمع ہوگئے، آپ خود بھی سب کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لیجانے لگے کسی شاگرد نے عرض کیا کہ آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ تو فرمایا اصل میں کام آنے والی خدمت تو یہی ہے۔

وراق بخاری محمد بن ابی حاتم رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ بسا اوقات سفر میں امام کے ساتھ ایک ہی کمرے میں رات گذرتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ رات کو کوئی پندرہ بیس دفعہ اٹھتے ہیں ہر دفعہ چراغ جلاتے اور پھر احادیث پر نشان لگاتے ہیں پھر سحر کے وقت تہجد ادا کرتے اور مجھے کبھی نہیں اٹھاتے میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں مجھے جگا لیا کریں؟ انہوں نے فرمایا:

﴿انت شاب فلا أحب إن أفسد عليك نومك﴾

ترجمہ: ''کہ تم جوان آدمی ہو میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا۔''

حسن سلوک اور ایثار

خود تو کئی کئی دن بغیر کھائے پیئے گذار دیا کرتے تھے اور کبھی صرف دو تین بادام

کھالینا بھی ان کے لئے کافی ہوتا تھا لیکن دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کے معاملہ میں پیش پیش رہتے تھے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہیں کہ امام بخاری کو ہر ماہ پانچ سو درہم کی آمدنی ہوتی تھی یہ ساری رقم وہ فقراء ومساکین اور طلباء ومحدثین پر خرچ کردیا کرتے تھے۔

بے نفسی

بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ بن محمد صیارفی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام کی باندی ان کے پاس سے گذری تو دوات کوٹھوکر لگ گئی اور روشناء گرگئی امام نے باندی سے کہا کہ کس طرح چلتی ہو باندی نے جواب دیا کہ جب راستہ ہی نہ ہو (چونکہ ہر طرف کتابیں پھیلی ہوئی تھیں) تو کیا کیا جائے یہ سن کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

﴿أذهبي فقد اعتقتک﴾

کسی نے کہا اے ابوعبداللہ اس نے آپ کی شان میں گستاخی کی اور آپ کو ناراض کردیا لیکن آپ نے اسے آزاد کردیا امام نے فرمایا کہ میں نے اس کام سے اپنے آپ کو راضی کرلیا۔

حدیث پر عمل کا اہتمام

عام طور پر محدثین کی یہاں اس کا بہت اہتمام ہوتا ہے کہ جو حدیث پڑھیں اس پر عمل کریں۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ما کتبت حديثا الا وقد عملت به حتى مرّ بى ان النبى صلى الله عليه وسلم احتجم واعطى ابا طيبة ديناراً فاعطيت الحجام دينار احين احتجمت.

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں بہت مستعد تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں اینٹیں اور پتھر اٹھائے گھاس اور پتے کھائے اور نشانہ بازی کی

مشق کی۔

وراق بخاری کا بیان ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تیراندازی اور نشانہ بازی کی مشق کے لئے بہت زیادہ نکلا کرتے تھے۔ میں نے اپنی زندگی میں صرف دو مرتبہ دیکھا کہ ان کا نشانہ خطا گیا ہے ورنہ ٹھیک ہدف پر وہ تیر پھینکتے تھے۔ ایک مرتبہ فربر سے باہر تیراندازی کے لئے نکلے تیراندازی شروع ہوئی تو امام کا تیر پل کی میخ پر جا لگا اور پل کو نقصان پہنچا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سواری سے اتر گئے اور میخ سے تیر نکالا اور لوٹ آئے، اور مجھ سے فرمایا کہ میرا ایک کام کردو، پل والے کے پاس جا کر کہو کہ ہمیں یا تو نقصان کا ازالہ کرنے کی اجازت دے دے یا قیمت لے لے اور معاف کردے۔ کہتے ہیں کہ پل کے مالک حمید بن الاخضر کو جب یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا کہ ابوعبداللہ کو میری طرف سے سلام کہو اور کہو کہ جو کچھ ہوا وہ معاف ہے اور یہ کہ اپنی تمام دولت اور جائیداد آپ پر قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بطور شکر اس دن پانچ سو حدیثیں سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا شوقِ عبادت

ہمیشہ کا معمول تھا کہ آخر شب میں تیرہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے اور رمضان میں اس پر بہت اضافہ ہوجاتا تھا۔

حافظ ابوعبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند سے بیان فرماتے ہیں کہ جب رمضان شروع ہوتا تو امام ایک مرتبہ قرآن تو عام تراویح کی جماعت میں ہر رکعت میں بیس بیس آیات پڑھ کر ختم کیا کرتے تھے۔ پھر خود تنہا آخری شب میں نصف یا ثلث قرآن شریف پڑھتے اسی طرح ہر تیسرے دن ایک قرآن ختم فرماتے تھے پھر دن بھر بھی تلاوت کرتے رہتے تھے اور روزانہ افطار کے وقت قرآن کریم ختم فرماتے تھے اور

فرمایا کرتے تھے کہ ہر ختم پر دعا قبول ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باغ میں نوافل ادا کررہے تھے نماز کے بعد کسی سے کہا کہ ذرا قمیص اٹھا کر دیکھیں کوئی موذی جانور تو نہیں؟ دیکھا تو ایک زنبور نے سولہ سترہ جگہ ڈنک مارا تھا جسم پر ڈنک زدہ حصہ متورم ہوگیا تھا کسی نے کہا کہ آپ نے نیت کیوں نہیں توڑی؟ فرمایا کہ میں ایک سورت کی تلاوت کررہا تھا اس کو درمیان میں قطع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

قبولیت دعاء

امام نے فرمایا میں نے دو مرتبہ اپنے رب سے دعا مانگی فوراً قبول ہوئی اس کے بعد سے مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے اعمال کی جزا دنیا ہی میں تو نہیں دی جارہی اس لئے میں اس کے بعد سے دنیا کے لئے کچھ مانگنا پسند نہیں کرتا۔

علل حدیث کی معرفت میں انفرادیت

اصطلاح میں علت پوشیدہ سبب جرح کو کہتے ہیں اس علم میں مہارت کے لئے بے پناہ حافظہ سیّال ذہن اور نقد میں کامل مہارت ضروری ہے، رواۃ حدیث کی معرفت ولادت ووفات کے اوقات کا علم، اسماء القاب، کنیتوں اور ان کی ملاقاتی کی تفصیل کا علم لازم ہے، الفاظ حدیث پر پوری نظر ضروری ہے۔

امام ابن مہدی فرماتے ہیں کہ بیس نامعلوم حدیثیں لکھنے سے کہیں زیادہ مجھے یہ مرغوب ہے کہ کسی حدیث کی علت قادحہ معلوم ہوجائے امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے کتاب العلل میں فرمایا ہے کہ جامع ترمذی میں میں نے احادیث کی جس قدر علتیں بیان کی ہیں یا رجال اور تاریخ کے بارے میں جو کچھ کہا اس کا بیشتر حصہ امام بخاری یا ان کی تاریخ سے لیا ہے البتہ چند مقامات پر امام دارمی اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

احمد بن حمدون کا بیان ہے کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو سعید بن مروان کے جنازے میں دیکھا ان کے شیخ محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ ان سے اسامی وکنی اور علل حدیث کے بارے میں سوال کررہے تھے جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس طرح جواب دے رہے تھے جیسے قل ھواللہ احد پڑھ رہے ہوں۔

ابوحامد اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں امام مسلم آئے اور ایک حدیث عبيد الله بن عمر عن ابی الزبير عن جابر قال بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فی سرية ومعنا ابو عبيدة سنا کر درخواست کی اگر آپ کے پاس یہ حدیث ہو تو اس کو متصل فرما دیجئے مطلب یہ تھا کہ عبید اللہ تابعی ہیں اس لئے یہ حدیث امام کے پاس ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو مستقل السند ہے یا نہیں اگر سند ہے تو معلل ہے یا صحیح؟ اگر معلل ہے تو علت معلوم ہے یا نہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت حدیث کی سند متصل بیان کی (حدثنا ابن ابی اويس حدثنی اخی عن سليمان بن بلال عن عبيد الله)

اسی مجلس کا دوسرا واقعہ ہے کہ کسی شخص نے سند پڑھی اور حدیث سنائی "حجاج بن محمد عن ابن جريح، عن موسیٰ بن عقبة عن سهيل بن ابی صالح، عن ابيه، عن ابی هريرة عن النبی صلى الله عليه وسلم قال كفارة المجلس اذا قام العبد ان يقول: سبحانک اللهم وبحمدک اشهد ان لااله الا انت استغفرک واتوب اليک.

اس حدیث کو سن کر امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث کی اس سے اونچی سند پورے عالم میں نہیں اور دو طریق اس کے ذکر کئے، ایک محمد بن سلام حدثنا مخلد بن یزید اخبرنا ابن جریح حدثنی موسیٰ بن عقبۃ عن سہل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ۔

دوسرا طریق یہ ہے:

احمد بن حنبل ویحیٰ بن معین قالا حدثنا حجاج بن محمد ......"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الا انہ معلول۔"

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر کانپ اٹھے اور اس کی علت دریافت کی امام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس پر پردہ ڈال رکھا ہے اس کو اسی طرح رہنے دو، لیکن امام مسلم نے اصرار کیا تو اس کے معلول ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی:

لایذکر لموسیٰ بن عقبة سماع من سهيل یعنی موسیٰ بن عقبه کا سهیل بن ابی صالح سے سماع ثابت نہیں ہے۔ پھر غیر معلول سند انہوں نے ذکر کی۔ حدثنا موسیٰ بن اسماعيل حدثنا وهيب حدثنا سهيل عن عون بن عبد الله۔

اسماء وکنیٰ کی معرفت کے سلسلے میں واقعہ مشہور ہے کہ امام فریابی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری کی موجودگی میں ایک حدیث بیان کی۔

﴿حدثنا سفيان عن ابی عروة عن ابی الخطاب عن ابی حمزة﴾

حاضرین سفیان کے بعد مشائخ میں سے کسی کو نہ پہچان سکے تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابو عروہ معمر بن راشد ہیں ابو الخطاب قتادہ بن دعامہ سدوسی ہیں اور ابو حمزہ سے مراد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں نیز فرمایا کہ سفیان کی یہ عادت ہے کہ وہ مشہور شیوخ کی کنیت ذکر کرتے ہیں۔

علم حدیث میں نقد وجرح کی حیثیت

رواۃِ حدیث کے باب میں ان کی صداقت وثقاہت اور حفظ وضبط کی ضرورت محتاج بیان نہیں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿یآیّھا الذین آمنوا ان جائکم فاسق بنبا فتبیّنوا﴾ (سورۃ الحجرات)

مگر جرح ونقد میں ایک گونہ غیبت بھی ہوتی ہے لیکن دینی ضرورت کی پیش نظر جرح صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ حفاظت حدیث کی خاطر اس کا اہتمام کیا گیا ہے ورنہ اہل باطل ہی نہیں بعض نیک لوگوں نے بھی اجر وثواب کے خیال سے وضع حدیث کا ارتکاب کیا ہے اور فضائل کے لئے وہ ایسے امر شنیع وقبیح کے مرتکب ہوئے ہیں جیسے ابوعصمہ نوح بن ابی مریم سے جب پوچھا گیا کہ تم جو قرآن کریم کی ہر سورت کے بارے میں حضرت ابن عباس سے فضائل نقل کرتے ہو یہ کہاں سے لئے ہیں؟ تو کہا کہ انی رأیت الناس قد اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقه ابی حنیفة ومغازی ابن اسحاق فوضعت هذا الحدیث حِسبةً.

اسی طرح عبدالکریم بن ابی العوجاء نے خود اقرار کیا ہے کہ اس نے چار ہزار ایسی حدیثیں وضع کی ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا ہے۔

اگر چھان بین اور نقد وجرح سے کام نہ لیا جاتا تو احادیث صحیحہ کی حفاظت ناممکن ہو جاتی۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور ہی میں اس نقد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا خوارج اور رفضہ کے ظہور کے بعد تفتیش کے بغیر روایت قبول نہیں کی جاتی تھی جب رجالِ سند میں اضافہ ہوتا گیا تو جرح وانتقاد کا سلسلہ بھی وسیع ہوتا گیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ

جرح وتعدیل کے باب میں محدثین نے ان کے مراتب مقرر کئے اور پھر ہر ایک کے لئے مخصوص اصطلاحیں مقرر ہوئیں چنانچہ جرح کے مراتب میں فلان کذاب وغیرہ الفاظ شائع وذرائع ہیں۔

لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عام محدثین کی طرح وضاع اور کذاب کا لفظ بہت کم استعمال کرتے ہیں۔

(۱) وہ (منکر) الحدیث فیہ نظر اور سکتوا عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(۲) چنانچہ وہ فرماتے ہیں: اذا قلت فلان فی حدیثه نظر فهو متهم واه۔

(۳) نیز فرماتے ہیں کل من قلت فیه منکر الحدیث فلا تحل الروایة عنه گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جرح کے باب میں بھی احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے وراق نے آپ سے کہا کہ لوگ آپ کی تاریخ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں غیبت کی گئی ہے تو آپ نے فرمایا ہم نے تاریخ میں متقدمین کے اقوال نقل کئے ہیں اپنی طرف سے تو ہم نے کچھ بھی نہیں کہا۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اخذِ حدیث میں بھی بہت احتیاط سے کام لیا۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا جس میں تدلیس کا گمان تھا تو امام نے فرمایا کہ تم میرے بارے میں تدلیس کا شبہ کررہے ہو میں نے تو ایک محدث کی دس ہزار احادیث اسی اندیشے کی وجہ سے ترک کردیں اور شبہ ہی کی بنیاد پر ایک اور محدث کی اتنی ہی یا اس سے زائد حدیثیں چھوڑ دیں۔

(از کشف الباری مقدمۃ الکتاب)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جلاوطنی

صاحب جواہر مضیۂ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بغداد سے واپس آئے تو فتویٰ دینا شروع کیا۔ بخارا کے مشہور امام اور عالم ابوحفص کبیر جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ان کو منع کیا کہ فتویٰ مت دیا کرو، لیکن وہ نہ مانے، چنانچہ ان سے کسی نے رضاعت کا مسئلہ پوچھا کہ آیا اگر دو بچے ایک بکری یا گائے کا دودھ پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہوجائے گی یا نہیں؟ انہوں نے حرمت کا فتویٰ دیدیا، چنانچہ اس کے نتیجے میں ہنگامہ کھڑا ہوگیا اور امام بخاری کو اپنے وطن کو خیر باد کہنا

پڑا۔ یہ واقعہ اگرچہ بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی صداقت مشکوک ہے، یقیناً اس کی روایت میں وہم کا دخل ہے ایک معمولی دین کی سمجھ رکھنے والا انسان بھی ایسی حماقت نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اتنا بڑا امام، فقیہ، محدث، ومفسر جس نے سولہ سال کی عمر میں وکیع بن جراح اور ابن المبارک کی کتابیں حفظ کرلی ہوں۔ وہ ایسا غلط فتویٰ کیسے دے سکتا ہے؟ اس لئے یہ معلول ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی دوسری دفعہ اخراج

دوسری مرتبہ اس وقت نکالے گئے جب انہوں نے فتویٰ دیا تھا کہ ایمان مخلوق ہے، ابوبکر بن حامد، ابوحفص الزاہد اور شیخ ابوبکر الاسماعیلی حنفیہ کے اکابر میں سے تھے انہوں نے ایک محضر پر دستخط کئے کہ ایمان مخلوق نہیں۔

اور جو اس کے مخلوق ہونے کا قائل ہو وہ کافر ہے چونکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس کے مخلوق ہونے کے قائل تھے۔ اس لیئے ان کو بخارا سے نکالا گیا، صاحب ''فصول عمادیہ'' نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

لیکن یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ احناف کے یہ اکابر غیر مخلوق ہونے کے قائل ہیں۔ لیکن دوسری جماعت مخلوق ہونے کی قائل ہے امام بخاری اور محمد بن نصر مروزی رحمہما اللہ وغیرہ اسی طرف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں پر نکیر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں جو ایمان کو مخلوق کہتا ہے وہ کافر ہے اس لئے کہ اس میں کلام اللہ کی طرف تعریض ہے اور جو ایمان کو غیر مخلوق کہتا ہے وہ مبتدع ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تفصیل ہے اگر کوئی ایمان بول کر کلمہ شہادت مراد لیتا ہے اور اس کو مخلوق کہتا ہے تو غلط ہے۔ کیونکہ لاالہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ قرآن کا دستور ہے۔ اور اگر کوئی آدمی ایمان سے اقرار لسانی تصدیق بالقلب اور عمل بالارکان مراد لیتا ہے تو یہ بالکل صحیح ہے اس لئے کہ انسان اپنی ذات وصفات کے ساتھ مخلوق

ہے۔مسئلہ کی تنقیح نہیں کی گئی، اجمال سے کام لیا گیا اس لئے اختلاف وتشدد کی نوبت آئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تیسری مرتبہ جلاوطنی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جب ۲۵۰ھ میں نیشاپور تشریف لے گئے تو امام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کل محمد بن اسمٰعیل کے استقبال کے لیئے چلنا ہے جو چلنا چاہے چلے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایسا استقبال ہوا کہ کسی والی یا حاکم وعالم کا ایسا کبھی استقبال نہیں ہوا تھا۔ دو تین منزل آگے بڑھ کر لوگوں نے امام سے ملاقات کی، آپ نیشاپور تشریف لائے اور اہل بخاری کے محلّہ میں قیام ہوا، امام ذہلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں کو ان کے پاس جانے اور احادیث کے سماع کی ہدایت کی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ علم کلام کا کوئی مسئلہ دریافت نہ کرنا کیونکہ اگر انہوں نے ہمارے خلاف کوئی بات کہہ دی تو نیشاپور اور خراسان کے ناصبی، رافضی، جہمی، مرجۂ سب خوش ہوں گے اور انتشار بڑھے گا۔

لیکن قاعدہ ہے کہ "الانسان حریص فیما منع" چنانچہ ایک شخص نے برسر مجلس سوال کر لیا کہ آپ قرآن کریم کے الفاظ کے بارے میں کیا کہتے ہیں، امام صاحب جواب سے برابر اعراض کرتے رہے پھر اس کی اصرار پر فرمایا:

﴿القرآن کلام الله غیر مخلوق وافعل العباد مخلوقة والامتحان بدعة﴾

بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ اوّل تو محمد بن یحییٰ ذہلی نے لوگوں کو بخاری سے سماع کی ترغیب دی تھی مگر جب ان کی طرف رجوع بڑھا تو ذہلی رحمہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناگوار ہوا اور انہوں نے بخاری پر تنقید کی تدابیر اختیار کیں۔

بہر حال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب پر شور مچ گیا، لوگوں میں اختلاف ہوگیا کہ انہوں نے لفظی بالقرآن مخلوق کہا ہے جبکہ کچھ لوگ انکار کرنے لگے۔ میزبانوں نے مفسدین کو نکال باہر کیا۔

یہ بات شدہ شدہ امام ذہلی تک پہنچی، انہوں نے اعلان کیا:

"القرآن كلام الله غير مخلوق من جميع جهاته، وحيث تصرف فمن لزم هذا استغنىٰ عن اللفظ وعما سواه من الكلام فى القرآن ومن زعم ان القرآن مخلوق فقد كفر وخرج عن الايمان وبانت منه امرأته يستتاب فان تاب والاّ ضربت عنقه وجعل ماله فيئا.

بين المسلمين ولم يدفن فى مقابر هم ومن وقف فقال: لااقول مخلوق ولا غير مخلوق فقد ضاهى الكفر ومن زعم ان لفظى بالقرآن مخلوق فهذا مبتدع لا يجالس ولا يكلم ومن ذهب بعد هذا الى محمد بن اسماعيل البخارى فاتهموه فانه لايحضر مجلسه الا من كان على مثل مذهبه"

نیز یہ بھی اعلان فرمایا کہ الا من قال باللفظ فلايحل له ان يحضر مجلسنا اس اعلان کے بعد امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت اپنی چادر اپنے سر پر ڈالی اور اٹھ کر چل دیے، ان کے پیچھے پیچھے امام احمد بن سلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی مجلس سے اٹھ گئے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جتنی حدیثیں لی تھیں ساری واپس کر دیں۔

ادھر احمد بن سلمہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت! خراسان میں ایک شخص بہت مقبول ہے اور اس مسئلہ میں وہ اڑ گیا ہے اب کیا کیا جائے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا وافوض امرى الى الله ان الله بصير بالعباد، اللهم انک تعلم انى لم ارد المقام بنسيابور

اشرا ولا بطرا ولا طلبا.

للرئاسة وانما ابت علی نفسی فی الرجوع الی وطنی لغلبة المخالفین وقد قصدنی هذا لرجل حسداً لما آتانی الله لاغیر" پھر فرمایا کہ اے احمد میں کل ہی یہاں سے نکل جاؤنگا تا کہ میری وجہ سے آپ لوگ ان کی باتوں سے خلاصی پالیں۔

ادھر یہ ہوا کہ جب امام مسلم اور امام احمد بن سلمہ امام ذہلی کی مجلس سے اٹھ گئے تو ذہلی نے کہہ دیا (لایساکننی هذا لرجل فی البلد)

امام بخاری وہاں سے روانہ ہوکر بخارا تشریف لے گئے۔

اب یہ یہاں دو باتوں کی تحقیق ضروری ہے۔

اوّل یہ ہے کہ بخاری نے لفظی بالقرآن مخلوق کہا بھی ہے یا نہیں امام سے لفظی بالقرآن کہنا کہیں منقول نہیں ہے۔ تاریخ بغداد وغیرہ میں مذکور ہے کہ امام نے اس قول کی نسبت اپنی طرف غلط قرار دی ہے چنانچہ غنجار نے تاریخ بخارا میں اپنی سند سے ابوعمر واحمد بن نصر خفاف سے نقل کیا ہے کہ ہم ابواسحاق قیسی کی مجلس میں تھے۔ ہمارے ساتھ محمد بن نصر مروزی بھی موجود تھے کہ امام بخاری کا ذکر چل نکلا تو محمد بن نصر نے کہا کہ میں نے امام بخاری کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

”من زعم انی قلت بلفظی بالقرآن مخلوق فهو کذاب فانی لم اقله“

خفاف نے کہا کہ لوگوں میں تو اس بات کی بڑی شہرت ہے محمد بن نصر نے جواب دیا کہ بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔

ابوعمر وخفاف کہتے ہیں کہ میں امام بخاری کے پاس پہنچا ان سے پہلے کچھ حدیثوں کے بارے میں بحث کی یہاں تک کہ وہ کھل گئے۔ پھر میں نے ان سے عرض کیا کہ یہاں کچھ لوگ آپ سے ایسی ایسی بات نقل کرتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یا ابا عمرو احفظ مااقول لک: من زعم من اهل نیسا بوری وقومس والدی وهمدان وحلوان، وبغداد، والکوفة والبصرة، ومکة المدینة، انی قلت لفظی بالقرآن مخلوق فهو کذاب فانی لم اقله الا انی قلت: افعال العباد مخلوقة﴾

دوسری بات یہ ہے کہ مسئلہ اوراس کی تحقیق سو اہل حق کا سلفاً وخلفاً اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے۔

مسئلہ کی تحقیق سے پہلے ایک بات سمجھ لیجئے کہ حسین بن علی کرابیسی عبداللہ بن کلاب، ابوثور، داؤد بن علی ظاہری وغیرہ لفظی بالقرآن مخلوق کے قائل ہیں۔

حسین بن علی کرابیسی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے گہرے دوستوں میں سے تھے لیکن اس قول کے سامنے آنے کے بعدان کی دوستی دشمنی میں تبدیل ہوگئی۔

چنانچہ اسی مسئلہ کو بنیاد بنا کرایک نے دوسرے کے خلاف کلام کیا ہے۔ چنانچہ کرابیسی رحمۃ اللہ علیہ کو جب امام احمد کی نکیر کا علم ہوا تو کہا:

﴿ماندری ایش نعمل بهذا الفتی؟ ان قلنا: مخلوق قال: بدعة وان قلنا: غیر مخلوق قال بدعة﴾

اسی طرح داؤد ظاہری پر امام اسحاق بن راہویہ نے نکیر کی پھر جب یہ امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو روک دیا گیا اور فرمایا کہ مجھے محمد بن یحییٰ ذہلی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لفظی بالقرآن مخلوق کے قائل ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تو انکار کرتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ:

''محمد بن یحیٰ اصدق منه''

اب مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اس پر تو اجماع ہے کہ قرآن اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے۔ البتہ قائل کے الفاظ اور تلاوت کے بارے میں اختلاف ہے تلاوت ومتلو ایک ہیں یا دونوں میں فرق ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے وہ کہتے ہیں متول اللہ کا کالم

ہے اور تلاوت قاری کا فعل ہے۔

بعض نے اس مسئلہ میں سکوت کیا ہے:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ دونوں کو ایک مانتے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام احمد یہ صرف اس واسطے کہتے تھے تاکہ کوئی یہ تفریق کرکے کہ تلاوت قاری کا فعل ہے اور متلو اللہ کا کلام ہے، چونکہ متلو کا وجود قاری کی تلاوت پر مبنی ہے اس لئے قرآن کے مخلوق ہونے کا قول اختیار نہ کرے ورنہ امام احمد جیسے لفظی بالقرآن مخلوق پر نکیر کرتے تھے اسی طرح لفظی بالقرآن غیر مخلوق پر بھی نکیر کرتے تھے۔

اب جبکہ امام احمد اور امام بخاری رحمہما اللہ کا مسلک ایک ہوا کیونکہ اگر امام احمد کے نزدیک لفظ وملفوظ اور تلاوت ومتلو میں فرق نہ ہوتا تو لفظی بالقرآن غیر مخلوق پر وہ نکیر نہ کرتے پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا زبردست اختلاف کیوں کیا؟ اور اس اختلاف کی تشہیر کیوں ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ قدریہ جہمیہ اور معتزلہ سے تھا جو قرآن کے مخلوق ہونے کے قائل تھے اور مختلف تعبیروں سے اس کو پیش کرتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لفظی بالقرآن مخلوق کہنے پر اس لئے نکیر کی جہمیہ اس سے اپنی مسلک پر چار کرتے تھے اور کہتے تھے لفظی بالقرآن مخلوق اور القرآن بالفظی مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حالانکہ پہلے جملہ میں مخلوق کا حمل لفظی پر ہے اور دوسرے جملے میں مخلوق کا حمل قرآن پر ہے جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ ان حنابلہ سے ہوا جو امام احمد کے علوم سے پوری طرح واقف نہیں تھے اور خلق قرآن کے مسئلہ میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے کہ جس روشنائی سے قرآن لکھا جاتا ہے اور جس کاغذ پر وہ لکھا جاتا ہے قرآن کریم لکھے جانے کے بعد وہ روشنائی اور کاغذ کو بھی قدیم کہتے تھے اور وہ آواز

جو قاری کی زبان وحلق سے نکلتی ہے اس کو بھی قدیم کہتے تھے۔ حالانکہ امام احمد اور ان کے اصحاب اولوالعلم والفضل میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں تھا اور ظاہر ہے کہ لفظ اور صوت ایک کیسے ہوسکتے ہیں لفظ اور چیز ہے صوت اور چیز ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے کہ وہ قران نہیں ہے، انسان کا فعل ہے اور مخلوق ہے۔

حدیث میں ہے زینوا لقرآن باصواتکم اور کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی سے روایت نقل کرتا ہے تو ھذا لفظہ کہتا ہے یا ھذا معناہ لیکن ھذا صوتہ کوئی نہیں کہتا لفظ وصوت کا فرق اسی سے ظاہر ہے لفظ کی نسبت متکلم اول کی طرف کی جاتی ہے، صوت کی نسبت متکلم اول کی طرف کوئی نہیں کرتا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ کے بارے میں وہ انداز اختیار نہیں کیا جو صوت کے بارے میں انہوں نے اختیار کیا ہے اس کی وجہ وہی ہے کہ تا کہ کوئی لفظ مخلوق کہہ کر یا اس جیسا دوسرا لفظ بول کر خلق قرآن کا پرچار شروع نہ کردے۔ بہر حال یہ ضمنی طور پر مسئلہ کی تحقیق تھی۔

اپنے وطن بخارا میں آزمائش امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ پر

پھر جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نیشاپور سے بخارا آئے تو اہل بخارا نے ان کی آمد پر زبردست استقبال کیا، امام بخاری نے وہاں درس شرع کیا، لوگ جوق در جوق حدیثیں سننے کے لئے آنے لگے۔

ادھر خالد بن احمد ذھلی حاکم بخارا نے امام سے درخواست کی کہ آپ دربار شاہی میں تشریف لاکر مجھے بخاری شریف اور تاریخ کا درس دیں امام صاحب نے کہلا بھیجا انہ لا اذلّ العلم ولا احملہ الی ابواب الناس.

اور فرمایا اگر تمہیں ضرورت ہو تو میری مسجد یا گھر میں حاضر ہوکر درس میں شرکت کرو اگر تمہیں یہ بات پسند نہ ہو تو تم حاکم ہو مجھے درس سے روک دو تا کہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے میں اپنا عذر پیش کرسکوں کیونکہ میں علم کو چھپا نہیں سکتا، حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من سئل عن علم فکتمہ الجم بلجام من نار.

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حاکم بخارا نے امام صاحب سے کہا کہ میرے پاس آکر میرے بیٹوں کو جامع صحیح اور تاریخ درس دو، امام صاحب نے انکار فرمایا: اس نے دوبارہ پیغام بھیجا کہ میرے بیٹوں کو خصوصی طور پر درس دو کہ کوئی اور اس میں شریک نہ ہو امام صاحب نے اس سے بھی انکار فرمایا دیا اس پر اس نے چند لوگوں کی مدد لی، امام صاحب کے مذہب پر تنقیدیں ہونے لگیں۔ آپ کو مبتدع قرار دیا پھر حاکم نے شہر بدر ہوجانے کا حکم دیا آپ جب بخارا چھوڑنے لگے تو بددعا دی:

"اللھم ارھم ماقصدونی بہ فی انفسبھم واولادھم واھالیھم"

چنانچہ ایک مہینہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ خلیفۃ المسلمین کسی وجہ سے اس امیر پر ناراض اور اس کو معزول کردیا پھر حکم دیا کہ گدھے پر سوار کراکر پورے شہر میں اس کی تذلیل کی جائے آخر میں اسے قید کردیا گیا اسی طرح دوسرے نام نہاد علماء جنہوں نے امام صاحب کو تنگ کیا تھا وہ بھی اپنے انجام کو پہنچے اور خوب ذلیل ہوئے۔

سچ ہے من عادیٰ لی ولیًا فقد آذنتہ بالحرب.

بہر کیف امام صاحب وہاں سے نکل کر بیکند پہنچے وہاں بھی آپ کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہوگیا ایک فریق آپ کے موافق تھا اور دوسرا فریق آپ کے مخالف، اس لئے وہاں بھی قیام مناسب نہیں سمجھا، اسی دوران اہل سمرقند نے آپ کو دعوت دی؟ آپ نے ان کی دعوت قبول فرمالی، بیکند سے روانہ ہوئے راستہ میں "خرتنگ" میں رک گئے جہاں آپ کے کچھ رشتہ دار تھے۔

غالب بن جبریل جو آپ کے میزبان تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو رات کے وقت تہجد کے بعد دعا کرتے ہوئے سنا:

"اللھم انہ قد ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک"

اس کے بعد مہینہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ رمضان کے آخر

میں اہل سمرقند کی متفقہ دعوت پر آپ سمرقند کے لئے روانہ ہونے لگے، امام نے سواری طلب کی، دو آدمیوں کے سہارے چند قدم چلے تھے کہ مجھے بٹھاؤ، ضعف بہت بڑھتا جارہا تھا، آپ نے کچھ دعا کی اور وہیں خرتنگ میں شبِ عید الفطر ۲۵۶ھ میں وصال فرمایا، عید کے دن ظہر کے بعد وہیں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بشارت

عبدالواحد بن آدم طوالیسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ کھڑے ہیں میں نے سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا، میں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہم محمد بن اسمٰعیل بخاری کا انتظار کررہے ہیں چند دنوں کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی اطلاع پہنچی تو یہ بعینہٖ وہی وقت تھا جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت

جب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا گیا تو قبر سے مشک کی خوشبو آنے لگی لوگ آتے تعجب کرتے اور قبر کی مٹی اٹھا کر لیجاتے تھے۔ چوکیداری سے بھی کام نہیں چلا تو لکڑی کی جالی لگادی گئی۔ بہت سے مخالفین اس کرامت کو دیکھ کر تائب ہو گئے۔

یہ خوشبو کیسی تھی؟ ظاہر ہے یہ اتباع سنت اور احیائے سنت کی خوشبو تھی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وجزاہ خیر الجزاء

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ سال کی عمر میں قضایا الصحابۃ والتابعین لکھی۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں چاندنی راتوں میں تاریخ کبیر لکھی۔ امام اسحٰق بن راہویہ

رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب امیر عبداللہ بن طاہر کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش کی کہ میں آپ کو جادو نہ دکھاؤں؟ امیر نے دیکھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ان کی تصنیف ہوگی۔

تذکرہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امت مسلمہ کے ان عظیم محسنوں میں سے ہیں جن کی محنت وبردمندی کے پھل سے آج تک امت فائدہ اٹھا رہی ہے سادات یمن کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہونے والے امام بچپن ہی میں شفقت پدری سے محروم ہوگئے تھے۔ یمن سے والدہ مکہ مکرمہ لے آئیں یہاں تعلیم کا آغاز کیا یتیم اور معاشی حالت کے اعتبار سے کمزور گھرانے کا بچہ تعلیمی اخراجات کہاں سے لاتا وہ خود فرماتے ہیں:

''میں اپنی والدہ کی پرورش میں یتیمی کی زندگی گزار رہا تھا والدہ کے پاس میرے معلم کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا میں نے معلم کو اس بات پر راضی کرلیا تھا کہ ان کی عدم موجودگی میں میں بچوں کی نگرانی کروں گا۔''

لکھنے کے لئے ان کو کاغذ میسر نہیں تھا، ایک تھیلا پاس رکھا تھا صاف قسم کی ہڈی تلاش کرتے اور اس پر لکھتے جب وہ پُر ہوجاتی تو اس کو تھیلے میں محفوظ کرلیتے۔ رات کو روشنی کے لئے چراغ کا انتظام ان کی طاقت سے باہر تھا سرکاری دیوان پر چلے جاتے اور وہاں کی روشنی میں لکھتے۔

عربی ادب سیکھنے کے لئے وہ بیس سال تک عرب کی بستیوں میں چکر کاٹتے رہے۔ تا آنکہ وہ اشعار ولغت کے علاوہ انساب عرب میں بھی امامت کا درجہ پاگئے۔

انساب رجال کا علم تو اکثر کو ہوتا ہے ایک بار ان کے پاس کچھ لوگ انساب نساء عورتوں کے نسب نامے پوچھنے بیٹھ گئے۔ امام سارے رات جو تفصیل میں لگے تو صبح تک بیان کرتے رہے۔

اللہ جل شانہ نے ان کو علم کی غیر معمولی محبت نصیب فرمائی تھی۔ ان سے پوچھا

گیا علم کے ساتھ آپ کی محبت کیسی ہے فرمانے لگے جب کوئی نئی بات کان میں پڑتی ہے تو میرے جسم کا ہر ہر عضو اس کے سننے سے محفوظ ہوا چاہتا ہے پھر دریافت کیا گیا علم کے لئے آپ کی حرص کتنی ہے؟ فرمانے لگے سخت بخیل آدمی کو جتنی مال کی حرص ہوتی ہے پوچھا گیا علم کی طلب میں آپ کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ فرمایا گمشدہ اکلوتے بیٹے کی ماں کی اپنے بیٹے کی تلاش میں جو کیفیت ہوتی ہے۔

فرماتے تھے جو قرآن سیکھے گا اس کی قیمت بڑھے گی جو فقہ میں کلام کرے گا اس کی قدر میں اضافہ ہوگا۔ جو حدیث لکھے گا اس کی دلیل مضبوط ہوگی جو آدب لغت کو مشغلہ بنائیگا اس کی طبیعت میں رقت پیدا ہوگی جو حساب میں مصروف ہوگا اس کی رائے میں پختگی آئے گی۔ اور جو اپنے نفس کی حفاظت نہیں کرے گا اس کا علم اس کو فائدہ نہیں دے گا۔

کھانا کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھاتے، ایک بار سیر ہو کر کھایا تو قے کردی فرماتے تھے پیٹ بھر کر کھانے سے بدن بوجھل ہو جاتا ہے دل ثقیل رہتا ہے نشاط وذکاوت ختم ہو جاتی ہے اور نیند آنے لگتی ہے۔

رات نظام الاوقات کی پابند تھی تین حصے کردیئے تھے اوّل حصہ میں لکھتے دوسرے حصے میں نماز تیسرے میں آرام کرنے کا معمول تھا۔

رمضان المبارک میں ساٹھ بار قرآن شریف ختم کرنے کا معمول تھا لایعنی اور بے فائدہ کاموں وقت ضیاع سے بچنے کی بڑی تاکید کرتے فرماتے غیر مفید کاموں سے بچنے میں دل پر نور چھایا رہتا ہے خلوت اور لوگوں سے الگ رہنے کی ترغیب دیتے کہ وقت ضائع نہ ہو کم کھانے کی تاکید کرتے کہ زیادہ کھانے سے نیند کا غلبہ ہونے لگتا ہے سفہاء اور احمقوں کی صحبت سے بڑی سختی سے منع کرتے تھے۔

فرماتے تھے عالم کو ہر قسم کے مسائل پوچھنے چاہئیں کہ پوچھنے سے جو مسائل معلوم ہیں ان میں پختگی اور جو نہیں معلوم ان کا علم حاصل ہوگا۔ تواضع اور شہرت کی

ناپسندگی کا یہ عالم تھا کہ فرماتے:

میری خواہش ہے کہ لوگ میری کتابوں سے نفع اٹھائیں لیکن انہیں میری طرف منسوب نہ کریں۔ آخری بار جب بیمار ہوئے مزنی کہتے ہیں میں خدمت میں حاضر ہوکر پوچھا طبیعت کیسی ہے؟ فرمانے لگے میں اپنے بھائیوں کو الوداع کہنے والا ہوں اور دنیا سے سفر کے لئے پابرکاب ہوکر اپنی بداعمالیوں سے ملنے والا ہوں معلوم نہیں میری روح کا ٹھکانہ جنت ہوگا کہ اس کو تہنیت پیش کروں یا جہنم ہوگا کہ اس کی تعزیت کروں پھر رونے لگے اور یہ اشعار پڑھے ذرا آپ بھی پڑھیئے کہ کس دل سے نکلے ہیں اور دریائے رحمت میں کیسا تلاطم برپا کیا ہوگا۔

ولما قسا قلبی وضاقت مذاهبی
جعلت رجائی دون عفوک سلما
تعاظمنی ذنبی فلما قرنته
بعفوک ربی کان عفوک اعظما
فان تنتقم منی فلست بآئیس
ولو دخلت نفسی بجرمی جهنّما
وانی لآتی الذنب اعرف قدره
واعلمه ان اللّٰه یعفو ترحما

—: ترجمہ :—

(۱) جب میرا دل سخت اور میری راہیں تنگ ہوگئیں تو میں نے امید کو آپ کے عفو درگزر کا زینہ بنایا۔

(۲) مجھے میرے گناہ بڑے معلوم ہوئے لیکن میرے رب! جب آپ کے عفو ودرگزر سے میں نے ان کا تقابل کرایا تو آپ کا عفو ان کے مقابلہ میں بڑا معلوم ہوا۔

(۳) اگر آپ مجھے میرے گناہوں کا بدلہ دیں تو بھی آپ کی رحمت سے مایوس نہیں ہو

اگرچہ میں اپنے گناہوں کے سبب جہنم کا سزاوار ہوں۔
(۴) میں اپنے گناہوں کی مقدار سے بخوبی واقف ہوں لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ مغفرت اور رحم والے ہیں۔ (حوالہ متاع وقت وکاروان علم)

ایک واقعہ ایک سبق

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بے نظیر ذہانت خداداد کی بدولت چودہ سال ہی کی عمر میں تمام علوم دینیہ سے فارغ التحصیل ہوکر درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا تھا۔ چنانچہ آپ کے درس میں علاوہ مقامی طالبان علم کے دور دور سے معمر علمائے کرام بھی آپ کی قابلیت علمی سے فائدہ اٹھانے کے لئے شامل درس ہوتے تھے۔

ایک روز اثنائے درس میں دو چڑیاں لڑتی لڑتی آپ کے سامنے گریں آپ نے جھٹ اپنا عمامہ اتار کران پر پھینک دیا آپ کی اس طفلانہ حرکت سے متاثر ہوکر بعض معمر اور ثقہ بزرگ اور علمائے کرام کچھ چیں بہ چیں ہوگئے۔ آپ نے ان کے چہرے پر آثار ملال دیکھتے ہوئے یہ کہہ کر سب کو سکت کردیا۔ "الصبی صبی ولو کان ابن نبی" یعنی لڑکا لڑکا ہی ہے خواہ نبی ہی کا لڑکا کیوں نہ ہو۔

لہٰذا والدین کا فرض ہے کہ بچوں کو علاوہ تعلیم کے بااوقات مناسب کھیلنے کودنے سے بالکل منع نہیں کریں کیونکہ بچپن میں وہ فطرتاً کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں نہ صرف انسان بلکہ حیوانات کے بچے بھی اس خاصہ فطرت سے مبرا نہیں۔ (مخزن اخلاق)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا سفر نامہ

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ سفر نامہ ان کے مشہور شاگرد ربیع بن سلیمان نے روایت کیا ہے اور یہاں ابن حجر کی کتاب ثمرات الاوراق طبع مصر سے ترجمہ کیا گیا ہے۔

امام شافعی نے فرمایا مکہ سے جب میں روانہ ہوا تو میری عمر چودہ برس کی تھی منہ پر ابھی سبزہ نمودار نہیں ہوا تھا دو یمنی چادریں میرے جسم پر تھیں ذی طویٰ پہنچا تو ایک پڑاؤ دکھائی دیا میں نے صاحب سلامت کی ایک بڑے میاں میری طرف بڑھے اور لجاجت سے کہنے لگے تمہیں خدا کا واسطہ ہمارے کھانے میں ضرور شریک ہو مجھے معلوم نہ تھا کہ کھانا نکل چکا ہے بڑی بے تکلفی سے میں نے دعوت قبول کر لی۔ وہ لوگ پانچوں انگلیوں سے کھاتے تھے۔ میں نے بھی ان کی ریس کی تا کہ میرے کھانے سے انہیں گھن نہ آئے۔ کھانے کے بعد پانی پیا اور شکر خداوندی کے ساتھ اپنے بوڑھے میزبان کا بھی شکریہ ادا کیا۔

اب بڑے میاں نے سوال کیا کیا تم مکی ہو؟ میں نے جواب دیا جی ہاں مکی ہوں کہنے لگا قریشی ہو؟ میں نے کہا ہاں قریشی ہوں پھر خود میں نے پوچھا چچا یہ آپ نے کیسے جانا کہ میں مکی قریشی ہوں بوڑھے نے جواب دیا شہری ہونا تو تمہارے لباس ہی سے ظاہر ہے اور قریشی ہونا تمہارے کھانے سے معلوم ہو گیا۔ جو شخص دوسروں کا کھانا بے تکلفی سے کھا لیتا ہے یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کا کھانا بھی دل کھول کے کھائیں اور یہ خصلت صرف قریشی کی ہے۔

میں نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں بوڑھے نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر یثرب، میرا وطن ہے۔ میں نے پوچھا مدینے میں کتاب اللہ کا عالم اور سنت رسول اللہ سے فتویٰ دینے والا مفتی کون ہے بوڑھے نے جواب دیا بنی اصبح کا سردار مالک بن انس۔ (امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ)

میں نے کہا آہ خدا ہی جانتا ہے امام مالک سے ملنے کا مجھے کتنا شوق ہے بوڑھے نے جواب دیا خوش ہو جاؤ۔ خدا نے تمہارا شوق پورا کر دیا اس بھورے اونٹ کو دیکھو یہ ہمارا سب سے اچھا اونٹ ہے اسی پر تم سوار ہو جاؤ ہم اب جا ہی رہے ہیں راستے بھر تمہاری ہر طرح خاطر کریں گے کوئی تکلیف ہونے نہ دیں گے اور مدینے میں مالک

بن انس کے پاس تمہیں پہنچادیں گے۔

جلد اونٹ قطار میں کھڑے کردیے گئے مجھے اسی بھورے اونٹ پر بٹھایا گیا اور قافلہ چل پڑا میں نے تلاوت شروع کردی مکہ سے مدینے تک سولہ ختم ہوگئے ایک ختم دن میں کرلیتا تھا دوسرا رات میں۔

امام مالک سے ملاقات

آٹھویں دن نماز عصر کے بعد مدینے میں ہمارا داخلہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھی پھر قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا یہیں امام مالک دکھائی دیے۔ ایک چادر کی تہ بند باندھے تھے دوسری چادر اوڑھے تھے اور بلند آواز سے حدیث روایت کررہے تھے۔ مجھ سے نافع نے ابن عمر کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے یہ کہہ کر انہوں نے زورے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔

یہ نظارہ دیکھ کر امام مالک بن انس کی ہیبت مجھ پر چھا گئی اور جہاں جگہ ملی میں وہیں بیٹھ گیا۔

امام مالک حدیث روایت کرنے لگے۔ میں نے جلدی سے زمین پر پڑا ہوا ایک تنکا اٹھا لیا مالک جب کوئی حدیث سناتے تو میں اسی تنکے کو اپنے لعاب دہن سے ترکر کے اپنی ہتھیلی پر لکھ لیتا۔ امام مالک میری یہ حرکت دیکھ رہے تھے مگر مجھے خبر نہ تھی آخر مجلس ختم ہوگئی اور امام مالک دیکھنے لگے سب لوگ اٹھ گئے میں بیٹھا ہی رہا تو امام مالک نے اشارے سے مجھے بلایا میں قریب پہنچا تو کچھ دیر بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے پھر فرمایا تم حرم کے رہنے والے ہو میں نے عرض کیا جی ہاں حرم ہی کا باشندہ ہوں پوچھا مکی ہو میں نے کہا جی ہاں کہنے لگے قریشی ہو میں نے کہا جی ہاں فرمانے لگے سب اوصاف پورے ہیں مگر تم میں ایک بے ادبی بھی ہے میں نے عرض کیا آپ

میری کون سی بے ادبی دیکھی ہے کہنے لگے میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلمات طیبات سنا رہا تھا اور تم تنکا لئے اپنے ہاتھ پر کھیل کر رہے تھے میں نے جواب دیا کاغذ پاس نہیں تھا اس لئے آپ سے جو کچھ سنتا تھا اسے لکھتا جاتا تھا اس پر امام مالک نے میرا ہاتھ کھینچ کر دیکھا اور فرمایا ہاتھ پر تو کچھ بھی لکھا نہیں ہے میں نے عرض کیا ہاتھ پر لعاب باقی نہیں رہتا لیکن آپ نے جتنی حدیثیں سنائی ہیں مجھے سب یاد ہو چکی ہیں امام مالک کو تعجب ہوا کہنے لگے سب نہیں ایک ہی حدیث سنا دو، میں نے فوراً کہا ہم سے مالک نے نافع اور ابن عمر کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے اور مالک ہی کیطرح میں نے بھی ہاتھ پھیلا کر قبر شریف کی طرف اشارہ کیا پھر وہ پوری پچیس حدیثیں سنا دیں جو انہوں نے اپنے بیٹھنے کے وقت سے مجلس کے خاتمے تک سنائی تھیں۔

امام مالک کے گھر میں

اب سورج ڈوب چکا تھا۔ امام مالک نے نماز پڑھی پھر میری طرف اشارہ کر کے غلام سے کہا اپنے آقا کا ہاتھ تھام اور مجھ سے فرمایا اٹھو غلام کے ساتھ میرے گھر جاؤ، میں نے ذرا انکار نہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا امام مالک جو مہربانی مجھ سے کرنا چاہتے تھے میں نے بخوشی قبول کر لی۔ جب گھر پہنچا تو غلام ایک کوٹھری میں مجھے لے گیا اور کہنے لگا گھر میں قبلے کا رخ یہ ہے پانی کا لوٹا بھی یہ رکھا ہے اور بیت الخلاء ادھر ہے۔

یہ تھوڑی دیر بعد خود امام مالک آ گئے۔ غلام بھی ساتھ تھا۔ اس کے ہاتھ پر ایک خوان تھا مالک نے خوان لے کر فرش پر رکھ دیا پھر مجھے سلام کیا اور غلام سے کہا ہاتھ دھلا غلام برتن لئے میری طرف بڑھا مگر مالک نے ٹوکا جانتا نہیں کھانے سے پہلے میزبان کو ہاتھ دھونا چاہئے اور کھانے کے بعد مہمان کو مجھے یہ بات پسند آئی اور اس کی وجہ دریافت کی امام مالک نے جواب دیا میزبان کھانے پر مہمان کو بلاتا ہے اس لئے

پہلے ہاتھ بھی میزبان ہی کو دھونا چاہئے اور کھانے کے بعد آخر میں اس لئے ہاتھ دھوتا ہے کہ شاید کوئی مہمان آجائے تو کھانے میں میزبان اس کا بھی ساتھ دے سکے۔

اب امام مالک نے خوان کھولا اس میں دو برتن تھے۔ ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں کھجوریں مالک نے بسم اللہ کہی۔ میں نے بھی بسم اللہ کہی اور ہم نے کھانا ٹھکانے لگا دیا مگر مالک بھی جانتے تھے کہ کھانا کافی نہیں ہے کہنے لگے ابوعبداللہ ایک مفلس قلاش فقیر دوسرے فقیر کے لئے کچھ پیش کر سکتا تھا یہی تھا میں نے عرض کیا وہ معذرت کیوں کرے جس نے احسان کیا ہے معذرت کی تو قصوروار کو ضرورت ہوتی ہے۔

امام مالک کا اخلاق

کھانے کے بعد امام مالک مکہ والوں کے حالات پوچھتے رہے اور جب رات زیادہ ہوگئی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا مسافر کو لیٹ لوٹ کر تھکن کم کرنا چاہئے اب تم آرام کرو۔ میں تھکا ہوا تو تھا ہی لیٹتے ہی بے خبر ہو گیا۔ پچھلے پہر کو کوٹھری پر دستک پڑی اور آواز آئی خدا کی رحمت ہو تم پر نماز کے لئے اٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں خود امام مالک ہاتھ میں لوٹا لئے کھڑے ہیں مجھے بڑی شرمندگی ہوئی مگر وہ کہنے لگے ابوعبداللہ کچھ خیال نہ کرو۔ مہمان کی خدمت فرض ہے۔

میں نماز کے لئے تیار ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں امام مالک کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ اندھیرا بہت تھا کوئی کسی کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر تسبیح و ذکر الٰہی میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ پہاڑیوں پر دھوپ نمودار ہوگی۔ امام مالک جس جگہ کل بیٹھے تھے اسی جگہ آج ہی جا بیٹھے اور اپنی کتاب موطا میرے ہاتھ میں دیدی میں نے کتاب سنانا شروع کی اور لوگ لکھنے لگے۔

میں مالک رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آٹھ مہینے رہا پوری موطا مجھے حفظ ہوگئی۔ مجھ میں

اور مالک میں اس قدر محبت اور بے تکلفی ہوگئی تھی کہ ان جان دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا مہمان کون ہے اور میزبان کون۔

عراق کا قافلہ

حج کے بعد زیارت کرنے اور مؤطا سننے کے لئے مصر کے لوگ مدینے آئے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پہنچے میں نے مصریوں کو پوری مؤطا زبانی سنا دی اس کے بعد عراق والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو حاضر ہوئے قبر اور منبر کے درمیان مجھے ایک جوان دیکھائی دیا۔ خوبصورت تھا صاف ستھرے کپڑے پہنے تھا۔ اس کی نماز بھی اچھی تھی قافیہ بتا رہا تھا کہ بھلا آدمی ہے۔ اور بھلائی کی امید اس سے باندھی جا سکتی ہے۔ میں نے نام پوچھا بتا دیا میں نے وطن پوچھا کہنے لگا عراق، میں نے سوال کیا کونسا عراق اس نے جواب دیا کوفہ۔ میں نے کہا کہ کوفے میں کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم عالم اور سنن مفتی کون ہے کہنے لگا ابو یوسف اور محمد بن حسن جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں میں نے پوچھا عراق کو تمہاری واپسی کب ہوگی اس نے جواب دیا کل صبح۔ سن کر امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس آیا اور عرض کیا مکے سے طلبِ علم کے لئے نکلا ہوں بوڑھا والد سے اجازت نہیں لی۔ اب فرمایئے کیا کروں؟

بوڑھا کے پاس لوٹ جاؤں یا علم کی جستجو میں آگے بڑھوں؟ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا علم کے فائدے کبھی ختم نہیں ہوتے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پر پھیلا دیتے ہیں۔

میں نے سفر کا ارادہ پکا کر لیا اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے راستے کے لئے میرے کھانے کا بندوبست کر دیا صبح تڑکے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ مجھے پہنچانے بقیع تک آئے اور زور سے پکارنے لگے کوفے کے لئے کون اپنا اونٹ کرائے پر دیتا ہے

یہ سن کر مجھے بہت تعجب ہوا اور عرض کیا یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟

نہ میرے پاس کوئی پیسا ہے نہ خود آپ ہی کی حالت کسی قابل ہے پھر یہ کرائے کا اونٹ کیسا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ مسکرائے اور کہنے لگے نماز عشاء کے بعد جب تم سے رخصت ہوا تو دروازے پر دستک پڑی میں باہر نکلا تو عبدالرحمٰن بن قاسم کھڑے تھے ہدیہ لائے تھے منّتیں کرنے لگے کہ قبول کرلوں۔ ہاتھ میں ایک تھیلی تھمادی۔ تھیلی میں سو دینار نکلے۔ پچاس تو میں نے اپنے بال بچوں کے لئے رکھ لئے اور پچاس تمہارے پاس لے آیا ہوں پھر امام مالک نے چار دینار میں اونٹ طے کر دیا باقی رقم میرے حوالے کردی اور مجھے خدا حافظ کہا۔

کوفے میں

حاجیوں کے اس قافلے کے ساتھ میں روانہ ہوگیا جو بیسویں دن ہم کوفہ پہنچے اور عصر کے بعد میں مسجد میں داخل ہوا۔ نماز پڑھی اور بیٹھ گیا اسی دوران ایک لڑکا دکھائی دیا نماز پڑھ رہا تسا مگر ان کی نماز ٹھیک نہ تھی مجھ سے نہ رہا گیا اور نصیحت کرنے اٹھ کھڑا ہوا میں نے کہا میاں صاحبزادے نماز اچھی طرح پڑھا کرو تاکہ خدا تمہارے اس حسین مکڑی کو عذاب دوزخ میں مبتلا نہ کرے۔ لڑکے کو میری بات بری لگی کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ تم حجاز میں ہو سخن و خفتگی حجاز یوں ہی ہوتی ہے عراقیوں جیسے نرمی و شگفتگی بھلا ان میں ہوتی ہے کہاں میں پندرہ برس سے مسجد میں محمد بن اور ابو یوسف کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں اس نے مجھے.......... تو کبھی ٹوکا نہیں اب آئے ہو تم اعتراض کرنے۔ یہ کہکر لڑکے نے اپنی چادر غصے اور حقارت سے میرے منہ پر چادر جھاڑ دی چلا گیا۔

امام محمد اور امام ابو یوسف سے ملاقات

اتفاق سے مسجد کے دروازے ہی پر لڑکے کو محمد بن حسن اور ابو یوسف مل گئے۔

لڑکا ان سے کہنے لگا آپ حضرات نے میری نماز میں بھی کوئی خرابی دیکھی ہے؟ انہوں نے جواب دیا خدایا کبھی نہیں لڑکا کہنے لگا مگر ہماری مسجد میں ایک ایسا شخص بیٹھا ہے جس نے میری نماز پر اعتراض کیا دونوں ماموں نے کہا تم اس شخص کے پاس جاؤ اور سوال کرلو۔ نماز میں کس طرح داخل ہوتے ہو لڑکا لوٹ آیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ اے وہ جس نے میری عرب گیری کی ہے ذرا یہ تو بتاؤ کہ تو نماز میں کس طرح داخل ہوتا ہے میں نے جواب دیا دو فرض ایک رکعت سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں۔ لڑکا یہ سن کر چلا گیا اور محمد بن حسن ابو یوسف کو میرا جواب پہنچا دیا اس پر وہ سمجھ گئے کہ جواب ایسے آدمی کا ہے جس کے علم پر نظر ہے مگر انہوں نے کہا پھر جا کے پوچھو وہ دونوں فرض کونسے ہیں؟ اور سنت کیا ہے؟ لڑکے نے آکر مجھ سے یہ سوال کیا میں نے جواب دیا پہلا فرض نیت ہے۔ دوسرا فرض تکبیر تحریمی ہے سنت دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ہے لڑکے نے میرا یہ جواب بھی دونوں صاحبوں کو سنا دیا۔

اب وہ مسجد میں داخل ہوئے مجھے غور سے دیکھا اور میرا خیال ہے کہ حقیر ہی سمجھا ایک طرف بیٹھ گئے اور لڑکے سے کہا جاؤ اور اس شخص سے کہو کہ مشائخ کے روبرو آئے۔ پیغام سن کر میں سمجھ گیا کہ علمی مسائل میں میرا امتحان لیں گے میں نے لڑکے کو جواب دیا لوگ علم کے پاس آتے ہیں اور علم کسی کے کے پاس نہیں جاتا پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہارے مشائخ سے ملنے کی مجھے ضرورت ہی کیا ہے۔

میرا یہ جواب پاتے ہی محمد بن حسن اور ابو یوسف اٹھ کھڑے ہوئے اور میری طرف بڑھے جب انہوں نے مجھے سلام کیا تو میں بھی کھڑا ہو گیا اور بشاشت ظاہر کیا وہ بیٹھ گئے میں بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ محمد بن حسن نے گفتگو شروع کی۔ کہنے لگے حرم کے رہنے والے ہو؟ میں نے جواب دیا جی ہاں کہنے لگے عرب ہو یا عجم کی اولاد؟ میں نے کہا عرب ہوں۔ کہنے لگے کون سا عرب ہو؟ میں نے جواب دیا مطلب کی اولاد ہوں کہنے لگے مطلب کس کی اولاد ہے؟ میں نے نافع کا نام لیا تو کہنے لگے امام مالک

کو تم نے دیکھا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں امام مالک ہی کے پاس سے آ رہا ہوں۔ کہنے لگے موطا بھی دیکھی ہے؟ میں نے کہا موطا کو حفظ بھی کر چکا ہوں۔

محمد بن حسن کو یہ بات بڑی معلوم ہوئی یقین نہ آیا اسی وقت لکھنے کا سامان طلب کیا اور ابواب فقہ کا ایک ایک مسئلہ لکھا ہر دو مسئلوں کے درمیان کافی جگہ خالی رکھی اور کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ان مسائل کا جواب موطا سے لکھدو میں نے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کے مطابق سب مسئلوں کے جواب لکھے اور کاغذ محمد بن حسن کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے بغور میری تحریر پڑھی پھر لڑکر غلام کو حکم دیا۔ اپنے آقا کو گھر لے جا۔

امام محمد کے ساتھ

اس کے بعد محمد بن حسن نے مجھ سے کہا غلام کے ساتھ جاؤ۔ میں ذرا نہ ہچکچایا اور بے تکلف اٹھ کھڑا ہوا۔ مسجد کے دروازے پر پہنچا تو غلام نے کہا مالک کا حکم ہے کہ آپ ان کے گھر سواری پر جائیں۔ میں نے جواب دیا تو سواری حاضر کرلو۔ غلام نے ایک خوب سجا سجایا خچر میرے سامنے کھڑا کر دیا مگر جب میں سوار ہوا تو تن کے پرانے کپڑے جنہیں چھتڑے کہنا چاہئے نگاہوں میں بری طرح کھٹکے اور اپنی حالت پر افسوس ہوا۔ غلام کوفے کی گلی کوچوں سے ہوتا ہوا محمد بن حسن کے گھر لایا۔ یہاں دروازوں پر ڈریوڑھیوں پر گنگا جمنی نقش ونگار دیکھے اور اہل حجاز کی قابل رحم مفلسی بے اختیار یاد آ گئی۔ آنکھیں بہ نکلیں اور میں کہہ پڑا وائے حسرت عراق والے تو اپنے گھر سونے چاندی سے آراستہ کریں اور حجاز کی مخلوق گھٹیا گوشت کھائے اور سوکھی گھٹلیاں چوستی رہے۔

میں رو رہا تھا کہ محمد بن حسن آ گئے کہنے لگے بندہ خدا یہ جو کچھ تمہاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ اس سے کوئی برا اثر نہ لینا۔ یہ سب حلال کمائی کا ہے اور اس کی فرض

زکوٰۃ میں کوتاہی کا خدا مجھ سے جواب نہیں طلب کرے گا۔ سالانہ پوری زکاۃ نکالتا ہوں۔ دوست دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دشمنوں کے سینے پر سانپ لوٹتے ہیں۔

پھر محمد بن حسن نے ایک ہزار درہم کا قیمتی جوڑا مجھے پہنایا اور اپنے کتب خانے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تالیف الکتاب اوسط نکال لائے میں نے کتاب الٹ پلٹ کے دیکھی اور رات کو اسے یاد کرنا شروع کر دیا۔ صبح ہونے سے پہلے ہی پوری کتاب حفظ تھی مگر محمد بن حسن کو اس کی ذرا خبر نہ ہوئی۔

محمد بن حسن کوفے میں سب سے بڑے مفتی تھے۔ ایک دن میں ان کے دائیں طرف بیٹھا تھا کہ ایک مسئلے کا فتویٰ پوچھا گیا انہوں نے بتایا کہ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے میں بول اٹھا آپ سے سہو ہوگیا ہے۔ اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کا قول وہ نہیں یہ ہے اور امام ابوحنیفہ نے اپنی کتاب میں اس مسئلے کا ذکر فلاں مسئلے کے نیچے اور فلاں مسئلے کے اوپر کیا ہے۔ محمد بن حسن نے فوراً کتاب منگا کر دیکھی تو میری بات بالکل ٹھیک نکلی۔ انہوں نے اسی وقت اپنے جواب سے رجوع کیا لیکن اس واقعہ کے بعد اور کوئی کتاب مجھے نہ دی۔ کچھ دن بعد میں نے سفر کی اجازت چاہی فرمانے لگے میں اپنے کسی مہمان کو جانے کی اجازت نہیں دیتا پھر کہا میرے پاس جو مال ودولت موجود ہے اس میں سے آدھا تم لے لو میں نے جواب دیا یہ بات میرے مقاصد وارادے کے خلاف ہے میری خوشی صرف سفر میں ہے۔ اس پر انہوں نے اپنے صندوق کی سب نقدی منگائی۔ تین ہزار درہم نکلے سب میرے حوالے کر دیئے اور میں نے بلاد عراق وفارس کی سیاحت شروع کر دی۔ لوگوں سے ملتا جلتا رہا یہاں تک کہ میری عمر اکیس برس کی ہوگئی۔

ہارون رشید سے ملاقات

پھر میں ہارون رشید کے زمانے میں عراق آیا۔ بغداد کے پھاٹک میں قدم رکھا

ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھے روکا اور نرمی سے کہنے لگا آپ کا نام میں نے کہا محمد کہنے لگا باپ کا نام میں نے کہا ادریس شافعی کہنے لگا آپ مطلبی ہیں؟ میں نے اقرار کیا تو جیب سے ایک تختی نکالی اور میرا بیان اس میں قلم بند کر کے مجھے چھوڑ دیا۔

میں ایک مسجد میں پہنچا اور سوچنے لگا اس آدمی نے جو کچھ لکھا ہے دیکھنا چاہئے اس کا انجام کیا ہو؟ آدھی رات کے بعد پولیس نے مسجد پر چھاپا مارا اور ہر ہر آدمی کو روشنی میں دیکھنا شروع کیا آخر میری باری آئی اور پولیس نے پا کر کر لوگوں سے کہا ڈر نے کی بات نہیں جس آدمی کی تلاش تھی وہ مل گیا ہے پھر مجھ سے کہا امیر المومنین کے حضور چلو!

میں نے پس و پیش نہیں کیا فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور جب شاہی محل میں امیر المومنین پر میری نظر پڑی تو صاف مضبوط آواز میں میں نے انہیں سلام کیا۔ امیر المومنین کو میرا انداز پسند آیا۔ سلام کا جواب دیا۔ فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ ہاشمی ہو میں نے جواب دیا۔ امیر المومنین ہر دعویٰ کتاب اللہ میں باطل ہے امیر المومنین نے میرا نسب پوچھا میں نے بیان کر دیا بلکہ آدم علیہ السلام تک پہنچا دیا۔ اس پر امیر المومنین کہنے لگے بے شک یہ فصاحت و بلاغت اولاد مطلب ہی کا حصہ ہے بتاؤ کیا تم پسند کرو گے کہ مسلمانوں کا قاضی بنا کر تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کر لوں اور تم سنت رسول اللہ اور اجماع امت کے مطابق اپنا اور میرا حکم چلایا کرو؟ میں نے جواب دیا سلطنت میں شرکت کے ساتھ صبح سے شام تک بھی قاضی بننا مجھے منظور نہیں۔ یہ سن کر امیر المومنین رو پڑے پھر فرمایا دنیا کی اور کوئی چیز قبول کرو گے؟ میں نے کہا جو کچھ جلد مل جائے قبول کروں گا اس پر خلیفہ نے ایک ہزار درہم کا حکم دیا اور یہ رقم مجھے رخصت ہونے سے پہلے ہی مل بھی گئی۔

واپسی پر خلیفہ کے غلام اور پیش خدمت دوڑ پڑے مجھے گھیر لیا اور کہنے لگے اپنے انعام میں سے ہمیں بھی کچھ دیجئے۔ مروت نے اجازت نہ دی کہ خدا کا جو فضل مجھ پر

ہوا تھا اس میں دوسروں کا شریک نہ کروں میں نے رقم کے برابر اتنے ہی حصے کیے، جتنے آدمی تھے۔ سب کو ماٹنے کے بعد مجھے اتنا ہی ملا جتنا ہر ایک کو میں نے دیا تھا۔

کتاب الزعفران کی تالیف

میں پھر اسی مسجد میں لوٹ آیا جس میں اترا تھا صبح کو ایک نوجوان نے نماز کی امامت کی۔ اس کی قرأت تو اچھی تھی۔ مگر علم کم تھا نماز میں سہو ہو گیا مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے میں نے کہا بھائی تم نے ہماری اور اپنی سب کی نماز خراب کر دی۔ نوجوان نے پھر سے نماز پڑھائی۔ اب میں نے اس سے کہا کاغذ اور قلم دوات لے آؤ۔ میں تمہارے لئے باب سہو لکھ دوں گا وہ فوراً سب سامان لے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرا ذہن بھی کھول دیا اور میں نے کتاب وسنت اور اجماع امت کے مطابق ایک کتاب لکھ دی کتاب کا نام اسی شخص کے نام پر کتاب الزعفران رکھا۔

اب مجھے تین برس اور ہو چکے تھے۔ ہارون رشید نے اصرار کر کے مجھے بحران کی زکوۃ کا تحصیل دار بنا دیا تھا۔ اسی اثناء میں حاجی حجاز سے لوٹے میں ان سے امام مالک صاحب اور اپنے وطن کے حالات معلوم کرنے چلا ایک نوجوان دکھائی دیا اس نے اونٹ کے روکنے کا حکم دیا اور مجھ سے مخاطب ہو گیا میں نے امام مالک اور حجاز کے بارے میں پوچھ گچھ کی کہنے لگا، سب ٹھیک ہے میں نے امام مالک کے بارے میں دوبارہ سوال کیا تو کہنے لگا تفصیل کروں یا مختصر جواب دوں؟ میں نے کہا اختصار ہی میں بلاغت ہوتی ہے کہنے لگا تو سنو امام مالک تندرست ہیں اور بہت دولتمند ہو گئے ہیں۔

یہ سن کر مجھے شوق ہوا کہ فقر و فاقے میں تو دیکھ چکا ہوں اب امام مالک کو مال دولت میں بھی دیکھنا چاہیے میں نے نوجوان سے کہا کیا تمہارے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میرے سفر کی ضرورتیں پوری ہو جائیں اس نے جواب دیا آپ کی جدائی عراق

والوں پر عام طور سے اور مجھ پر خاص طور سے بہت شاق ہوگی مگر میرے پاس جو کچھ ہے اسے اپنا ہی سمجھ کے لے لیجئے میں نے کہا سب کچھ دے دو گے تو تم خود کس طرح زندگی بسر کرو گے؟ کہنے لگا اپنی وجاہت واثر سے یہ کہہ کر اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا اور کہا سب نہیں لیتے تو جتنا چاہئے لے لیجئے میں نے ضرورت بھر لے لیا ور علاقہ ربیعہ کی راہ لی۔

حجام کی بدسلوکی

جمعہ کے دن میں حران پہنچا اور فضیلت غسل یاد آگئی حمام گیا مگر جب پانی انڈیلا تو خیال آیا سر کے بال چکٹ کر الجھ گئے ہیں حجام کو طلب کیا تھوڑے بال کاٹنے پایا تھا کہ شہر کا کوئی امیر آدمی آگیا اور حجام کو اس کی خدمت کے لئے یاد کیا گیا۔ حجام نے مجھے چھوڑ دیا اور امیر کے پاس دوڑ گیا پھر جب اس سے چھٹی پائی تو میرے پاس واپس آیا میں نے حجامت درست کرانے سے انکار کیا مگر جب حمام سے جانے لگا تو میرے پاس جو دینار موجود تھے ان میں سے اکثر حجام کے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ یہ لے لو مگر خبردار کبھی کسی پردیسی کو حقیر نہ سمجھنا۔ حجام نے بڑی حیرت سے مجھے دیکھا فوراً حمام کے دروازے پر ایک بھیڑ لگ گئی اور مجھے لوگ ملامت کرنے لگے کہ اتنی بڑی رقم حجام کو کیوں دے دی۔ یہ باتیں ہو رہی تھی کہ شہر کا ایک اور آدمی حمام سے نکلا اس کے سامنے سواری حاضر کی گئی مگر بھیڑ کے سامنے میں تقریر کر رہا تھا اس کے کان میں بھی پڑ گئی سوار ہو چکا تھا کہنے لگا کہ آپ شافعی ہو میں نے اقرار کیا تو امیر آدمی نے سواری کی رکاب میرے قریب کر دی اور عاجزی سے کہنے لگا برائے خدا سوار ہو جایئے، میں سوار ہو گیا غلام سر جھکائے آگے آگے چل لیا تھا یہاں تک کہ امیر کا گھر آگیا۔

امیر نے دولت پیش کی

تھوڑی دیر میں خود امیر بھی آ پہنچا۔ اور بڑی بشاشت ظاہر کی پھر دستر خوان بچھ گیا

اور ہمارے ہاتھ دھلائے گئے مگر میں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا امیر کہنے لگا کیوں کیا بات ہے میں نے جواب دیا کھانا مجھ پر حرام ہے جب تک یہ نہ بتادو کہ تم نے مجھے پہچانا کیسے امیر نے کہا بغداد میں آپ نے جو کتاب لکھ کر سنائی تھی اس کے سننے والوں میں ایک میں بھی تھا اس طرح آپ میرے استاد ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا علم دانشمندوں کا کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے پھر میں نے ایسی خوش دلی سے کھانا کھایا کہ خدا جانتا ہے اپنے جیسے اہل علم کیساتھ کھانے ہی میں وہ خوشی نصیب ہوسکتی ہے۔

میں تین دن اس شخص کا مہمان رہا۔ چوتھے دن اس نے کہا حران کے اطراف میں میری چار لگاؤ موجود ہیں اور یہ گاؤں ایسے ہیں کہ پورے علاقے میں ان کی نظیر نہیں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ آپ یہاں رہ جائے تو سب گاؤں آپ کی خدمت میں ہدیہ ہیں میں نے جواب دیا سب گاؤں مجھے دے دوگے تو خود تمہاری گزر بسر کیسے ہوگی؟ کہنے لگا آپ وہ صندوق دیکھتے ہیں اور اس نے صندوقوں کی طرف اشارہ کیا ان میں چالیس ہزار درہم موجود ہیں اس رقم سے میں کوئی تجارت کرلوں گا میں نے کہا لیکن خود مجھے یہ منظور نہیں۔ میں نے اپنا وطن محض تحصیل علم کے لئے چھوڑا ہے نہ کہ دولت کمانے کے لئے وہ کہنے لگا یہ تو سچ ہے مگر مسافر کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہی ہے گاؤں نہ سہی نقد ہی قبول کرلیجئے۔

اس پر میں نے چالیس ہزار کی وہ پوری رقم لے لی۔ اسے خدا حافظ کہا اور حران سے اس حال میں روانہ ہوا کہ آگے پیچھے بوجھ لدے جارہے تھے۔ راستے میں اصحاب حدیث ملے ان میں احمد بن حنبل سفیان بن عینیہ اور اوزاعی بھی تھے۔ میں نے ہر ایک کو اس قدر دیا جتنا اس کے مقدر میں تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی امارت

جب میں شہر مکہ پہنچا تو میرے پاس اس چالیس ہزار میں سے صرف دس دینار

باقی تھے میں نے کرائے پر سواری لی اور حجاز کو روانہ ہو گیا۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوں آخر ستائسویں دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ پہنچ گیا نماز عصر کے بعد میرا داخلہ ہوا تھا۔ مسجد میں نماز پڑھی اب کیا دیکھتا ہوں کہ لوہے کی ایک کرسی مسجد میں رکھی ہے کرسی پر بیش بہا قباطی مصر کا تکیہ جما ہوا ہے اور تکیے پر لکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ مالک بن انس رضی اللہ عنہ باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آتے دکھائی دیئے پوری مسجد عطر سے مہک اٹھی امام مالک کے ساتھ چار سو یا اس سے بھی زیادہ کا مجمع تھا چار آدمی ان کے جبے کے دامن اٹھائے چل رہے تھے امام مالک اپنی مجلس میں پہنچے تو بیٹھے ہوئے سب آدمی کھڑے ہو گئے۔

امام مالک کرسی پر بیٹھ گئے اور جراح عمر کا ایک مسئلہ پیش کیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے قریب کے آدمی کے کان میں کہا اس مسئلے کا یہ جواب ہے اس شخص نے میرا بتایا ہوا جواب اونچی آواز سے سنا دیا مگر امام مالک نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور شاگردوں سے جواب کے طالب ہوئے شاگردوں کے سب جواب غلط تھے امام مالک نے کہا تم غلطی پر ہو پہلے ہی آدمی کا جواب صحیح ہے یہ سن کر وہ جاہل بہت خوش ہوا امام مالک نے دوسرا مسئلہ پیش کیا۔ جاہل میری طرف دیکھنے لگا میں نے پھر جواب بتا دیا اس دفعہ بھی امام مالک کے شاگرد صحیح جواب نہ دے سکے اور اس جاہل کی زبانی میرا ہی جواب ٹھیک نکلا۔

تب تیسرے مسئلے پر بھی یہی صورت پیش آئی تو امام مالک اس جاہل کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا یہاں آؤ۔ وہ جگہ تمہاری نہیں ہے آدمی امام مالک کے پاس پہنچا تو انہوں نے سوال کیا تم نے موطا پڑھی ہے؟ جاہل نے جواب دیا نہیں امام مالک نے پوچھا ابن جریج کے علم پر تمہاری نظر ہے؟ اس نے پھر کہا نہیں۔ امام مالک نے پوچھا جعفر بن محمد صادق سے ملے ہو کہنے لگا نہیں۔ اب تو امام مالک کو تعجب ہوا کہنے لگے

پھر یہ علم تمہیں کہاں سے ملا۔ جاہل نے جواب دیا میری بغل میں ایک نوجوان بیٹھا تھا اور وہی مجھے ہر مسئلے کا جواب بتا رہا تھا۔

اب تو امام مالک نے میری طرف گردن پھیری دوسروں کی گردنیں بھی اٹھ گئیں اور امام مالک نے اس جاہل سے کہا جاؤ اور نوجوان کو میرے پاس بھیج دو میں امام مالک کے پاس پہنچا اور اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے جاہل اٹھا تھا۔ وہ بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے پھر فرمایا شافعی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں شافعی ہوں۔ امام مالک نے مجھے گھسیٹ کر سینے سے لگا دیا پھر کرسی سے اتر پڑے اور کہا علم کا جو باب ہم شروع کر چکے ہیں تم اسے پورا کرو میں نے حکم کی تعمیل کی اور جراح عمد کے چار سو مسئلے پیش کیے مگر کوئی آدمی بھی جواب نہ دے سکا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیر چشمی

اب سورج ڈوب چکا تھا ہم نے مغرب کی نماز پڑھی اور امام مالک نے میری پیٹھ ٹھونکی۔ پھر اپنے گھر لے گئے۔ پرانے کھنڈر کی جگہ اب نئی عمارت کھڑی تھی میں بے اختیار رونے لگا یہ دیکھ کر امام مالک نے کہا ابو عبداللہ تم روتے کیوں ہو؟ شاید سمجھ رہے ہو کہ میں نے دنیا کے لئے آخرت بیچ دی ہے۔ میں نے جواب دیا جی ہاں یہی اندیشہ دل میں پیدا ہوا تھا کہنے لگے تمہارا دل مطمئن رہے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو ہدیہ ہے خراسان سے مصر سے دنیا کے دور دور گوشوں سے ہدیوں پر ہدیے چلے آ رہے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرما لیتے تھے اور صدقہ رد کر دیتے تھے۔ میرے پاس اس وقت خراسان اور مصر کے اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑوں کے تین سو خلعت موجود ہیں۔ غلام بھی اتنے ہی ہیں۔ معاملہ ابھی تک ختم نہیں ہوا ہے اب یہ سب میری طرف سے تمہارے لئے ہدیہ ہے صندوقوں میں پانچ ہزار دینار رکھے ہیں۔ اس کی سالانہ زکوۃ نکالتا ہوں اس میں سے آدھی رقم تمہاری ہے۔

میں نے کہا دیکھئے آپ کے بھی وارث موجود ہیں اور میرے بھی وارث زندہ ہیں۔ آپ نے جو کچھ دینے کا وعدہ کیا اس کی تحریر ہوجانا چاہئے تحریر سے میری ملکیت مسلم ہو جائے گی اگر میں مرگیا تو اس سب کو آپ کے وارث نہ لے سکیں گے بلکہ میرے وارثوں کو مل جائیگا اسی طرح خدانخواستہ آپ کی وفات ہوگی تو بھی یہ آپ کے وارثوں کا ہوجائیگا۔

یہ سن کر امام مالک مسکرائے اور فرمایا یہاں بھی علم ہی سے کام لیتے ہو میں نے جواب دیا علم کے استعمال کا اس سے بہتر موقعہ اور کون ہوسکتا ہے؟ امام مالک نے رات ہی میں تحریر مکمل کردی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ

صبح میں نے نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد سے ہم اس حال سے گھر لوٹے کہ میرا ہاتھ امام مالک کے ہاتھ میں تھا اور امام کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ دروازے پر کیا دیکھتا ہوں کہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر کھڑے ہیں گھوڑوں کی کونچیں کیا بتاؤں کیسی حسین تھیں میرے منہ سے نکل گیا ایسے خوبصورت پاؤں تو میں نے کبھی دیکھے نہیں۔ امام مالک نے فوراً جواب دیا یہ سب سواریاں بھی تمہارے لئے ہدیہ ہیں۔ میں نے عرض کیا کم سے کم ایک جانور تو اپنے لئے رہنے دیجئے۔ اس پر مالک نے جواب دیا مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس زمین کو میری سواری اپنی مایوسی سے روندے جس کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہیں۔

یہ سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ دولت کی اس بہتات میں بھی امام مالک کا تقویٰ بدستور باقی ہے۔

وطن کو واپسی

تین دن امام مالک کے گھر میں قیام رہا۔ پھر میں مکہ کو روانہ ہوگیا مگر اس حال

سے کہ خدا کی بخشی ہوئی خیر و برکت اور مال و متاع کے بوجھ آگے آگے جا رہے تھے میں نے ایک آدمی پہلے سے مکہ بھیجدیا تھا کہ واپسی کی خبر پہنچا دیں۔ اسی لئے جب حدود حرم پر پہنچا تو بوڑھا کچھ عورتوں کے ساتھ دکھائی دیا۔ بوڑھے نے مجھے گلے لگایا پھر ایک اور بڑھیا نے یہی کیا میں اس بی بی سے مانوس تھا اور اسے خالہ کہا کرتا تھا بڑھیا نے مجھے چمٹاتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

مالمک اجتاحت المنایا کل فواد علیک ام

ترجمہ: ''موت تیری ماں کو بہا نہیں لے گئی ہر دل تیرے لئے ماں ہے یہ پہلا بول تھا جو مکے کی سرزمین پر میرے کانوں نے سنا۔''

پھر میں نے آگے بڑھنا چاہا مگر بڑھیا کہنے لگیں کہاں میں نے کہا گھر چلیں۔ بڑھیا نے جواب دیا کل تو مکے سے فقیر کی صورت میں گیا تھا اور آج امیر بن کر لوٹا ہے۔ تاکہ اپنے چچیرے بھائیوں پر گھمنڈ کرلے میں نے کہا پھر تم ہی بتاؤ کیا کروں؟ کہنے لگیں منادی کر دے کہ بھوکے آئیں اور کھائیں پیدل آئیں اور سواری لے جائیں، ننگے آئیں اور کپڑا پہن کر جائیں اس طرح دنیا میں بھی تیری آبرو رہے گی اور آخرت کا ثواب اپنی جگہ رہے گا۔

میں نے بڑھیا کے حکم پر عمل کیا اس کی شہرت دور دور پھیلی۔ امام مالک نے بھی سنا اور میری ہمت افزائی کی کہلا بھیجا۔ جتنا دے چکا ہوں اتنا ہی ہر سال تمہیں بھیجتا رہوں گا۔

مکے میں میرا داخلہ اس حال میں ہوا کہ ایک خچر اور پچاس دینار کے سوا اس دولت میں سے میرے پاس کچھ باقی نہ تھا جو ساتھ آئی تھی۔ اتفاق سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا۔ ایک کنیز نے جس کی پیٹھ پر مشک تھی لپک کے اٹھالیا اور میری طرف بڑھایا میں نے اس کے لئے پانچ دینار نکالے یہ دیکھ کر بوڑھے نے کہا یہ تو کیا کر رہا ہے؟ میں نے کہا عورت کو انعام دینا چاہتا ہوں بوڑھا نے کہا جو کچھ تیرے پاس ہے

سب دیدے۔

میں نے یہی کیا اور مکے میں پہلی رات بسر کرنے سے پہلے ہی میں مقروض ہوگیا لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میرے پاس وہ سب بھیجتے رہے جو مدینے میں انہوں نے مجھے دیا تھا۔ گیارہ برس یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب امام مالک کا انتقال ہوگیا تو حجاز کی سرزمین مجھ پر تنگ ہوگئی۔ اور میں مصر چلا آگیا۔ یہاں خدا نے عبداللہ بن حکم کو میرے لئے کھڑا کردیا اور وہ میری تمام ضروتوں کے کفیل ہوگئے۔

(یہ ہے میرے سفر کی روداد، اے ربیع تو اسے اچھی طرح سمجھ۔)

یہ واقعہ راقم کو بہت پسند آیا تھا اسی وجہ سے راقم نے اس واقعہ سفر نامہ کو رقم کر دیا۔

تذکرہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ

نام نعمان ہے اور ابوحنیفہ کنیت، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ ان کا نسب ہے۔ ماہ فارسی الاصل مرزبان یعنی رئیس شہر تھے زوطی خلافت علوی میں دولت اسلام سے مشرف ہوئے اور اسلامی نام نعمان تجویز ہوا اپنے وطن سے ہجرت کر کے اسلامی حکومت کے دارالخلافہ کوفہ پہنچے۔ بارگاہ علوی میں حاضری دی وطن کا تحفہ فالودہ نذر کیا۔ اپنے نہایت کم سن بچے کے لئے دعا چاہی۔ باب مدینۃ العلم شاہ ولایت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دعائے خیر دی۔

ثابت بڑے ہوئے تو خز کی تجارت شروع کی۔ پینتالیس سال کی عمر میں ۸۰ھ میں، اللہ تعالیٰ نے بابرکت فرزند عطا کیا۔ دادا کے نام پر فرزند ارجمند کا نام نعمان رکھا۔ نعمان بڑے ہوئے تو باپ کی تجارت کو ترقی دی جگہ جگہ کارخانے قائم کئے کوٹھیاں بنوائیں اللہ نے بڑی عزت و برکت دی۔ آخر عمر تک بڑی دولت کے مالک رہے اپنے علمی کمالات کی وجہ سے امام اعظم کہلائے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ بارہ یا تیرہ برس کے تھے کہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر ان سے حدیث نہیں سنی۔ ۱۷ سال کی عمر ہوئی تو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ طباع ذہن نے عقائد کی اہمیت کے خیال سے علم کلام کی طرف مائل کر لیا۔ بہت جلد اس میں کمال حاصل کر لیا اسی زمانہ میں قرآن فہمی پر بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو عبور حاصل ہو گیا پھر اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ عملی دنیا میں فقہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ عوام و حکومت سب کو اس کی ضرورت ہے۔ دنیوی اور اخروی منافع اسی علم سے متعلق ہے۔ معاش و معاد کے تمام کاروبار و نفع و ضرر اسی سے وابستہ ہے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد خلافت میں فقہ کی طرف توجہ دی۔

اسلامی شہروں میں کوفہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے یہ شہر آباد ہوا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ یہاں آکر بسے۔ جن میں ۲۴ بدری تھے۔ حضرت فاروق اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ کا معلم بنا کر بھیجا۔ تقریباً ۱۰ سال تک اہل کوفہ ان سے مستفید ہوتے رہے۔ مسائل فقہ اور حدیث کا چرچہ گھر گھر تھا خلیفہ چہارم باب مدینۃ العلم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا۔ اہل کوفہ کو ان سے بھی علمی فیض پہنچا کوفہ چونکہ عرب وعجم کے ملتقی میں واقع تھا وہاں مختلف ثقافتیں جمع تھیں۔ اس لئے وہاں نئے نئے مسائل کی تحقیق ہوتی رہتی تھی۔

حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے علوم وفتاویٰ بالواسطہ حضرت ابراہیم نخعی کو پہنچے گویا کوفہ میں وہ ان دونوں بزرگوں کی زبان تھے۔ امام ابراہیم نخعی کی جانشینی حضرت حماد ابن ابی سلیمان کو ملی وہ مسائل نخعیہ کے حافظ تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ غالباً ۱۰۰ھ میں امام حماد کی درسگاہ میں حاضر ہوئے استاد نے جوہر قابل دیکھ کر توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی جودت طبع ذہن رسا اور قوت حافظہ کی وجہ سے ہمیشہ اپنے اقران پر سب سے فائق رہے بہت جلد علم کی تکمیل کرلی پھر بھی کم وبیش بیس سال تک یعنی جبتک استاذ زندہ رہے استاذ سے تعلق استفادہ قائم رکھا۔ مسائل میں بحث وحل اور تحقیق وتفتیش کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب محسوس کیا علم حدیث کی تحصیل کے بغیر فقہ کی مجتہدانہ تحقیق ممکن نہیں ہے جس کی ان کو طلب تھی تو زمانہ تحصیل فقہ میں علم حدیث کی طرف بھی توجہ کی اور کوفہ کے اکثر محدثین سے حدیثیں سنیں۔ بسلسلۂ تجارت بصرہ شام اور دیگر ممالک میں جانا ہوتا تھا۔ تو وہاں کے مشائخ حدیث سے سنیں حج وزیارت کے

لئے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو وہاں کے مشاہیر ائمہ سے بھی حدیث کی سماعت کی۔

ابوالمحاسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترانوے (۹۳) مشاہیر حدیث کے نام لکھے ہیں۔ ابوحفص کبیر نے چار ہزار مشائخ بتائے معجم المصنّفین میں امام صاحب کے مشائخ حدیث کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جس میں تین سو سے زائد نام ہیں۔ خیرات الحسان میں ابن حجر الہیثمی فرماتے ہیں کہ بلاشبہ امام ابوحنیفہ کے اساتذہ بہت زیادہ ہیں۔ اس مختصر میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ابوحفص کبیر نے چار ہزار اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ دوسروں کا بیان ہے کہ صرف تابعین میں ان کے چار ہزار اساتذہ تھے تو اندازہ کرو کہ تابعین کے علاوہ ان کے دوسرے اساتذہ کتنے ہوں گے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم حدیث کی تحصیل کے ساتھ اسی زمانہ میں دوسرے علوم میں بھی تبحر حاصل کیا خود ہی فرماتے ہیں:

انی لما اردت تعلم العلم جعلت العلوم کلها نصب عینی فقرأت فناً فنًا. یعنی میں نے جب علم حاصل کرنیکا ارادہ کیا تو تمام علوم کے حصول کو اپنا نصب العین بنایا اور ہر ہر فن کو پڑھا۔

امام حماد رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے استاد کے جانشین ہوکر درس وافتاء میں مشغول ہوگئے طلباء کی بھیڑ دور دور سے آکر جمع ہوا کرتی تھی مسائل دریافت کرنے والوں کا ہجوم لگ جاتا تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہیں تھا۔ نہ اس کے اصول وضوابط متعین تھے اور نہ تفریع مسائل کی تشکیل تھی۔ صرف ائمہ سے منقول فروعی مسائل کی روایت پر اس کا مدار تھا۔ امام صاحب نے جب اس کی تدوین کی طرف توجہ کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جن کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی۔

صحابہ کا قول موجود نہ تھا اس لئے ان کو قیاس سے کام لینا پڑا۔ قیاس پر گو پہلے بھی عمل تھا خود صحابہ بھی قیاس کیا کرتے تھے۔ اور قیاس کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے لیکن اس وقت تک چونکہ تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی اس لئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے اور نہ قیاس کی ضرورت پیش آتی تھی۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو کثرت قیاس کی بنا پر اس کے اصول وقواعد ان کو مرتب کرنا پڑے اس بات نے ان کو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی۔ چنانچہ تاریخوں میں جہاں ان کا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

اس شہرت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہوئی وہ یہ ہے کہ عام محدثین حدیث وروایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے۔ لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ابتدا کی اس کے اصول وضوابط منضبط کئے انہوں نے بہت سی حدیثیں صرف اس بنا پر قبول نہیں کیں کہ وہ اصول وروایت کی منافی تھیں۔ اس لئے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی کیونکہ درایت اور رائے مترادف قسم کے الفاظ اور عام لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔

غرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے فقیہ تھے۔ چند ہی روز میں ان کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ ان کی درسگاہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی درسگاہ بن گئی۔ بڑی تعداد میں دور دور سے طلبہ پہنچنے لگے۔ امام صاحب اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت ہمدردی سے پیش آتے تھے ان کے ساتھ حسن سلوک اور مواساۃ میں مشہور تھے۔ اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو امام صاحب کی شاگردی کے متعلق سے آزاد رہا ہو۔ ابوالمحاسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نو سو اٹھارہ (۹۱۸) مشہور شاگردوں کی فہرست دی ہے۔ معجم المصنفین میں امام صاحب کے آٹھ سو اسی (۸۸۰) ایسے تلامذہ کے نام مذکور ہیں جن میں ہر ایک اپنے اپنے

وقت کے مشہور فقیہ تھے۔

درس وافتاء کی مشغولیت کی بناء پر امام صاحب بہت جلد ملک کے عوام وخواص میں مقبول ہوگئے۔ سارے ملک پر آپ کا اثر پھیل گیا بالخصوص عراق میں آپ کی شخصیت بہت نمایاں تھی۔

اموی خلیفہ عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعد بنوامیہ کے مظالم بڑھ گئے دینی آزادی ختم ہوگئی۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر پابندی عائد ہوگئی اور عصر استبداد لوٹ آیا۔ امام صاحب ان سے نالاں تھے۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں امام زید بن علی بن حسین نے کوفہ میں بنی امیہ کے خلاف حکم اصلاح بلند کیا ابتداءً کوفہ کی ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ تھی۔ لیکن بعد میں جماعت مختصر ہوگئی کوفہ کے اموی گورنر سے جنگ ہوئی۔ امام زید کو شکست ہوئی اور ۱۲۲ھ میں شہید ہوگئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ان کے ساتھ علی الاعلان شریک نہیں تھے۔

لیکن مالی اعانت اور زبانی موافقت کا اظہار فرمایا امام ابوزید رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہادت کے بعد ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اموی حکام کی نظروں میں مشکوک ہوگئے۔

لیکن ان کی عام مقبولیت کی پیش نظر کسی امر معقول کو حیلہ بنائے بغیر ان کو گرفتار کرنا بھی مشکل تھا اسی زمانہ میں عباسی دعوت نے بھی زور پکڑنا شروع کیا شام کا آخری اموی حکمران مروان الحمار تھا اس نے عمرو بن ہبیرہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ ابن ہبیرہ نے کوفہ کے بہت سے فقہاء کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کرکے ان کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ اسی حکمت عملی سے اس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنا ہمنوا بنانا چاہا اور ان کے سامنے میر منشی (چیف سیکرٹری) اور افسر خزانہ (وزیر مالیات) کا عہدہ پیش کیا۔

امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی سے نالاں تھے پھر یہ خیال کیا کہ میر منشی کے معنیٰ یہ ہیں کہ حکومت کے بہت سے ظالمانہ احکام کی تائید کی جائے گی اور افسر خزانہ

ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بیت المال کا بیجا صرف ان کے ہاتھ سے ہو۔

چنانچہ امام صاحب نے ان عہدوں کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حکومت کو بہانہ مل گیا۔ اور اسی بہانہ سے امام صاحب کو گرفتار کر کے جیل کی سزا دی۔ وہاں ان کو روزانہ کوڑے لگوائے جاتے مگر آپ مستقیم الحال رہے۔ بالآخر رہا کر دیئے گئے۔ رہائی ملتے ہی امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳۰ھ میں حرمین شریفین چلے گئے۔ دو سال تک وہیں مقیم رہے اور وہاں بھی درس وافتاء کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت عمار بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے ارد گرد خلقت کا ہجوم تھا ہر ملک اور ہر علاقہ کے لوگ آپ سے مسائل پوچھتے تھے اور آپ سب کو جواب دیتے تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسائل پوچھنے والے صرف عوام نہیں بلکہ ملک کے خواص اہل علم بھی جمع رہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ:

﴿رئیت اباحنیفة جالسا فی المسجد الحرام ویفتی اهل المشرق والمغرب والناس یومئذ ناس یعنی الفقهاء الکبار وخیار الناس حضور﴾

ترجمہ: ''یعنی میں نے مسجد الحرام میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور مشرق ومغرب کے لوگوں کو فتوے بتا رہے ہیں۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگ لوگ تھے۔ یعنی بڑے بڑے فقہا اچھے اچھے تعلیم یافتہ لوگ اس مجلس میں موجود رہتے تھے۔''

حرمین شریفین میں چونکہ بلاد مختلفہ کے مختلف الخیال علماء سے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات ہوتی رہتی تھی علمی صحبتیں تھیں تبادلہ خیال کا عمدہ موقع ملا۔ مختلف بلاد کے حالات ضروریات اور مسائل سے بھی واقفیت حاصل ہوئی تو امام صاحب کے دل میں تدوین فقہ کا جو داعیہ سے پہلے سے تھا اسی زمانہ میں اور بھی راسخ ہو گیا چنانچہ

۱۳۲ھ میں جب دولت بنو امیہ کا خاتمہ ہوا تو امام صاحب کوفہ روانہ ہو گئے اور وہاں اپنے شاگردوں کی مجلس شوریٰ بنا کر باضابطہ تدوین فقہ کے کام میں پوری توجہ سے مشغول ہو گئے۔

ظلم وتعدی اور جبر واستبداد میں عباسیوں کی حکومت بنی امیہ کی حکومت سے کم نہ تھی، چنانچہ امام ابوحنیفہ ان سے بھی ناخوش تھے اور ہمیشہ ان کی اصلاح کے خواہشمند رہے، عباسیوں نے پہلے بنی امیہ کو اپنے مظالم کا شکار بنایا پھر علوی سادات اور ان کے ہمنوا ہدف بنے۔ ۱۴۵ھ میں محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی نے جو نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے۔ مدینہ میں خلافت کا دعویٰ کیا امام مالک نے ان کی تائید کی مگر نفس زکیہ اسی سال اپنے اس دعویٰ میں حکومت کے مقابلے میں ناکام ہو کر شہید ہوئے۔

اسی سال بصرہ میں نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم نے علم بغاوت بلند کیا۔ کوفہ کے لوگ ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس موقع پر مورخین کے بیان کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ابراہیم کی رفاقت کے لئے علانیہ ابھارتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ ان کے ساتھ ہو کر ظالم حکومت کا مقابلہ کریں مگر ابراہیم نے بھی شکست کھائی، منصور عباس نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے انتقام لینا چاہا اور ان کو کوفہ سے بغداد طلب کیا۔ ارادہ تو قتل کا تھا مگر عام حالات کے پیش نظر علانیہ قتل سے خائف تھا بہانہ ڈھونڈھتا تھا۔

امام صاحب بغداد پہنچے۔ خلیفہ منصور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طبیعت کی افتاد سے واقف تھا کہ وہ امرائے جور سے رابطہ پسند نہیں کرتے اور نہ ان کے وظائف قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ منصور نے امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے عہدۂ قضا قبول کرنیکو کہا امام صاحب نے انکار کر دیا۔ منصور نے اصرار کیا مگر امام صاحب انکار ہی کرتے رہے۔ آخر کار منصور کو بہانہ مل گیا اور امام صاحب کو جیل کی سزا دی روزانہ کوڑے لگوائے جاتے تھے پھر بھی امام صاحب نے اس عہدے کو قبول نہیں فرمایا۔

جیل میں بھی امام صاحب کی علمی مشغولیت جاری رہی اور درس وافتاء کا کام وہاں بھی کرتے رہے جب مقصود کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدظنی بڑھتی گئی تو آخری خفیہ تدبیر یہ کی کہ بے خبری میں زہر دلوادیا۔ زہر نے اپنا اثر دکھایا اور آخر کار ۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہ بحالت سجدہ واصل بحق ہوگئے۔ رحمة الله تعالىٰ عليه رحمةً واسعةً.

امام ابوحنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال کی خبر سارے ملک میں بہت جلد پھیل گئی تمام شہر امنڈ آیا قاضی شہر حسن بن عمارہ نے غسل دیا چھ بار جنازہ کی نماز ہوئی۔ پہلی بار پچاس ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ بیس روز تک دعا کے لئے قبر کے پاس آنے جانے والوں کی بھیڑ رہی۔ مقبرۂ خیزران واقع بغداد آخری خوابگاہ ہے۔

امام ابوحنیفہ اپنی فطری ذہانت وفطانت عملی قوت اور علمی واخلاقی کمالات کے ساتھ ساتھ نہایت عابد مرتاض اور رقیق القلب تھے۔ خشیت الٰہی عبرت پذیری زہد وتقویٰ اور انابت الی اللہ میں آپ کا خاص حصہ تھا مستقل مزاج اور حق گو تھے۔ ذکر وعبادت میں ان کو بڑا لطف آتا تھا۔ بڑے ذوق وشوق سے ادا کرتے تھے۔ اس باب میں آپ کی شہرت ضرب المثل تھی۔ آپ کی شب بیداری کے واقعات اس کثرت سے بیان کئے گئے ہیں کہ وہ حد تواتر کو پہنچ گئے ہیں۔ شب بیداری اور قیام لیل ہی کی وجہ سے امام کو لوگ وتد یعنی میخ کہا کرتے تھے۔

معاملہ میں سچائی اور صاف گوئی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، ٹال مٹول سے نفرت تھی، قرضہ داروں کی مہلت دینا بلکہ معاف کردینا امام صاحب کا عام دستور تھا۔ آپ کی امانتداری مثال تھی۔ انتقال کے وقت پانچ کروڑ دینار یا درہم کی امانتیں تھیں۔ وہ بھی بجنسہٖ اپنی مہر کے ساتھ توڑوں میں ہر ایک کے نام وپتہ کے ساتھ۔

دولت کی فراوانی کے باوجود امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف تھی۔ خود فرماتے ہیں کہ میری ذاتی خوراک مہینے میں دو درہم سے زیادہ نہیں

ہے کبھی ستو اور کبھی روٹی۔ سہل بن مزاحم کا بیان ہے کہ ہم امام صاحب کے ہاں حاضر ہوتے تو ان کے کمرے میں چٹائیوں کے سوا اور کچھ نہ پاتے۔

تجارت واکتساب سے امام ابوحنیفہ کا مقصد خلق اللہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا۔ اور اپنی عزت کی حفاظت کرنا تھا۔ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ امراء وحکام کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑیگا تو اپنے پاس ایک درہم بھی نہ روکتا۔ امام صاحب نے اپنے احباب اور ملنے والوں کے لئے روز ینے مقرر کردیئے تھے شیوخ ومحدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص تھا جس کا نفع سال کے سال انکو پہنچا دیا جاتا گھر والوں کے لئے کوئی چیز خرید فرماتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجوا دیتے۔ شاگردوں میں جس کو تنگ حال دیکھتے اس کی کفالت خود فرماتے۔ اتفاقیہ کوئی ملنے آتا تو حال پوچھتے حاجتمند ہوتا تو نہایت فیاضی سے اس کی حاجت پوری فرماتے۔

امام صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حسن سیرت کے ساتھ حسن صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد خوش رو خوشخو خوش لباس تھے۔ ہمیشہ عطر استعمال فرماتے گفتگو کا انداز بہت عمدہ اور لہجہ نہایت شیریں تھا امام صاحب کے شاگرد رشید امام ابو یوسف نے ہارون الرشید کے سامنے امام صاحب کے محاسن واخلاق کی ترجمانی اس طرح کی:

جہاں تک میں جانتا ہوں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نہایت پرہیزگار تھے۔ منہیات کے قریب بھی نہ جاتے اکثر چپ رہتے اور سوچتے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے۔ نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے سامنے حاجت نہ لیجاتے اہل دنیا سے احتراز کرتے دنیوی جاہ کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بچتے تھے کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کا کرتے۔ بحر العلوم تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شبانہ روز کے معمولات عموماً یہ تھے کہ فجر کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ استفتا آئے ہوئے ہوتے تو ان کے جواب لکھتے۔ پھر

تدوین فقہ کی مجلس ہوتی بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا۔ گفتگو شروع ہونے کے بعد مسئلہ پر بحث ہوتی اور اس کو قلمبند کر لیا جاتا ظہر کی نماز پڑھ کر گھر تشریف لاتے۔ نماز عصر کے بعد بھی کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا۔ باقی وقت لوگوں سے ملنے ملانے بیماروں کی عیادت، ماتم پرسی اور غرباء کی خبر گیری میں صرف ہوتا مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا۔ نماز عشاء کے بعد نوافل میں مشغول ہو جاتے طویل قراءتیں ہوتیں اکثر ساری رات عبادت کرتے کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور یہ مشاغل وہیں انجام پاتے جو چیز امام ابوحنیفہ کی قوت ایجاد جودت طبع دقت نظر وسعت معلومات اور جملہ کمالات کا آئینہ ہے وہ علم الفقہ ہے جس کی تدوین میں انہوں نے اپنے تمام علمی کمالات ظاہر کر دیئے۔ (النقایہ)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا خوب کہا اعد ذکر نعمان لنا فان ذکرہٗ مسک ما کردتہٗ یتضوّع.

تذکرہ وکیع بن الجراح رحمہ اللہ تعالیٰ

وکیع بن الجراح، عبد اللہ بن مبارک، امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے شیخ واستاذ اور سفیان ثوری کے شاگرد ہیں، خوشحال خاندان سے تعلق تھا سفیان نے جب انہیں دیکھا تو کہنے لگے یہ بڑی شان لے کر دنیا سے رخصت ہوگا۔ قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید وکیع نہ صرف حدیث بلکہ فقہ میں بھی امامت کا درجہ پا گئے ہیں۔

قبلہ رخ بیٹھتے اور قبلہ رخ بولتے۔ ہر رات قرآن شریف کا ایک ختم کرتے دن کو روزہ زندگی بھر کا معمول رہا۔ بدن سے جسیم تھے مکہ گئے تو فضیل بن عیاض نے دیکھ کر کہا تم تو عراق کے راہب ہو پھر اتنے موٹے کیونکر۔ کہنے لگے اسلام کی وجہ سے نشاط اور مسرت کی کیفیت نے مجھے فربہ کر دیا۔

سینکڑوں محدّثین کی طرح حافظہ ان کا بھی غیر معمولی تھا حدیث کی مجلس میں زبان حافظہ کی قوت سے بولتی آنکھ سے کتاب دیکھ کر املاء حدیث کی عادت زندگی بھر نہیں اپنائی علی بن خشرم کہتے ہیں کہ میں نے وکیع کے ہاتھ میں کتاب کبھی نہیں دیکھی وہ خود پیکر حفظ تھے۔ میں نے پوچھا قوت حفظ کی کوئی دوا ہو تو مجھے بتا دیں۔ وکیع فرمانے لگے اگر بتا دوں تو استعمال کروگے علی نے کہا واللہ وکیع کیوں نہیں۔ فرمانے لگے ترک معاصی قوت حفظ کے لئے اس سے زیادہ مجرب دوا میں نے نہیں دیکھی۔

زندگی کی شام وسحر کو ایک نظام عمل کا پابند بنایا تھا کہ وقت کو قابو میں رکھنا اس کے بغیر مشکل بلکہ کہئے ناممکن ہے۔

وکیع کا نظام اوقات

خطیب نے تاریخ بغداد جلد ۱۳ صفحہ ۴۷۱ میں والد کے نظام الاوقات کی کہانی ان

کے بیٹے کی زبانی کچھ اس طرح نقل کی ہے۔

''میرے والد ہمیشہ روزہ رکھتے، اوقات کا نظام یہ تھا کہ صبح سویرے اٹھتے، نماز وغیرہ سے فارغ ہوکر حلقہ درس میں آتے حدیث پڑھاتے دن کافی چڑھ جاتا تو حلقہ سے اٹھ کر گھر آتے ظہر تک آرام کرتے نماز ظہر کے لئے اٹھتے نماز پڑھنے کے بعد اس سڑک کی طرف چلنے کا معمول تھا جدھر سے پانی بھرنے والے بھر بھر کر شہر کی طرف لاتے تھے وہاں ہر ایک سے دریافت کرتے کہ قرآن اس کو کتنا یاد ہے۔ جسے یاد نہ ہوتا اس کو قرآن کی اتنی سورتیں یاد کراتے جو نماز پڑھنے کے لے کافی ہوں۔ عصر تک یہی کام کرتے، نماز عصر اپنی مسجد میں پڑھتے نماز کے بعد درس قرآن دیتے، وقت اگر کچھ بچتا تو اللہ کی یاد میں مشغول ہوجاتے نماز مغرب کے بعد گھر تشریف لاتے تب افطار کا کھانا حاضر کیا جاتا دس رطل (پانچ سیر) سے کم مقدار مجموعی طور پر کھانے کی نہ ہوتی کھانے کے بعد نبیذ کا قرابہ پیش ہوتا نبیذ کی یہ مقدار بھی دس رطل کے قریب ہوتی، سردست جتنا جی۔ چاہتا نوش فرمالیتے جو بچ جاتا اس کو سامنے رکھ کر نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے اور رات کے معمولات شروع کرتے نماز کی دو یادو سے زیادہ رکعتوں سے فارغ ہوتے تو سامنے رکھے ہوئے نبیذ کے قرابہ سے پیتے جب نماز پڑھتے پورا قرابہ ختم کرڈالتے تو پھر سو رہتے۔''

دن بھر روزہ سے چونکہ ضعف پیدا ہوجاتا اس لئے رات کے معمولات پور. کرنے کے لئے ضعف کو نبیذ کی قوت سے دور کرتے جب سستی محسوس ہوتی پی۔ جب وہ ختم ہوتا سوجاتے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے نظ الاوقات کے ایک خاص حصہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص اسلوب میں یو رقمطراز ہیں:

''وکیع کے نظام الاوقات کا سب سے زیادہ عبرت انگیز جزء وہ ہے کہ سقوں کی گزرگاہ میں پہنچ کر ان کو قرآنی سورتیں یاد کراتے تھے آج کسی مولوی کو کسی قصبہ یا شہر میں معمولی سا امتیاز بھی حاصل ہوجاتا تو وہ بیچارا خدا جانے اپنے آپ کیا سمجھنے لگتا ہے لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستباز خادموں کو آپ دیکھ رہے ہیں، یہ وکیع ہیں وہی وکیع، امام فن رجال یحییٰ بن معین جن کے متعلق کہتے تھے کہ میری آنکھوں نے ان سے بڑا آدمی نہیں دیکھا، یہی دعویٰ امام احمد کا بھی تھا کہ علم میں وکیع جیسا آدمی میری نظر سے نہیں گزرا.............. لیکن جو اپنے وقت کا سب سے بڑا امام فقہ میں بھی تھا اور حدیث میں بھی وہ بہشتیوں کو قرآن کی ابتدائی سورتوں کے سکھانے کو بھی اپنی زندگی کا ایک فرض قرار دیئے ہوئے تھا ایسے ہی آدمی کے گھر میں یہ ہوسکتا تھا جیسا کہ ان کے صاحبزادے ابراہیم کا بیان ہے کہ میرے والد تہجد کی نماز کے لئے جس وقت اٹھتے تھے تو ان کے ساتھ سارا گھر اس نماز کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا، حتیٰ کہ گھر میں حبشن چھوکری تک تہجد پڑھتی تھی۔''

وکیع کی سن پیدائش ۱۲۸ھ ہے اور آپ کی وفات ۱۹۶ھ میں ہوئی۔

(متاع وقت کاروان علم)

ایک عالم کے امتحان کی حکایت

بعض حکایات میں مذکور ہے کہ بغداد کے فقہاء میں سے ایک ایسا شخص تھا جس کی طرف لوگ علم اور اصلاح کے لئے آتے جاتے تھے یہ شخص بہت بڑا فاضل تھا۔

اس نے حج بیت اللہ شریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کا ارادہ کیا اپنے شاگردوں کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے تیار کیا

اور ان سے یہ عہد لیا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے توکل پر چلیں گے۔

جب ان حضرات نے کچھ راستہ طے کرلیا تو ایک عیسائی کے گرجا گھر تک جا پہنچے ان کو گرمی اور پیاس نے حال سے بے حال کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا اے استاذ ہم اس گرجا گھر کی طرف چلتے ہیں اور دن ٹھنڈا ہونے تک اس کے سایہ میں رہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اگلے سفر کو چل پڑیں گے تو شیخ استاد نے فرمایا جیسے چاہو کرلو۔ تو یہ لوگ اس گرجا گھر کی طرف چلے گئے اور اس کی دیوار کے پاس اتر گئے۔ ان کو تھکاوٹ بھی بہت تھی اور پیاس بھی طالب علم تو سب سو گئے اور یہ شیخ نہ سویا۔

یہ شیخ ان کو سوتا ہوا چھوڑ اکر وضو کے لئے پانی طلب کرنے چلا گیا۔ اس نے سر اٹھایا تو ایک کمسن عورت کو دیکھا گویا کہ وہ نکلنے والے سورج کی طرح خو (بصورت) ہے جب شیخ نے (اس کو) دیکھا تو ابلیس نے اس کو اس کے دل میں بٹھا دیا۔ یہ وضو کو بھی بھول گئے اور پانی کو بھی بس اب اس کو صرف اور صرف اسی عورت کی لگن تھی اس نے آگے بڑھ کر آہستہ سے دروازہ کھٹکایا تو ایک راہب عیسائیوں کا عبادت گذار باہر نکلا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں فلاں عالم ہوں اور اپنا پورا تعارف کرایا اور نام بتلایا تو راہب نے کہا اے فقیہ المسلمین آپ کیا چاہتے ہیں؟

کہا اے راہب یہ لڑکی جو گرجا گھر کے اوپر سے نمودار ہوئی تھی تمہاری کیا لگتی ہے تو راہب نے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے لیکن آپ کیوں پوچھتے ہیں شیخ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے میرا نکاح کردو راہب نے کہا کہ یہ ہمارے دین میں ناجائز ہے اگر جائز ہوتا تو میں لڑکی کے مشورہ کے بغیر اس کا نکاح آپ سے کر دیتا۔ لیکن میں نے اس کے حق میں اپنے دل میں ایک عہد کیا ہوا ہے کہ میں اس کا نکاح اسی سے کروں گا جس کو وہ اپنے لئے پسند کرے گی۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں اور اس کو آپ کے متعلق اطلاع کرتا ہوں اگر وہ اپنے لئے آپ کو پسند کرلیتی ہے تو میں اسے آپ سے بیاہ دوں گا۔

تو شیخ نے کہا بڑی خوشی اور مہربانی کے ساتھ وہ راہب اپنی بیٹی کے پاس گیا اور سارا قصہ سنایا جس کو وہ شیخ بھی سن رہا تھا۔

لڑکی نے کہا ابا جان! آپ اس سے مجھے کیسے بیاہیں گے عیسائیت پر ہوں اور وہ دین اسلام پر ہے اس کی یہ خواہش۔ کبھی پوری نہیں ہوسکتی الا یہ کہ وہ بھی عیسائی ہوجائے۔

تو راہب نے بیٹی سے کہا تیرا کیا خیال ہے کہ اگر وہ تیرے دین میں داخل ہوجائے تو اس سے شادی کرلے گی؟

اس نے کہا ہاں (کرلوں گی)

شیخ عالم کا تقاضا اس اثناء میں بڑھتا چلا جارہا تھا اور شیطان اس کے دل میں لڑکی کو خوب بنا سنوار رہا تھا شیخ کے شاگرد سورہے تھے ادھر جو کچھ ہورہا تھا اس کا ان کو کچھ پتہ نہ تھا۔

اسی وقت شیخ لڑکی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا میں اپنا دین اسلام چھوڑتا ہوں اور تیرے دین کو قبول کرتا ہوں۔

لڑکی نے شیخ سے کہا یہ شادی عزت ووقار کی ہے لیکن زوجیت کا حق اور مہر ادا کرنا ضروری ہے اور یہ حق تو کیسے ادا کرے گا میرا خیال ہے کہ تو ایک فقیر آدمی ہے بہر حال میں اپنے حق میں تم سے یہ مطالبہ کرتی ہوں کہ ان خنزیروں کو ایک سال تک چراؤ گے اور یہی میرا حق مہر کا ہوگا۔ شیخ نے کہا کہ درست ہے یہ تیرا حق ہے لیکن میری ایک شرط ہے تو میرے سامنے اپنا چہرہ نہیں چھپائیگی تاکہ میں صبح وشام دیکھ سکوں۔ لڑکی نے کہا ہے کہ ٹھیک ہے شیخ نے اپنا وہ عصا اٹھایا جس سے خطبہ دیا کرتا تھا اسے لے کر کے خنزیروں کی طرف لیجانے کے لئے ہانکنے لگا۔ یہ سب کچھ ہوگیا لیکن اس کے شاگرد نیند میں تھے۔ جب وہ اپنے نیند سے بیدار ہوئے تو شیخ کو تلاش کیا تو وہ نہ ملے۔ انہوں نے راہب سے پوچھا تو اس نے سارا قصہ سنا ڈالا۔ کوئی تو اس سے

بہوش ہو کر گر پڑا اور رونے لگا اس کے حالات پر افسوس کرنے لگا پھر راہب سے پوچھا وہ کہاں ہے راہب نے کہا وہ خنزیر چرا رہا ہے۔ تو شاگرد اس کی طرف چل دیئے اور استاد کو اپنے اس عصا کے ساتھ ٹیک لگائے دیکھا جس سے خطبہ دیتا تھا اسے اسی سے خنزیروں کو ہانک بھی رہا تھا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے کہا اے ہمارے سردار! یہ کونسی مصیبت ہے جو آپ پر ٹوٹ پڑی ہے؟ ہم اس کو قرآن اور اسلام کی فضیلت یاد دلاتے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کرتے اور اس کے سامنے قرآن وحدیث پڑھتے رہے۔ شیخ نے ہمیں کہا تم میرے پاس سے چلے جاؤ جو تم مجھے یاد دلا رہے ہو اس کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ مجھ پر اللہ رب العالمین کی طرف سے امتحان نازل ہوا ہے (شاگرد کہتے ہیں) ہم نے ان کو ساتھ لے جانے کی جتنی کوشش کی ناکام رہے اس کے بعد ہم مکہ کی طرف چل پڑے اور ان کو چھوڑ دیا۔ لیکن ہمارے دلوں میں اس کی حسرت رہی ہم نے حج کرلیا اور بغداد کی طرف واپس لوٹنے کا ارادہ کیا۔

جب ہم اسی جگہ پر پہنچے تو کہا کہ آؤ شیخ کو دیکھتے ہیں چلیں اس نے کیا کیا شاید وہ شرمندہ ہوا ہو اللہ تعالیٰ سے توبہ کی ہو اور اپنے برے حال سے واپس ہو گیا ہو۔ کہتے ہیں کہ ہم اس کی طرف گئے تو اس کی سابقہ حالت پر پایا اور وہ خنزیر چرا رہا تھا۔ ہم نے اس کو سلام کیا اس نے ہمیں سلام کا جواب دیا ہم نے اس کے سامنے قرآن کریم پڑھا اس نے ہمیں کوئی جواب نہیں دیا۔ تو ہم اس کے پاس سے چلے گئے لیکن اس کی خاطر ہمارے دلوں میں بہت حسرت رہی۔ کہتے ہیں جب ہم گرجا گھر سے کافی دور نکل آئے تو ہم نے ایک سایہ دیکھا جو گرجا گھر کی طرف کونے سے ہماری طرف کو آ رہا ہے اور زور زور سے پکار رہا ہے تو ہم اس کے لئے رک گئے۔ وہی شیخ تھا جو ہمارے ساتھ آملا۔ اور کہا:

﴿اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمد رسول اللّٰہ﴾

میں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ کی ہے اور جس حالت میں تھا اس کی طرف واپس آگیا ہوں یہ مصیبت ایک گناہ کی وجہ سے ہوئی ہے جو میرے اور میرے پروردگار کے مابین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی سزا دی تھی۔ یہ اس کی مصیبت تھی جو تم نے دیکھی۔ کہتے ہیں ہم ان کے لوٹنے سے بیحد درجہ خوش ہوئے۔ اور شیخ جتنا عبادت کرتے تھے اب سے زیادہ عبادت میں متوجہ ہو گئے۔ اسی طرح سے ہم شیخ کے گھر میں ایک دن پڑھ رہے تھے ایک عورت آکر کے دروازہ کھٹکھٹایا ہم اس کے پاس گئے تو اس سے پوچھا کہ کیا کام ہے؟ کہنے لگی شیخ کے پاس آئی ہوں۔ اس کو بتلاؤ فلاں راہب کی بیٹی آئی ہے اور آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنا چاہتی ہوں۔ تو شیخ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دیدی جب وہ اندر آئی تو شیخ سے کہا اے میرے سردار میں اس لئے آئی ہوں کہ آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کروں۔ شیخ نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگی جب آپ مجھے چھوڑ کر آئے تو مجھ پر نیند نے غلبہ کیا تو میں سو گئی میں نے خواب میں علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا وہ کہہ رہے تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے علاوہ کوئی دین (سچا) نہیں ہے۔

یہ بات انہوں نے تین دفعہ پڑھوائی۔ اس کے بعد مجھے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ اپنے اولیاء میں سے ایک کا امتحان لیا ہے۔ میں اس وجہ سے آپ کے پاس آئی ہوں اور آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ میں اشهد ان لا الٰہ الا اللہ و اشهد ان محمد رسول اللہ پڑھتی ہوں۔ وہ بزرگ اس سے بہت خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ پر اس کے اسلام قبول کرنے کا احسان فرمایا اور اس کو اللہ کے حکم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اسلام پر بیوی بنا دیا۔ شاگرد کہتے ہیں کہ ہم نے شیخ سے اس گناہ کے متعلق پوچھا جو ان سے اللہ تعالیٰ کے بارگاہ میں سرزد ہوا ہے۔ شیخ نے بتلایا ایک دن کسی گلی سے گزر رہا تھا ایک نصرانی مجھے چمٹ گیا میں نے اس سے کہا تجھ پر خدا کی لعنت ہو مجھ سے دور ہو جاؤ۔

تو اس نے کہا مجھ پر اللہ کی لعنت کیوں ہو؟ میں نے کہا اس لئے کہ میں تم سے بہتر ہوں۔ یعنی میں مسلمان ہوں اور تو کافر ہے۔ تو نصرانی میری طرف متوجہ ہوا کہ اور کہا تمہیں کس نے بتلایا کہ تم مجھ سے بہتر ہو۔ تمہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا منظور ہے جو تم یہ بات کہہ رہے ہو اس شخص کے متعلق مجھے بعد میں علم ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ بہترین طریقہ سے اسلام پر عمل کر رہا ہے اور خوب عبادت کر رہا ہے اسی بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے تبلیغ کی جس کو تم نے دیکھا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت میں ایمان کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔

(بحر الدموع)

(اہل علم کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ کسی آدمی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے۔ خصوصاً ان طالبعلموں کو چاہئے کہ وہ کسی کمزور طالب علم کو حقیر نہ سمجھے۔ اکثر یہ رواج طالبعلموں میں بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ جب کوئی کمزور طالب علم تکرار کے دوران کسی ذہین طالب علم سے کوئی لفظ پوچھتا ہے تو ان کو نہیں بتاتے اور جب کوئی ذہین طالب کسی دوسرے ذہین طالب علم سے کوئی لفظ پوچھتا ہے تو خوشی کے ساتھ ان کو وہ لفظ بتاتے ہیں۔ بندہ جب پڑھتا تھا تو رات کے وقت تکرار میں جب طالبعلموں کے ساتھ بیٹھتا تھا تو تکرار کے دوران کوئی کمزور طالب علم پوچھتا کسی ذہین طالب علم سے تو اکثر یہ دیکھا گیا کہ حقارت کی نظر سے دیکھتے اور ان کو جواب دیتے۔

لہٰذا میں طالبعلموں سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی کمزور طالب علم کو حقیر نہ سمجھیں۔ کیا پتہ کہ وہ کمزور طالب علم اللہ کے ہاں معزز ہوں۔ (از راقم الحروف)

علم کی عزت افزائی

ہشیم بن بشیر اصل میں بخارا کے تھے لیکن بغداد میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان کے والد بشیر باورچی تھے، کھانا پکانا پیشہ تھا، ہشیم کو بچپن ہی سے پڑھنے کا شوق تھا،

انہیں اپنے آبائی پیشہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی جبکہ ان کے گھر والوں کو ان کا پڑھنا پسند نہیں تھا وہ گھر والوں کے نہ چاہنے کے باوجود مسلسل پڑھتے رہے۔ بغداد میں قاضی ابوشیبہ کا درس حدیث مشہور تھا یہ اس میں پابندی سے جانے لگے۔ پابندی سے پڑھنے والا طالب علم استاذ کی نظروں میں آجاتا ہے ایک مرتبہ ہشیم بیمار ہوئے اور درس میں نہیں آئے۔ قاضی ابوشیبہ نے ان کا پوچھا کسی نے کہا بیمار ہے فرمایا چلئے ہم ان کی عیادت کر آتے ہیں۔ عیادت کے لئے جانے لگے تو اہل مجلس اور شاگرد بھی ساتھ ہوگئے سب نے بشیر باورچی کے گھر جا کر ان کے بیٹے ہشیم کی عیادت کی، قاضی کے واپس جانے کے بعد بشیر باورچی ان سے کہنے لگے ”بیٹے! میں تمہیں علم حدیث حاصل کرنے سے روکتا تھا لیکن اب نہیں روکوں گا یہ اس علم ہی کی برکت ہے کہ قاضی آج میرے دروازے پر آیا، ورنہ مجھے اس کی کہاں امید تھی۔“

(تاریخ بغداد ج ۱۴، ص ۵۷)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مختصر حالاتِ زندگی

شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت

شاہ صاحب کی ولادت چہار شنبہ کے دن ۴ شوال ۱۱۱۴ھ طلوع آفتاب کے وقت اپنے نانیہال قصبہ پھلت حال ضلع مظفر نگر میں ہوئی، تاریخ ولادت عظیم الدین سے نکلتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی عمر ساٹھ سال تھی شاہ عبدالرحیم کو اس مبارک فرزنگ کی ولادت سے پہلے بہت سے مبشرات نظر آئے تھے، شاہ عبدالرحیم صاحب نے ساٹھ سال کی عمر میں پہلی اہلیہ کی موجودگی میں جو شیخ صلاح الدین کی والدہ تھیں شادی کا ارادہ کیا اس میں اشارات غیبی اور بشارات کو دخل تھا جب شیخ محمد کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنی صاحبزادی کو نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا اور اوائل ۱۱۱۴ھ میں یہ مبارک عقد ہوگیا۔

القول الجلی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسم گرامی فخر النساء تھا اور وہ علوم دینیہ میں ایسا درگ رکھتی تھیں جس کا خواتین کو بہت کم موقعہ اور شرف حاصل ہوتا ہے کتاب کے مصنف شیخ محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں کہ جو ان کے حقیقی بھائی کے فرزند تھے،

(وصاحب البيت ادرىٰ بما فيه)

والدۂ شریفہ شاں کہ بعلم شریعت از تفسیر وحدیث عالمہ، وآداب طریقت متادّبہ وباسرار حقیقت عارفہ وبمصداق اسم خود فخر النساء بودند

آپ کی والدۂ ماجدہ تفسیر وحدیث جیسے علوم شرعیہ کی عالم آداب طریقت سے آراستہ پیراستہ اسرار حقیقت کی معرفت رکھنے والی اور ان وجوہ سے حقیقتاً طبقۂ اناث

کے لئے باعث فخر اور اسم با مسمّٰی تھیں۔

ولادت سے پہلے شاہ عبدالرحیم صاحب نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خواب میں زیارت کی انہوں نے فرزند کی بشارت دی اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر قطب الدین احمد رکھنا شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری ولادت ہوئی تو والد صاحب کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی اور انہوں نے ولی اللہ نام رکھا۔ کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو میرا دوسرا نام قطب الدین احمد تجویز کیا۔

شاہ صاحب سات سال کے تھے کہ والدین کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے اور دعا کرتے وقت ان دونون کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دیئے اور اس طرح وہ خواب پورا ہوا جو ان کے والد ماجد نے ان کی ولادت سے قبل دیکھا تھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم

شاہ صاحب کی عمر جب پانچ سال کی ہوئی تو مکتب میں دخل کئے گئے، سات سال کی عمر میں سنت ابراہیمی ادا ہوئی اور ختنہ ہوا اور اسی عمر سے نماز کی عادت ڈال دی گئی۔ اس سال کے آخر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت ہوئی اور فارسی کتابیں اور عربی کے مختصرات پڑھنا شروع کئے اور کافیہ ختم کی دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی فرماتے ہیں کہ مجھ میں بالجملہ مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی چودہ سال کی عمر میں بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا، پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان میں رائج علوم علوم متداولہ سے فراغت کی والد صاحب نے اس خوشی میں بہت بڑی دعوت کی اور بڑے پیمانہ پر کھانا تیار کیا جس میں خواص وعوام شریک ہوئے۔

اسی پندرہ برس کی عمر میں والد صاحب سے مشکوۃ کا درس لیا جس کا صرف تھوڑا حصہ (کتاب البیوع سے آداب تک) رہ گیا، کتاب کی قرأت دوسرے ساتھی نے کی تھی جو حصہ رہ گیا تھا اس کی بھی اجازت والدؒ صاحب سے حاصل ہوئی، والد صاحب

ہی سے صحیح بخاری کتاب الطہارت تک شمائل ترمذی مکمل تفسیر مدارک و بیضاوی کا کچھ کچھ حصہ پڑھا، فرماتے ہیں کہ خدا کا ایک بڑا انعام یہ ہوا کہ والد صاحب کے درس قرآن میں کئی بار شریک ہوا جس سے معانی قرآن کا ایک دروازہ کھل گیا۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا پڑھا ہوا نصاب

شاہ صاحب نے الجزء اللطیف میں اپنے پڑھے ہوئے نصاب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے، فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ (کچھ حصہ چھوڑ کر) اصول فقہ میں حسامی اور توضیح وتلویح کا بڑا حصہ منطق میں شرح شمسیہ مکمل اور ایک حصہ شرح مطالع کا علم کلام میں شرح عقائد مکمل خیالی کے حاشیہ کے ایک حصہ کے ساتھ کچھ حصہ شرح موافق کا پڑھا، سلوک میں ایک حصہ عوارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ کا، حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی اور لوائح مقدمہ شرح اللمعات مقدمہ نقد النصوص، خواص اسماء وآیات میں وہ مجموعہ جو خاص اس موضوع پر ہے۔ اور الفوائد الماۃ وغیرہ والد صاحب نے کئی بار مجھے ان خواص وفوائد کی اجازت دی۔

طب میں موجز فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیر معانی میں مطول کا بڑا حصہ مختصر المعانی کا اتنا حصہ جس میں ملازادہ کا حاشیہ ہے ہندسہ اور حساب میں بعض مختصر رسائل شاہ صاحب کے اس نصاب میں ان کے والد اور استاد حقیقی شاہ عبدالرحیم صاحب کے اس اجتہاد وانتخاب کو بھی کچھ دخل تھا ساتویں صدی ہجری سے ہندوستان میں جو نصاب درس رائج تھا اور جس میں نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ کے ملتان سے دہلی آنے پر علم کلام وبلاغت ومعقولات کی بعض کتابوں کا اضافہ ہوا پھر دسویں صدی میں امیر فتح اللہ شیرازی کی آمد ہندوستان پر ایران کے علمائے متاخرین محقق دوانی میر صدر الدین شیرازی اور میر غیاث الدین منصور اور مرزا جان کی تصنیفات داخل نصاب ہوئیں، غالباً شاہ عبدالرحیم صاحب کی حقیقت پسندی

اور اپنے ہونہار فرزند کی زکاوت پر اعتماد کر کے ان میں سے کئی کتابوں کو جن میں اکثر مکرّر مضامین تھے) حذف کر دیا گیا مثلاً نحو میں مصباح لبّ الالباب مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی) ارشاد (مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی) کے بجائے صرف کافیہ اور شرح جامی پڑھائی گئی اصول فقہ میں منارا اور اس کے شروح اور اصول بزدوی کے بجائے حسامی اور توضیح وتلویح کا کچھ حصہ تفسیر میں کشاف ترک کر دی گئی حدیث میں مشارق الانوار شامل نہیں ہے۔

ادب میں مقامات حریری کا عام رواج تھا اور بعض بزرگوں کے حفظ کرنے کا بھی ذکر آتا ہے لیکن شاہ صاحب کے نصاب درس میں وہ نظر نہیں آتی۔ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بہت سی کتابیں بارہویں صدی کے اوائل تک بہت سے حلقہائے درس میں متروک ہوگئی ہوں۔

واضح رہے کہ بارہویں صدی ہجری ہی میں استاد العلماء ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی نے جو حضرت شاہ صاحب کے کبیر السن معاصر تھے اور جنھوں نے شاہ صاحب کی وفات سے پندرہ سال پہلے ۱۱۶۱ھ میں رحلت کی اس نصاب درس میں بہت عظیم اضافہ کیا خاص طور پر صرف ونحو منطق وفلسفہ ریاضی وبلاغت اور علم کلام میں کثیر التعداد کتابوں کا اضافہ کیا جن میں مزید اضافہ کے بعد جو ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کے دور میں بغیر کسی منصوبہ کے ہوا) اس نصاب نے درس نظامی کی وہ آخری شکل اختیار کی جو ابھی تک قدیم مدارس میں رائج ہے۔

شاہ صاحب کے بیان کیے ہوئے نصاب درس میں ادب عربی کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔ حالانکہ شاہ صاحب کی عربی تالیفات بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ شہادت دیتی ہے کہ ان کو عربی زبان اور اس میں تحریر وانشاء پر نہ صرف قدرت تھی بلکہ جہاں تک حجۃ اللہ البالغہ کا تعلق ہے) وہ اس میں ایک ایسے طرز اسلوب کے بانی ہیں جو علمی مضامین ومقاصد کے شرح وبیان کے لئے موزوں ترین اسلوب ہے اور جس میں

علامہ ابن خلدون کے بعد ان کا کوئی ہم پایہ اور ہمسر نظر نہیں آتا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے بطور خود عربی ادب اور نثر ونظم کی ان قدیم معیاری کتابوں کا مطالعہ کیا ہو سلاست وحلاوت کا نمونہ تھیں اور حجاز کے قیام میں خاص طور پر عربی کے اثرات سے بہت کچھ محفوظ تھیں اور حجاز کے قیام میں خاص طور پر عربی میں اس عظیم تصنیفی کام کی تیاری کی جس کو تدبیر الٰہی نے شاہ صاحب کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اگر مقامات حریری کا ذکر سہواً نہیں چھوٹ گیا ہے تو اس کے شاہ صاحب کے نصاب میں داخل نہ ہونے سے بجائے نقصان کے فائدہ ہوا ہوگا کہ متاخرین عام طور پر اس کے زخم خوردہ ہیں اور اس کی وجہ سے سجع وقوافی کے ایسے پابند کہ بے تکلفی اور روانی کے ساتھ مطالب عالیہ کے ادا کرنے اور اظہار مافی الضمیر سے عام طور پر قاصر نظر آتے ہیں حریری کے بعد جس نے بھی کسی مضمون پر قلم اٹھایا یا حریری ہی کے قلم سے لکھا جس کا قط پرانا ہوگیا تھا رسائل وخطوط اور کتابوں کی تقریظیں حتیٰ کہ فتاوے کی طویل عبارتیں بھی حریری کے اس اثر سے آزاد نہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانہ میں مضامین عالیہ ذہن میں آتے تھے، جن میں برابر ترقی محسوس ہوتی تھی والدہ صاحب کے وفات کے بعد ۱۲ سال تک دینی کتب اور عقلی علوم کی کتابیں پڑھانے کی پابندی کی اور ہر علم میں غور وخوض اور اشتغال کا موقعہ ملا۔

شاہ صاحب کا درس حدیث

شاہ صاحب نے حجاز سے واپس آنے کے بعد اپنے والد صاحب مدرسہ رحیمیہ میں جو اس وقت پرانی دلی میں اس محلّہ میں جواب منہدیاں کہلاتا ہے واقع تھا اور درس شروع کر دیا لیکن چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلباء کھینچ کھینچ کر پہنچنے لگے اس وقت یہ جگہ ناکافی ثابت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بہت سی بے توفیقیوں اور کمزوریوں کے ساتھ) محمد عمر شاہ بادشاہ کے مقدر میں رکھی تھی۔ اس نے شاہ صاحب کو شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر شہر میں بلایا اور آپ نے وہاں درس شروع کر دیا، مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں:

یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھا غدر میں مکانات لوٹ لئے گئے کڑی تختے تک لوگ اٹھا لئے گئے۔

اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ایک جگہ اس مدرسہ کی مسجد کا تذکرہ ہے

شاہ صاحب نے فرمایا:

درآں ہنگام بزرگان بسیار واولیاء بسیار از یاران والد ماجد مثل شاہ محمد عاشق ومولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد ہذا می بودند۔

میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور اولیاء جو والد ماجد کے احباب وخواص میں سے تھے مثلاً شاہ محمد عاشق مولوی نور محمد وغیرہ اس مسجد میں معتکف ہوا کرتے تھے۔

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف نزہۃ الخواطر نے ۱۸۹۴ھ میں دہلی اور اس کے اطراف کا سفر کیا تھا، ۲۶ رجب کے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"میاں سید نذیر حسین صاحب کے درس سے آنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ حضرت مولانا ومولی الکل مقتدائے ارباب تمیز شاہ عبدالعزیز صاحب روح اللہ روحہ کے مدرسہ کی زیارت کروں جس میں ہمارے بزرگوں نے یکے بعد دیگرے استفادہ کیا ہے۔ اور جس کی خاکروبی کو فخر

وسعادت سمجھا ہے یہاں سے جامع مسجد اور اس کے آگے چتلی قبر تک گیا اور چتلی قبر سے دو راستے ہیں ایک داہنے ہاتھ کو وہ سیدھا خانقاہ کو گیا ہے دوسرا بائیں ہاتھ کو، اس راستہ پر بہت دور تک چلا گیا آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ کو کوچۂ فولاد خاں کو سڑک گئی ہے وہ سیدھی کلاں محل تک چلی گئی ہے۔ کلاں محل میں ہمارے شیخ المشائخ مولانا "ومقتدانا" رحمہ اللہ تعالیٰ کا مدرسہ ہے اس کی حالت کو دیکھ کر خاوية علی عروشها قال انی یحی هذه الله بعدموتها کی آیت یاد آئی۔ اللہ اللہ کیا کارخانۂ قدرت کی نیرنگیاں ہیں ایک وہ دن تھا کہ عرب وعجم کے لوگ اس مدرسہ میں رہتے تھے۔ اور فائدہ حاصل کرتے تھے اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ ویران اور خراب پڑا ہے کوئی رہنے والا نہیں۔"

پھر اسی خاندان کی ایک یادگار مولوی سید ظہیر الدین احمد صاحب کی روایت سے نقل کیا ہے کہ منہدیوں میں جہاں ان حضرات کے مزار ہیں وہاں مدرسہ بھی تھا، شاہ عبد الرحیم کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نئے شہر میں تشریف لائے یہ مدرسہ ان کو دیا گیا اور وہ یہیں رہ پڑے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات

بالآخر اس بیش قیمت وبابرکت مدت حیات کے جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید اور احیاء وسنت، قرآن وحدیث کی نشر اشاعت تعلیم وتربیت، یاد الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی فکر میں مصروف تھا، خاتمہ بالخیر کا دن آ گیا جس سے "کل نفس ذائقة الموت" کے اعلان ووعدہ کے مطابق نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی نہ مجدّد نہ مجاہد، ۱۱۷۶ھ شروع ہوا تھا، محرم کی آخری تاریخ تھی کہ یوم موعود آ پہنچا اور حضرت شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد باسٹھ (۶۲) سال کی عمر میں

اس دار فانی کو خیر باد کہا۔ اور جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ (بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت)

مضت الدهور وما اتين بمثله
ولقد اتا فعجزن عن نظرائه

(کذافی دیوان المتنبی)

تذکرہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ

جن علماء اور محدثین عظام رحمۃ اللہ علیہم نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا اور امت مسلمہ کا تعلق برقرار رکھنے کے لئے دن رات جدوجہد عظیم انہی میں سے ایک عظیم محدث جلیل، صاحب مسلم، امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

امام مسلم نام اور سلسلہ نسب

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اصل اور صحیح نام ''مسلم'' ہی ہے۔ والد کا نام الحجاج تھا، کنیت ابوالحسن اور لقب عساکر الدین ہے، سلسلہ نسب یہ ہے، مسلم بن حجاج بن ورد بن کوشار

امام مسلم کی نسبت قبیلہ قریش کی طرف کی جاتی ہے اور خراسان کے ایک شہر نیشاپور کی طرف نسبت کرتے ہوئے نیشاپوری بھی کہا جاتا ہے۔

امام مسلم کے سن ولادت میں کچھ اختلاف ہے۔ عام طور پر تین سن ولادت بیان کیے جاتے ہیں۔۲۰۲ھ، ۲۰۴ھ، ۲۰۶ھ

سن وفات: امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔ امام مسلم کی وفات بھی بڑی عجیب انداز سے ہوئی۔ وہ یہ کہ ایک مجلس مذاکرہ میں امام مسلم سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ امام مسلم کو فوری طور پر پوچھی گئی حدیث یاد نہ آئی تو گھر آکر رات کو وہ حدیث تلاش کرنے بیٹھ گئے۔

کسی نے امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں کھجوروں کا ایک ٹوکرا رکھ دیا۔ امام مسلم حدیث تلاش کرنے میں ایسے منہمک ہوئے کہ ساتھ ساتھ ایک ایک کر کے کھجوریں بھی کھاتے رہے اور حدیث بھی تلاش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ساری

رات بھی گزر گئی اور حدیث بھی مل گئی اور وہ کھجوروں کا ٹوکرا بھی کھاتے کھاتے ختم ہوگیا اور کہا جاتا ہے کہ یہی اس قدر کثرت تعداد میں کھجوروں کا کھانا ہی امام مسلم کی وفات کا سبب بن گیا۔ ۲۴ رجب ۲۶۱ھ بروز اتوار کے دن شام کے وقت وفات پائی اور نیشاپور میں دفن ہوئے۔

ابوحاتم رازی نے امام مسلم کی وفات کے بعد ان کو خواب میں دیکھا تو حاتم رازی نے امام مسلم سے ان کا حال پوچھا تو امام مسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک نے میرے لئے ساری جنت مباح فرمادی ہے جہاں چاہو میں جا کر رہوں۔ ابوعلی ذعون رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ کسی نے امام مسلم کو خواب میں جنت میں دیکھا تو پوچھا: کیسے نجات ہوئی؟ تو امام مسلم نے فرمایا: اس جزائی کی وجہ سے اور وہ جزء صحیح مسلم کا تھا۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا حالات زندگی اور اساتذہ کرام

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۱۸ھ میں احادیث کا سماع شروع فرمایا۔ ان کے اساتذہ کرام میں امام احمد بن حنبل، امام قعنبی، امام احمد بن یونس، سعید بن منصور، ابوعبد اللہ بن مسلمہ، حرملہ بن یحییٰ وغیرہ شامل ہیں۔ امام مسلم نے اپنے والدین کی سرپرستی میں بہترین تربیت حاصل کی اور اس پاکیزہ تربیت کا یہی اثر تھا کہ ابتدائی عمر سے زندگی کے آخری لمحات تک امام مسلم نے نہایت ہی پرہیز گاری، دینداری کی زندگی گزاری اور کبھی اپنی زبان سے کسی کو برا نہیں کہا حتیٰ کہ نہ کسی کی غیبت کی نہ ہی کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا پیٹا۔

نیشاپور میں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ کا قوت حافظہ اس قدر تھا کہ آپ نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں رسمی علوم وفنون حاصل کر کے احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ مبذول کرلی۔ امام مسلم نے احادیث نبویہ کے حصول کے لئے مختلف مقامات کی خاک چھانی، عراق، حجاز، مصر وشام تو کئی مرتبہ تشریف لے گئے اور

بغداد میں تو آخری عمر کا سفر کا سلسلہ جاری رہا۔ (تاریخ لکھان ج ۲ ص ۱۳۳)

بغداد کا آخری سفر امام مسلم نے ۲۵۹ ھ میں فرمایا جس کے دو سال بعد ہی امام مسلم کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشہور شاگرد

صاحب ترمذی ابوعیسی ترمذی امام ابوبکر ابن خزیمہ امام ابوعوانہ ابوحاتم رازی یحیٰ بن ساعدہ امام مسلم کے ان کے علاوہ اور بہت سے آئمہ حدیث شاگرد ہیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشہور تصانیف میں صحیح مسلم ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سے کونسے راجح ہے؟

بڑی کثرت سے علمائے کبار نے صحیح بخاری کو صحیح مسلم پر ترجیح دی ہے اور حافظ ابوعلی نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح مسلم کو علم حدیث کی تمام تصانیف پر ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ ماتحت ادیم السماء اصحح من کتاب مسلم فی علم الحدیث یعنی علم حدیث میں روئے زمین پر مسلم سے بڑھ کر صحیح ترین اور کوئی کتاب نہیں۔

اہل مغرب کی ایک جماعت کا بھی یہی خیال ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ اپنی صحیح میں صرف وہ حدیثیں بیان کرینگے جس کو کم از کم دو ثقہ تابعین نے دو صحابیوں سے روایت کیا ہو اور یہی شرط تمام طبقات تابعین و تبع تابعین میں ملحوظ رکھی ہے یہاں تک کہ سلسلۂ اسنادان (مسلم) تک ختم ہوا دوسرے یہ کہ وہ راویوں کے اوصاف میں صرف عدالت پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ شرائط شہادت کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر پابندی نہیں ہے۔ (بستان المحدثین ص ۱۷۸)

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت وعادات اور مقام ومرتبہ

جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کے ابتدائی حالت میں پہلے گزر چکا ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی پرہیز گاری اور دینداری کی زندگی گزاری اور زندگی بھر کبھی بھی کسی کی غیبت نہیں کی اور نہ ہی کسی کو برا بھلا کہا۔ نہایت ہی پاکیزہ خلق اور انصاف پسند تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مسلم کی خدا داد قابلیت اور قوت حافظہ کی بدلت ان کے زمانہ کے بزرگ امام مسلم کے کمال کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے اور یہاں تک کہ وہ محدثین رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ امام مسلم کے ہم درجہ تھے ان سے بلا تامل روایت کرتے تھے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی ابوحاتم رازی، یحییٰ بن ساعدہ، ابوعوانہ وغیرہ اور دیگر ممتاز محدثین عظام رحمہ اللہ تعالیٰکے نام امام مسلم سے روایت کرنے والوں کی فہرست میں دکھائی دیتے ہیں۔

حضرت احمد بن سلمہ جو کہ امام مسلم کے ہم جماعت تھے۔ ان کا امام مسلم کے ساتھ تعلق کا یہ عالم تھا کہ لگاتار پندرہ سال تک امام مسلم کی رفاقت کا لطف اٹھاتے رہے اور صحیح مسلم کی ترتیب میں امام مسلم کے شریک رہے۔

امام مسلم کے ساتھ بلخ اور بصرہ کا سفر کیا۔ یہی حضرت احمد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں نے بوزرعہ اور بوحاتم کو دیکھا کہ وہ لوگ معرفت حدیث میں امام مسلم کو اپنے زمانہ کے مشائخ پر ترجیح دیتے تھے۔ امام مسلم کی خداداد صلاحیتوں نے خود امام مسلم کے اساتذہ کرام کو بھی ان کا اس قدر گرویدہ بنالیا تھا کہ اسحاق بن راہویہ جیسے امام فن بھی پکار اٹھے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ یہ آدمی کس بلا کا ہوگا اور واقعی یہ آدمی اس بلا کا ہوا کہ اسحٰق کو یہ کہنا پڑا ہے:

﴿لن نعدم الخير مابقاك الله المسلمين﴾

یعنی جب تک اللہ تعالیٰ آپ کو مسلمانوں کے لئے زندہ رکھے گا خیر اور بھلائی

ہمارے ہاتھ سے نہیں جانے پائے گی۔ (مقدمہ فتح الملہم ص ۱۰۰)

ابوقریش نے دنیا کے چار حفاظ کرام میں سے ایک امام مسلم کو شمار کیا ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے تین لاکھ احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے منتخب کر کے یہ کتاب صحیح مسلم تیار کی ہے۔ اللہ پاک ہمیں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ تعلق ومحبت کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارک کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہر گمراہی سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین (از مصنفین)

تذکرہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا حلیہ مبارکہ:

مطرف بن عبداللہ الیساری کہتے ہیں کہ آپ دراز قد، فربہ جسم، سفید رنگ مائل بہ زردی کشادہ چشم، بلند وخوبصورت ناک رکھتے تھے۔ ان کی پیشانی میں سر کے بال کمی کے ساتھ تھے جس کو عربی میں اصلع کہتے ہیں (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اصلع تھے) ڈاڑھی گنجان اور اس قدر لمبی تھی کہ سینہ تک پہنچی تھی۔ مونچھوں کے بال جو لبوں کے کنارے ہوتے تھے ان کو کترواتے تھے اور منڈوانے کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید فرماتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالات میں بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ کسی معاملہ متفکر ہوتے تو اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مونچوں کے دوطرفہ بال دراز تھے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نہایت خوش پوشاک عدن کے بنے ہوئے نہایت نفیس اور بیش قیمت کپڑے پہنتے تھے لباس اکثر سفید ہوتا تھا اور اکثر اوقات عطر لگایا کرتے تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا تحصیل علم

امام صاحب نے آنکھ کھولی تو مدینہ باغ وبہار تھا آپ کا گھرانہ خود علوم کا مرجع تھا۔ آپ نے قرآن مجید کی قراءت وسند مدینہ کے امام القراء نافع بن عبد الرحمٰن متوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کی جن کی قرأت پر آج تمام دنیا اسلام کی بنیاد ہے دیگر علوم کی

خواہش کے جذبات غیر معمولی طور پر ودیعت تھے زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس ظاہری سرمایہ کچھ نہ تھا۔ مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو فروخت کر کے کتب وغیرہ کے صرف میں خرچ کرتے تھے اس کے بعد دولت کا دروازہ کھل گیا حافظہ نہایت اعلیٰ درجہ کا تھا فرماتے تھے کہ جس چیز کو میں نے محفوظ کر لیا اس کو پھر کبھی نہیں بھولا۔

امام مالکؒ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اساتذہ وشیوخ

امام مالک نے صرف انہیں شیوخ سے استفادہ کیا جو صدق وطہارت میں معروف اور حفظ وفقہ میں ممتاز تھے آپ نے شیوخ سے موطا میں روایت کی ہے ان کی تعداد پچانوے ۹۵ ہے۔ یہ سب اساتذہ مدنی ہیں اس طرح مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں پراگندہ تھا وہ اب صرف ایک سینہ میں مجتمع ہوگیا۔ اس لئے آپ کا لقب امام دار الہجرۃ ہوا آپ کے شیوخ میں صرف چھ حضرات غیر مدنی ہیں یہ صرف موطا کے شیوخ کی تعداد ہے ورنہ علامہ زرقانی ودولقی نے لکھا ہے کہ آپ نو سو سے زائد شیوخ سے اخذ علم کیا ہے نووی تہذیب الاسماء میں لکھتے ہیں کہ امام مالک کے شیوخ کی تعداد نو سو تھی جن میں تین سو تابعین اور چھ سو تبع تابعین تھے۔ حضرت نافع جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام اور حدیث روایت کے شیخ تھے۔ جبتک وہ زندہ رہے تقریباً بارہ برس تک امام مالک ان کے درس میں شریک رہے موطا میں بکثرت روایات انہیں سے ہیں۔ نیز اصح الاسانید میں سے مالک عن نافع عن ابن عمر کو قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کو سلسلۃ الذہب کہا گیا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ہارون رشید نے امام صاحب سے کہا کہ ہم نے آپ کی کتاب میں حضرت علی وابن عباس کا تذکرہ بہت کم پایا؟ فرمایا وہ میرے شہر میں نہ تھے اور نہ میں اس کے اصحاب سے مل سکا یہ فخر امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے) اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایات ان دونوں حضرات سے بھی کم ہیں۔ مشائخ اعلام اور مشہور اساتذہ یہ ہیں: زید بن اسلم، زہری،

ابوالزناد، عبدالرحمٰن بن القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، ایوب سختیانی ثور بن زید دیلی، ابراہیم بن ابی عبلہ مقدسی، حمید طویل، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن، ہشام بن عروہ یحییٰ بن سعید انصاری، عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا علوشان وعلمی مقام

خلف بن عمر کہتے ہیں میں امام مالک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مدینہ کے قاری ابن کثیر نے امام مالک کو ایک پرچہ دیا آپ نے اس کو پڑھنے کے بعد اپنی جانماز کے نیچے رکھ لیا جب آپ کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلنے لگا تو آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور وہ پرچہ مجھے دیا، دیکھتا کیا ہوں کہ اس میں یہ خواب لکھا ہوا تھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہیں اور آپ سے کچھ مانگ رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ میں نے اس منبر کی نیچے ایک بہت بڑا خزانہ دفن کیا ہے اور مالک سے کہہ دیا ہے وہ تمہیں تقسیم کر دیں گے لہٰذا مالک کے پاس جاؤ، لوگ یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے، بتاؤ مالک تقسیم کریں گے یا نہیں: کسی نے جواب دیا جس بات کا مالک کو حکم دیا گیا ہے وہ ضرور اسے پورا کریں گے اس خواب سے امام مالک پر گریہ طاری ہو گیا اور اتنا روئے کہ میں تو انہیں روتا ہی چھوڑ آیا۔

محمد بن رمح کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، کہ بعض مسائل میں جہاں مالک اور لیث کا اختلاف ہوتا ہے وہاں کیا کیا جائے؟ ارشاد فرمایا مالک، مالک، مالک وارثہ جدی ابراہیم میرے دادا ابراہیم کا ورثہ علم مالک کو ملا ہے۔

شیخ عصر بکر علیہ الرحمۃ کہتے ہیں کہ میں نے عالم رویا میں بہشت کو دیکھا وہاں امام اوزاعی اور سفیان ثوری سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے دریافت کیا، امام مالک کہاں ہیں؟ دونوں نے جواب دیا مالک یہاں کہاں مالک بہت بلندی پر ہیں اور

تین مرتبہ سر اٹھا کر یہی الفاظ دہرائے یہاں تک کہ ان کی ٹوپیاں سر سے نیچے گر گئیں۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا جامع اوصاف کمال

حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ پانچ باتیں .... جیسی امام مالک کے حق میں جمع ہوگئیں ہیں۔ میری علم کے مطابق کسی اور شخص میں جمع نہیں ہوئیں:

(۱) اتنی دراز عمر اور ایسی عالی سند۔
(۲) ایسی عمدہ فہم اور اتنا وسیع علم
(۳) آپ کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کا اتفاق
(۴) آپ کی عدالت، اتباع، سنت اور دینداری پر محدثین کا اتفاق
(۵) فقہ اور فتویٰ میں آپ کی مسلمہ مہارت

امام مالکؒ کا تبحر علمی کے باوجود لاعلمی کا اعتراف

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر کہا میں چھ ماہ کی مسافت سے ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا: کہو کیا ہے؟ اس نے بیان کیا آپ نے فرمایا مجھے اچھی طرح معلوم نہیں وہ حیران ہوکر بولا اچھا میں اپنے شہر والوں کو کیا کہوں امام مالک نے فرمایا کہ دینا کہ مالک نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا درس وتدریس

مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان کی علمی درسگاہ کے جانشین حضرت نافع ہوئے ان کی وفات کے بعد امام مالک ان کے جانشین ہوئے اور سترہ سال کی عمر میں مجلس افادہ وتعلیم کی ابتداء فرمائی اور تقریباً باسٹھ سال ۶۲ مسلسل فقہ وفتاویٰ درس وتدریس میں مشغول رہے جب حدیث نبوی کے املا کا وقت

آتا تو پہلے وضوء یا غسل کر کے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے، بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے اور اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لئے باہر تشریف لاتے اور جب تک اس مجلس میں حدیث کا ذکر رہتا مجمع یعنی انگیٹھی میں عود لوبان ڈالتے رہتے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا وقار مجلس

امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پر تکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ اور ایسی ہیبت ووقار کی ہوتی تھی کہ اس میں شور وشغب ہونا تو درکنار کسی شخص کو بآواز بلند گفتگو کرنے کی مجال اور طاقت نہ ہوتی تھی مولانا سید سلیمان ندوی نے مجلس درس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

جاہ وجلال اور شان وشکوہ سے کاشانہ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکہ ہوتا تھا طلبہ کا ہجوم مستفتیوں کا ازدحام، امراء کا ورود، علماء کی تشریف آوری، سیاحوں کا گذر، حاضرین کی مؤدب نشست درخانہ پرسواریوں کا انبوہ دیکھنے والوں پر رعب ووقار طاری کردیتا تھا، ایک روز سفیان ثوری آپ کی مجلس میں تشریف لائے تو مجلس کی عظمت وجلال اور اس کی شان وشوکت دیکھ کر امام صاحب کی مدح میں یہ قطعہ نظم فرمایا ہے:

یابی الجواب فلا یراجع هیبة
والسائلون نواکس الاذقان
ادب الوقار وعزّ سلطان التقی
فهو المطاع ولیس ذاسلطان

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ واصحاب

آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: حدث عنه خلق من الامة

حافظ ذہبی لکھتے ہیں وحدث عنه اقم یکادون یحصون آپ سے اپنے لوگوں نے روایت کی ہے جن کا شمار تقریبا ناممکن ہے کہ قاضی عیاض نے اپنے ایک رسالہ میں آپ سے روایت کرنے والوں کی تعداد تیرہ سو سے بھی زیادہ گنائی ہے۔ حافظ دار قطنی نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ جس میں امام مالک سے روایت کرنے والوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ حافظ ابوبکر خطیب بغدادی کے ایک رسالہ میں نوسوترانو ۹۹۳ سے رواۃ مذکور ہیں۔

خود آپ کے بعض شیوخ نے آپ سے روایت کی ہے مثلاً زہری ابوالاسود، ایوب سختیانی، ربیعہ الرائی یحیٰی ابن سعید انصاری، محمد بن ابی ذئب، ابن جریج، اعمش وغیرہ۔ اہل علم وفضل تلامذہ میں سے امام محمد امام شافعی عبد اللہ بن مبارک لیس بن سعد سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ ابن جریج ابن عیینہ یحییٰ القطان، ابن مہدی، ابوعاصم النبیل، عبدالرحمٰن اوزاعی ہیں۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ حافظ دار قطنی نے ایک رسالہ میں امام مالک سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مرویات کو جمع کیا ہے لیکن شیخ لاسلام فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے امام ابوحنیفہ کا روایت کرنا ثابت نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی سنت نبویہ کی تعظیم وتوقیر

عبد اللہ بن مبارک جو امام مالک کے شاگرد ہیں بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ روایت حدیث فرما رہے تھے ایک بچھو نے نیش زنی شروع کی اور آپ کو تقریباً دس مرتبہ کاٹا اس تکلیف کی وجہ سے آپ کا چہرہ کچھ متغیر ہوکر مائل بزردی ہوجاتا تھا مگر آپ نے حدیث کو قطع نہیں فرمایا اور نہ آپ کے کلام میں کوئی لغزش ظاہر ہوئی جب مجلس ختم ہوگئی اور سب آدمی چلے گئے تو میں نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا فرمایا کہ میرا اس قدر صبر کرنا اپنی طاقت وشکیبائی کی بناء پر نہ

تھا بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کی وجہ سے تھا، باوجود ضعف و کبر سنی بھی مدینہ طیبہ میں کبھی سوار ہو کر نہیں چلے۔ جس ارض مقدس کے اندر جسم مبارک صلی اللہ علیہ وسلم ہو اس کے اوپر سوار ہو کر چلنا خلاف ادب جانتے تھے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کے دروازہ پر خراسانی گھوڑا اور مصری خچر دیکھے تو میں نے امام صاحب سے کہا: بہت عمدہ ہیں آپ نے فرمایا میں نے تمہیں یہ سب ہبہ کر دیئے ہیں۔ میں نے کہا سواری کے لئے ایک آپ بھی رکھ لیجئے۔ فرمایا مجھے شرم آتی ہے کہ جس ارض مقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں میں اس کی مٹی کو سواری کے کھروں سے روندوں۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا حبّ مدینہ

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے آپ سے دریافت کیا، آپ کے پاس مکان ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں تو اس نے آپ کو ۳ ہزار اشرفیاں دیکر کہا کہ مکان خرید لیجئے آپ نے اشرفیاں لے لی جب ہارون الرشید مجلس سے اٹھنے لگا تو اس نے کہا اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو بہت اچھا ہو کیونکہ میں نے یہ عزم کر لیا کہ لوگوں کو موطا کا حامل بناؤں جیسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو حامل قران بنایا تھا آپ نے فرمایا کہ اس کی کوئی صورت نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مختلف شہروں میں اقامت پذیر ہوئے اور ہر اہل شہر کے پاس علم ہے رہا میرا تمہارے ساتھ چلنا سو یہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے المدینۃ خیر ھم لو کانوا یعلمون رہی اشرفیاں سو یہ موجود ہیں چاہیں لے لو، یعنی تم جو یہ احسان کر کے مدینہ سے جدا کرنا چاہتے ہو یہ نہیں ہوسکتا۔

دار الحبیب احق ان تھویا
ونحن من طرب الی ذکراھا

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکمال کا اعتراف

مصعب زبیری فرماتے ہیں کہ امام مالک ثقہ، مامون، ثبت، عالم حدیث، فقیہ، حجت، ورع ہیں۔ یحییٰ بن معین اور یحییٰ بن سعید القطان جو حدیث ورجال کے ناقد ہیں وہ فرماتے ہیں کہ امام مالک امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ روئے زمین پر امام مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانتدار نہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ سفیان ثوری امام حدیث ہیں امام سنت نہیں اور اوزاعی امام سنت ہیں امام حدیث نہیں اور امام مالک امام سنت بھی ہیں اور امام حدیث بھی۔

امام بوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے زیادہ جلد اور صحیح جواب دینے والا اور اچھی پرکھ والا نہیں دیکھا امام شافعی فرماتے ہیں کہ تابعین کے بعد امام مالک مخلوق پر خدا کی حجت تھے نیز فرماتے ہیں کہ علم تین آدمیوں پر دائر ہے مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، اور لیث بن سعد، امام احمد سے کسی نے دریافت کیا کہ اگر کوئی کسی کی حدیث زبانی یاد کرنا چاہے تو کس کی کرے؟ فرمایا مالک بن انس کی۔ امام بخاری سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ صحیح سند کونسی ہے فرمایا مالک عن نافع عن ابن عمر امام نسائی فرماتے ہیں کہ تابعین کے بعد میرے نزدیک امام مالک سے زیادہ دانشمند، بزرگ قابل وثوق اور ضعفاء سے کم روایت کرنے والا کوئی نہیں ہے ہم نہیں جانتے کہ موصوف نے ابوامیہ عبدالکریم کے علاوہ کسی متروک سے روایت کی ہو امام احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے (یوشک ان یضرب الناس اکبا دالابل یطلبون فلا یجدون عالما اعلم من عالم المدینۃ) قریب ہے کہ لوگ طلب علم کے لئے اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں اور عالم مدینہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہ پائیں۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ عالم مدینہ کے مصداق امام مالک ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا ابتلاء

والی مدینہ جعفر بن سلیمان سے کسی نے شکایت کردی کہ امام مالک آپ لوگوں کی بیعت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اس پر اس کو غصہ آیا آپ کو بلوا کر کوڑے لگوائے۔ آپ کو کھینچا گیا دونوں ہاتھوں کو کھینچوا کر مونڈھے اتروادے گئے ان باتوں سے آپ کی عزت ووقعت اور شہرت اور بڑھ گئی، بعض حضرات نے وجہ ابتلاء طلاق مکرہ کا مسئلہ بیان کیا ہے اور بعض نے تقدیم عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ منصور حج کے لئے حرمین حاضر ہوا تو اس نے جعفر سے امام مالک کا قصاص لینا چاہا مگر آپ نے روک دیتا تھا۔ اور فرمایا واللہ جب بھی مجھ پر کوڑے پڑتے تھے تو میں اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کے سبب سے اسی وقت حلال اور جائز کردیتا۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات

امام صاحب کی عمر ۸۶ یا ۸۷ یا ۹۰ برس کو پہنچی تھی کہ اتوار کے روز بیمار ہوگئے اور تقریباً تین ہفتے بیمار رہے۔ مرض کی شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی یہاں تک کہ ۱۱ یا ۱۴ ربیع الاوّل ۱۷۹ھ میں بہ نفیس قدسی صفات مضیق زمان ومکان سے سعت اعلیٰ علیین وجوار قدس رب العالمین کی طرف انتقال کرگئے۔ جسد مبارک جنت البقیع میں مدفون ہوا آپ کی پیدائش اور انتقال کی تاریخ کو ایک بزرگ نے اس قطعہ میں نظم کیا ہے اور اسی سے آپ کی عمر کی مدت بھی ظاہر ہوجاتی ہے۔

فخر الائمة مالک
نعم الامام المالک
مولده نجم عدی
وفاته فاز مالک

وفات کے بعد

قاضی عیاض نے المدارک میں ذکر کیا ہے کہ رات امام صاحب کا انتقال ہوا اسی رات عمر بن سعد انصاری نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک کہنے والا کہہ رہا ہے۔

لقد اصبح الاسلام زعزع رکنه
غداة ثوی الهادی لدیٰ ملحد القبر
امام الهدیٰ لازال للعلم صیناً
علیه سلام والله فی آخر دهر

الباقیات الصالحات اپنی اولاد مجاد میں تین صاحبزادے چھوڑے یحییٰ، محمد، حماد آپ کا ترکہ تین ہزار تین سو اشرفیاں تھیں۔

خلیفہ معتصم کی امام احمد بن حنبلؒ پر سختی

عراقی لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے تین یوم تک مناظرہ ہوتا رہا خلیفہ معتصم امام کو خلوت میں لے جا کر یہ کہتے تھے کہ خدا کی قسم! امام احمد میں تم پر اس طرح مہربان ہوں جیسے اپنے بیٹے ہارون واثق پر نرمی اور شفقت کا معاملہ کرتا ہوں تم صرف خلق قرآن کے قائل ہو جاؤ۔ چپکے سے مجھ سے کہ دو اگر تم نے منظور کر لیا تو خدا تعالیٰ کی قسم میں تمہاری بیڑیاں اپنے ہاتھ سے کھولوں گا۔ تمہاری چوکھٹ پر آؤں گا اور میں تمہیں اپنے فوجیوں کے ساتھ سوار کرا کر لے جاؤں گا۔

امام نے جواب دیا کہ مجھے زائد باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اگر مجھے کتاب اللہ اور حدیث نبویہ کے چند وراق دے دیں تو مہربانی ہوگی۔ لیکن جب مجلس طویل ہوگئی اور حاصل کچھ نہ نکلا تو معتصم نے امام کو ڈانٹا اور ڈانٹ کر کھڑا ہو گیا اور امام کو اسی جگہ جانے کا حکم دیا جہاں پر تھے۔ معتصم کے ایلچی برابر آپ سے کہتے رہے کہ اے امام احمد آپ سے اسی کا اقرار کر لینا چاہتے ہیں جو آپ کا قرآن کریم کے بارے میں خیال ہے پھر امام وہی جواب دیتے جو بار ہا دے چکے ہوتے۔

جب تیسرا دن آیا تو امام احمد کو مناظرہ کی دعوت دی گئی۔ آپ کو خلیفہ معتصم کے دربار میں حاضر کر دیا گیا۔ خلیفہ کے دربار میں پہلے سے محمد بن عبدالمالک الزیات اور قاضی احمد بن داؤد وغیرہ موجود تھے۔ معتصم نے ان لوگوں کو یہ حکم دیا کہ آپ لوگ ان سے مناظرہ کریں۔ چنانچہ یہ لوگ برابر مناظرہ کرتے رہے۔ آخر کار ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ ایسے نہیں مانیں گے۔ آپ انہیں قتل کر کے ان کا خون ہمارے اوپر ڈال دیں یہ سن کر معتصم نے امام کو ایک تھپڑ رسید کیا جس سے امام بے

ہوش ہوکر گر پڑے۔ یہ دیکھ کر خراسان کے حکام کے چہروں کے رنگ متغیرہ ہو گئے انہیں میں غالباً امام احمد کے چچا بھی تھے۔

یہ ماجرا دیکھ کر خلیفہ معتصم ڈر گیا۔ چنانچہ پانی منگوا کر امام کے چہرے پر چھینٹیں مارے جس سے امام ہوش میں آ گئے ہوش میں آتے ہی آپ نے اپنے چچا کو مخاطب کر کے کہا چچا یہ جو پانی میرے چہرے پر ڈالا گیا ہے شاید ڈالنے والا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے، یہ سن کر خلیفہ معتصم نے کہا تم لوگوں کا برا ہو گیا تم نہیں دیکھ رہے ہو ان کے معاملے کی وجہ سے ہجوم ہوتا جا رہا ہے۔ میری اللہ کے رسول سے بھی قرابت اور نسبت ہے میری کوئی ان سے عداوت نہیں ہے۔ کوڑے اس وقت تک لگتے رہیں گے جب تک کہ یہ اس بات کے قائل ہو جائیں۔ کہ قرآن مخلوق ہے۔ پھر معتصم امام کی طرف متوجہ ہوتا لیکن امام پہلے کی طرح جواب دیتے یہاں تک کہ معتصم ڈانٹتا۔ اس طرح سے مجلس طویل ہو جاتی۔ معتصم کہتا تم پر خدا کی لعنت ہو اس سے قبل مجھے تمہارے بارے میں خیال تھا کہ تم قائل ہو جاؤ گے پھر حکم دیتا ہے کہ انہیں پکڑ کر ان کے کپڑے اتار دو اور انہیں زمین پر گھسیٹو۔

چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا۔ پھر معتصم جلاد سے کہتا کہ امام احمد یہ کہتے ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال ہیں جنہیں میں نے اپنے کرتے کی آستین میں باندھ رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ میرے پاس بعض لوگ آتے ہیں بالوں کو جلانے کے لئے آتے ہیں تو معتصم نے کہا تاکید کی کہ ان بالوں کو جلانا مت بلکہ انہیں ان کے کرتے سے نکال لو۔ (امام احمد کہتے ہیں کہ میرا کرتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی برکت کی وجہ سے جلنے سے بچ گیا۔ لوگوں نے میرے ہاتھ باندھ دیئے تھے تو وہ بھی کھول دیئے گئے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ برابر مصائب وآلام برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔

پھر معتصم جلادوں سے کہتا ہے کہ آگے بڑھو اور کوڑے مارنے والوں کہتا ہے کہ

انہیں میرے پاس لاؤ۔ ان کو برا بھلا کہو تکلیف دو، خدا تیرے ہاتھ کو ٹکڑے ٹکڑے کردے تو وہ آگے بڑھتے اور دو کوڑے مار کر علیحدہ ہو جاتے۔ پھر دوسرے سے کہتا کہ ان کو برا بھلا کہو سختی کرو خدا تمہارے رب ہاتھ کے ٹکڑے ٹکڑے کردے تو وہ آگے بڑھتے اور دو کوڑے مار کر علیحدہ ہو جاتے اسی طرح سے معتصم ایک ایک آدمی کو بلا کر برابر پٹواتا رہا۔ پھر معتصم کے پاس آتا اس حال میں کہ لوگ احمد کو گھیرے ہوئے ہوتے اور یوں کہتا کہ اے احمد! کیا تم اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا چاہتے ہو، قاعدے سے جواب دو تا کہ میں تمہارے بیٹیاں اپنے ہاتھ سے کھول دوں۔

ان میں سے بعض لوگ یہ کہتے کہ امام صاحب آپ کے بادشاہ آپ کے سامنے کھڑے ہیں، آپ جواب دیجئے اور اس دبلے پتلے آدمی کو تلوار کی نوک سے زخمی کیا جاتا۔ معتصم یہ بھی کہتا کہ اے احمد کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ سب لوگ مغلوب ہو جائیں۔

اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اے میرے اامیر المؤمنین ان کا خون ہمارے اوپر بہا دیجئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد معتصم کرسی پر جا کر بیٹھ جاتا۔ پھر جلاد سے کہتا کہ ان کو برا بھلا کہدو پھر معتصم دوبارہ آتا۔ اے احمد جواب دو۔"

چنانچہ امام احمد وہی پہلا جواب دیتے۔ پھر معتصم لوٹ کر کرسی پر بیٹھ جاتا۔ پھر جلاد کو حکم دیتے کہ ان پر سختی کرو امام احمد کہتے ہیں کہ بس میں اتنا جانتا تھا کہ میں ایک کمرے میں تنہا ہوں ورنہ میری عقل جاتی رہی تھی اور آپ یہ تمام مصائب ومشقات روزہ کی حالت میں جھیل رہے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کو ۱۸ کوڑے لگائے گئے مارنے کے دوران جب آپ کا بوجھ ہلکا ہو گیا تو آپ نے دونوں ہاتھوں کو ہلایا تو آپ کے ہاتھ کھل گئے پھر باندھ دیئے گئے جب آپ کو ان مصائب سے نجات مل گئی تو لوگوں نے آپ سے اس سلسلے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگ رہا تھا:

﴿اللهم ان كنت على الحق فلا تفضحني﴾

ترجمہ: ''خدایا اگر حق پر ہوں تو مجھے رسوانہ کیجئے۔''

ان سب حالات کے گزرنے کے بعد معتصم نے ایک آدمی کو نگران بنایا جو علاج اور جراحی سے واقف تھا کہ وہ ان کا علاج کرتا رہے۔ چنانچہ اس نے علاج کیا۔ معالج کا کہنا ہے کہ میں نے امام احمد کے بدن پر ایک ہزار کوڑوں کے نشانات دیکھے۔ اس سے زیادہ زخمی میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ آخر کار ان کا علاج ہوتا رہا۔ علاج کے باوجود امام کے بدن سے کوڑے کے نشانات مٹے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔

صالح کہتے ہیں کہ میرے والد محترم فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اتنی قربانیاں دیتا اور مجھے معلوم ہوجاتا کہ مجھے ان مشقتوں سے نجات بھی مل جائے گی تو مجھے کافی ہوتا پھر مجھے نفع ونقصان کی پرواہ نہ رہتی۔

امام شافعی کا خواب

بیان کیا جاتا ہے کہ جس وقت سیدنا امام شافعی مصر میں سکونت پذیر تھے اس وقت آپ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپ امام شافعی سے یوں فرما رہے تھے کہ تم امام احمد بن حنبل کو جنت کی بشارت دے دینا۔ یہ بشارت ان کے ان کارناموں کی وجہ سے ہے جو انہوں نے خلق قرآن کے مسئلے میں مصائب جھیلے ہیں، مشقات برداشت کی ہیں اور جب امام احمد سے سوال کیا جاتا تو وہ سوائے اس کے اور کوئی جواب نہ دیتے کہ قرآن پاک اللہ جل جلالہ کا نازل کردہ ہے مخلوق نہیں ہے۔

جب امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ خواب سے بیدار ہوئے تو انہوں نے خواب لکھ کر بدست ربیع امام احمد کے پاس بغداد روانہ کردیا۔ جب ربیع بغداد پہنچے تو سیدھے امام

احمد کے جائے قیام پر تشریف لے گئے اجازت لی۔ انہیں اجازت دی گئی جب ربیع گھر کے اندر گئے تو کہا کہ یہ رقعہ آپ کے بھائی امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرما کر میرے ذریعے آپ تک پہنچایا۔ سیدنا امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ربیع تم جانتے ہو اس میں کیا لکھا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ امام احمد نے وہ رقعہ کھول کر پڑھا تو ان پر گریہ طاری ہو گیا فرمایا ماشاء اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ پھر آپ نے بتایا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔

ربیع نے کہا کہ آپ کیا انعام دے رہے ہیں؟ اس وقت آپ کے جسم پر دو کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے وہ کرتہ جو آپ کے جسم سے لگا ہوا تھا بطور انعام دیا ہے۔ ربیع نے کہا وہ کرتا انعام دیا ہے جو ان کے جسم سے لگا ہوا تھا۔ امام شافعی نے فرمایا کہ ربیع میں تمہیں اس کرتے کے بارے میں ہمدرد نہیں بنانا چاہتا۔ میں تو اسے دھوں گا چنانچہ اسے دھو کر غالہ کو اپنے تمام بدن میں ڈال دیا۔

امام احمد کی وسعت ظرفی

ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کی وسعت ظرفی دیکھئے کہ آپ نے ان لوگوں کو جو آپ کو پیٹنے میں شریک تھے یا تماشہ بین تھے یا ان کے پٹوانے میں تعاون کر رہے تھے سب کو معاف فرما دیا سوائے ابن ابی داؤد کے، اس لئے کہ وہ بدعتی بھی تھے یا۔ امام احمد یہ بھی فرمایا کرتے کہ اگر ابن ابی داؤد مبتدع نہ ہوتا تو میں انہیں بھی معاف کر دیتا اگر وہ اب بھی بدعات سے توبہ کر لیں تو میں معاف کر سکتا ہوں۔

احمد بن سنائی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ جس زمانے میں معتصم نے بابل کو فتح کیا جس دن شہر عموریہ کو فتح کیا اس دن آپ نے معتصم کو بھی معاف فرما دیا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور موسیٰ علیہ السلام کی بشارت

عبداللہ بن الورد کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے خواب میں جناب رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو میں نے آپ سے امام احمد بن حنبل کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس موسیٰ کلیم اللہ بن عمران تشریف لائیں گے ان سے پوچھ لینا پس اچانک سیدنا موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت والا احمد کا کیا حال ہے؟ تو آپ نے فرمایا احمد کو خوشحال اور مصیبت زدہ کر کے دونوں انداز سے آزمایا گیا تو وہ صبر وشکر کے پیکر نکلے، سچے ثابت ہوئے۔

چنانچہ انہیں صدیقین میں شامل کر لیا گیا۔ جناب رسول اللہ نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے احالہ کیا تھا اس میں چند حکومتوں کی طرف اشارہ مقصود تھا۔

(۱) اوّل یہ ہے کہ امت محمدیہ کی دیگر تمام امتوں پر فضیلت معلوم ہو جائے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام جو جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں اسے بیان اور ثابت کر رہے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس میں امام احمد بن حنبل جو امت محمدیہ کے نمونے تھے ان کی اس میں فضیلت ہے کہ انہیں ستایا گیا مصائب میں مبتلا کیا اس کے بدلے انہیں اجر عظیم ملا۔ یہاں تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ مقام اور فضل کی گواہی دی۔

(۳) تیسرے یہ کہ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو خلق قرآن کے مسئلہ میں مبتلا کیا گیا۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں۔ انہوں نے کوہ طور میں اللہ جل شانہ سے گفتگو کی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام خوب جانتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے نازل کردہ کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

اس مناسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احالہ فرمایا تھا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے اور ان کا یہ عقیدہ درجہ یقین کو پہنچ جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

امام احمد حنبل کے حالات

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ امام احمد کی ولادت باسعادت ۱۶۴ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی، ان کے نماز جنازہ میں آٹھ لاکھ مردوں اور ۶۰ ہزار عورتوں شرکت کی جس دن ان کا انتقال ہوا اسی دن ۲۰ ھزار یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں نے اسلام قبول کیا۔ اھ (وفیات الاعیان)

نووی لکھتے ہیں کہ جس سرزمین میں امام احمد کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے متوکل نے پیمائش کرنے کا حکم دیا تو ۲۵ لاکھ گز زمین نکلی۔ نیز ان کے مرنے کا غم چار قوموں میں منایا گیا یعنی مسلمانوں، یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں میں۔

(تہذیب الاسماء واللغات)

محمد بن خزیمہ جو مشہور محدثین میں سے ہیں کہتے ہیں کہ جب مجھے امام احمد بن حنبل کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی تو مجھے بہت ہی زیادہ غم ہوا۔ میں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ وہ اکڑا اکڑا کر شان سے چل رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ ابو عبداللہ یہ کون سی رفتار ہے تو فرمایا کہ یہ چال ڈھال جنت میں خدام کی ہوتی ہے میں نے مزید سوال کیا اللہ جل شانہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ جواب دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اور ننگے پاؤں کر کے سونے کے نعلین پہنا دیئے ہیں۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد! ہم نے تم کو یہ اعزاز اس لئے عطا کیا ہے کہ تم میرے کلام کے مخلوق نہ ہونے کے عقیدے پر جمے رہے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ اے احمد تم مجھ سے ان الفاظ کے ساتھ دعا مانگو جن الفاظ کے ساتھ سفیان سے تم تک پہنچی ہیں اور جس سے تم دنیا میں ان ہی الفاظ کے ساتھ دعا مانگتے تھے۔ امام احمد کہتے ہیں چنانچہ میں نے فوراً دعا کی:

﴿یا رب کل شیء اسالک بقدرتک علی کل شیء لا

تسالنی عن شیء واغفرلی کل شیء﴾

اے میرے رب میں آپ کی قدرت سے ہر چیز کے بارے میں ہر چیز کے ضرر سے پناہ مانگتا ہوں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں حساب نہ لینا تو میرے ہر گناہ کو بخش دے۔

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد اٹھ یہ جنت ہے اسی میں داخل ہوجا۔ چنانچہ میں داخل ہوگیا کیا دیکھتا ہوں کہ سفیان ثوری جنت میں اس حالت میں ہے کہ ان کے دوہرے ہرے بازو ہیں وہ ایک کھجور کے درخت سے اڑ کر دوسرے کھجور کے درخت پر بیٹھ جاتے ہیں اور یہ کلمات کہتے ہیں۔

﴿اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِیْ صدقنا وعده واورثنا الارض نتبوّء من الجنّة حیث نشاء فنعم اجر العاملین﴾

ہر قسم کی تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے وعدہ کو ہمارے ساتھ پورا فرمایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا جنت میں جہاں چاہتے ہیں رہتے ہیں کتنی ہی اچھی عمل کرنے والوں کی جزا ہے۔

امام احمد کہتے ہیں پھر میں نے سفیان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے عبد الوہاب الوراق کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ سفیان نے جواب دیا کہ میں نے انہیں نور کے سمندر میں دیکھا ہے نور کی کشتی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے رہتے ہیں۔ پھر میں نے ان سے یہ پوچھا کہ بشیر بن الحرث کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو سفیان نے کہا کہ ٹھیرو ٹھیرو میں نے انہیں انسان کی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور میں دیکھا ہے اور ان کے سامنے کھانے کا دستر خوان چنا ہوا ہے۔ اللہ جل شانہ ان کی طرف متوجہ ہوکر یہ فرمایا رہے ہیں:

﴿کل یا من لم یاکل واشرب ویامن لم یشرب وافصح یامن لم ینعم﴾

کھا اے وہ جس نے نہیں کھایا ہے اے پیا وہ جس نے نہیں پیا، سیراب ہو جاؤ اے وہ جس نے سیرابی حاصل نہیں کی۔ (حیات الحیوان جلد اول)

علماء حق نے وراثت نبوت کا حق کس طرح ادا کیا

دین خالص

علمائے حق، حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث وجانشین ہیں۔

﴿العلماء ورثة الانبياء﴾ (صحیح بخاری)

ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی جب ان کی زندگی کا مقصد اور ان کی کوششوں کا مرکزی وہی ہوگا جو انبیاء کرام کا تھا وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی وعمل کیا ہے؟ دو لفظوں میں دین خالص یا ایک لفظ میں توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت اور کامل اطاعت جو تنہا اسی کا حق ہے، اس کو اپنی ذات سے عمل میں لانا اور دوسروں میں اس کے لئے جدوجہد کرنا:

﴿الا لله الدين الخالص، ويكون الدين لله.﴾

ترجمہ: ”اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں کرنا پس میری ہی بندگی کرو“۔

(سورۃ الانبیاء رکوع نمبر۲)

دین خالص سے غفلت

دین الٰہی سے انحراف کا ایک عام سبب غفلت ہے، اللہ سے بے تعلقی اور اس کے احکام وفرائض کی طرف سے بے توجہی کا سبب ہمیشہ بغاوت وکفر ہی نہیں ہوتا بلکہ اکثر اوقات دنیا پرستی اور مادیت ہوتی ہے عزت وجاہ کا سودا، دولت کا عشق اور معاش میں سرتاپا انہماک آدمی کو معاد سے بالکل غافل کر دیتا ہے۔ مادیت کا ایسا غلبہ ہوتا ہے

کہ سرے سے نجات کا خیال رضائے الٰہی کے حصول کا شوق اور اس کے عذاب کا خوف دل سے بالکل نکل جاتا ہے اور کھانے پینے اور پہننے کے سوا دنیا میں کوئی فکر باقی نہیں، رہتی خدا سے غافل لوگوں کی صحبت اور گناہوں اور عیش میں انہماک دل کو ایسا مردہ کر دیتا ہے کہ اخلاقی حس باطل ہو جاتی ہے، نیک وبد اور حلال وحرام کی تمیز جاتی رہتی ہے ایسی غافل اپنے اخلاق واعمال، سیرت وکردار، معاشرت وآداب اور وضع وصورت میں کافروں اور اللہ کے باغیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہتی۔

شراب کے بے تکلف دور چلتے ہیں، منہیات ومحرمات کا آزادی سے ارتکاب کیا جاتا ہے جرائم اور فسق وفجور میں نئی نئی ایجادات کی جاتی ہیں اور ان میں ایسی ذہانت اور ہنر مندی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ پرانی امتیں ان کے سامنے مات ہو جاتی ہیں، شرع ودین کی کوئی حرمت باقی نہیں رہتی، ایسی خدا فراموشی اور خود فراموشی طاری ہو جاتی ہے۔ کہ بھول کر بھی خدا یاد نہیں آتا اور اپنا بھی حقیقی ہوش نہیں رہتا۔

”ان لوگوں کی طرح نہ ہو، جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا، اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا۔ (سورۃ الحشر رکوع:۳)

یہی وہ لوگ ہیں جن کا حال اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے۔

”بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر مگن اور مطمئن ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیانیوں سے غافل ہیں۔“

(یونس ع:۱)

نتیجتاً وعملاً ایسے غفلت شعار اور آخرت فراموش، منکرین آخرت اور اللہ تعالیٰ ورسول سے بغاوت کرنے والوں سے ممتاز نہیں ہوتے، پیغمبروں کی دعوت کے لئے ان کا وجود بھی اسی قدر بے سود اور بعض اوقات سنگ راہ ہوتا ہے، جس طرح مکذبین ومنکرین کا اور بعض اوقات یہ مدعیان اسلام، اسلام کے خلاف حجت اور تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

پھراس سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ غافلین یا منافقین اپنی کثرت یا دنیاوی لیاقت یا کوششوں یا محض وراثت سے مسلمانوں کی مسند حکومت پر قابض ہوجاتے ہیں اور مسلمانوں کی امامت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ یا مسلمانوں کی زندگی میں اتنا اثر ورسوخ پیدا کرلیتے ہیں کہ ان کے اخلاق واعمال عوام کے لئے نمونہ بن جاتے ہیں، اوران کی عظمت اور وقعت دل ودماغ میں جاگزیں ہوجاتی ہے اس وقت ان اکابرین مجرمین کی وجہ سے غفلت وخدا فراموشی اور غیر اسلامی زندگی کا ایسا دور دورہ ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کی عملداری میں جاہلیت کی حکومت قائم ہوجاتی ہے اور بعض اوقات اس طرح زندگی کوئی کچھ زیادہ مدت گزر جاتی ہے۔ تو اسی کا نام اسلامی تہذیب وتمدن پڑ جاتا ہے۔ جس کی مخالفت غیر اسلامی تمدن سے زیادہ مشکل ہوجاتی ہے۔

ان تمام حالات میں پیغمبروں کے جانشینیوں کو کام کرنا پڑتا ہے۔ شاید انسانوں کی کوئی جماعت اتنی مشغول اور فرائض وذمہ داریوں سے اتنی گراں بار نہیں جتنی نائبان رسول اور علماء ومصلحین اسلام کی جامعت ہے جسمانی امراض کے طبیبوں کو بھی کبھی آرام اور فرصت کا موقع میسر آجاتا ہوگا لیکن ان اطبا روح کے لئے کوئی موسم اعتدال وصحت کا نہیں، بہت سی جماعتیں ایسی ہے کہ جب ان کی آپ کی حکومت قائم ہوجاتا ہے تو ان کی جد جہد ختم ہوجاتی ہے اوران کا مقصود حاصل ہوجاتا ہے لیکن علماء حق اور قوامین لله شهداء بالقسط (اللہ کی طرف سے منتظم اور انصاف کے گواہ) جماعت کا کام بعض مرتبہ مسلمانوں کی حکومت میں ختم ہونے کے بجائے کچھ بڑھ ہی جاتا ہے، کچھ چیزیں ہیں جو حکومت وطاقت اور دولت وفراغت ہی کے زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں اور علماء اسلام ہی کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی نگرانی کریں۔ وہ اپنے فریضۂ احتساب، نگرانی، اخلاق اور دینی رہنمائی کے منصب سے سبکدوش نہیں ہوتے، اس وقت بھی ان کا جہاد اوران کی جدوجہد جاری رہتی ہے کہیں مسلمانوں کی مسرفانہ زندگی پر روک

ٹوک کرر ہے ہیں۔ کہیں سامان عیش وغفلت پر ان کی طرف سے قدغن ہے کہیں چوری کی شراب کو گرفتار کیا ہے اور اس کو انڈیل رہے ہیں کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کو توڑ رہے ہیں کہیں مردوں کے لئے ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر چیں بجبیں ہیں کہیں بے حجابی اور مردوں وعورتوں کے آزادانہ اختلاط پر معترض ہیں۔ کہیں حماموں کی بے قاعدگیوں اور بداخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کرر ہے ہیں۔

کہیں اپنے زمانہ کی خلاف اخلاق اور خلاف شرع باتوں اور عادتوں کے خلاف وعظ کہہ رہے ہیں کہیں غیروں اور عجمیوں کی عادات وخصوصیات اختیار کرنے پر ان کی طرف سے مخالفت ہے کبھی مسجدوں کے صحن اور مدرسوں کے ایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں، قال اللہ قال الرسول کی صداء بلند کر رہے ہیں۔ اللہ کی محبت واطاعت کا شوق پیدا کرر ہے ہیں، امراض قلب حسد، تکبر، حرص دنیا اور دوسرے نفسانی اور روحانی امراض کا علاج کرر ہے ہیں کبھی منبر پر کھڑے ہوئے جہاد کا شوق دلا رہے ہیں اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کرر ہے ہیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں آپ کو زندہ اور ربانی علماء جو حکومت وقت کے دامن سے وابستہ نہیں تھے یا حقیر جھگڑوں میں مشغول نہیں تھے انہیں مشاغل میں منہمک نظر آئیں گے۔ اور مسلمانوں کا کوئی دور حکومت ان علماء حق اور ان کی جدوجہد سے خالی نہیں رہا۔

بنی امیہ کا دور مسلمانوں کا شاہانہ عہد ہے بظاہر مسلمانوں کو تمام کاموں سے فرصت ہوگئی ہے مگر علماء کو فرصت نہیں، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ مجلس وعظ گرم ہے، جس میں اپنے زمانہ کی منکرات وبدعات کے خلاف تقریر ہورہی ہے اپنے زمانہ کی معاشرت نظام اور اہل حکومت کی بے دینی پر تنقید ہے۔ نفاق کی علامات اور منافقین کے اوصاف وسیع پیرایہ میں بیان ہورہے ہیں اور موجودہ زندگی پر ان کو منطبق کیا جارہا ہے، خشیت الٰہی اور آخرت کا بیان ہے جس سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئی

ہیں اور روتے روتے حاضرین کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں۔ سورۂ فرقان کے آخری رکوع وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا کی تفسیر ہو رہی ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چشم دید حالات اور واقعات اس طرح بیان کئے جارہے ہیں کہ اس مبارک دور کی تصویر کھینچ گئی ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں لوگ مجلس سے توبہ کرکے اٹھتے ہیں اور سینکڑوں آدمیوں کی اصلاح حال ہورہی ہے۔

بنی عباس کا دور ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ شاہ وقت کے ذوق ورجحان اور مسلک کے خلاف مذہب اعتزال کی صاف صاف تردید کررہے ہیں اور بدعات کا رداور سنت کا اعلان کرتے ہیں۔ علم کلام اور فلسفہ کے بڑھتے ہوئے رجحان کے مقابلہ میں خالص سنت اور عقائد سلف کی تبلیغ فرمارہے ہیں اور یہ سب اس جرأت واطمینان کے ساتھ کہ گویا مامون و معتصم کی حکومت نہیں ہے بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت ہے۔

بغداد اپنے اوج پر اور بغداد کی تہذیب دولت اور بے فکری اور آزادی عروج پر ہے ہر طرف عیش وغفلت کا سمندر رواں ہے کرخ اور صافہ کے میدانوں میں اور مسجدوں کے سامنے میلے لگے ہوئے ہیں، بازاروں میں بڑی چھل پہل ہے لیکن سینکڑوں آدمی ان تمام دلچسپیوں اور تفریحات سے آنکھ بند کئے ایک طرف چلے جارہے ہیں۔ آج جمعہ کا دن ہے محدث ابن جوزی کا وعظ ہے سینکڑوں آدمی تائب اور بیسیوں غیر مسلم مسلمان ہورہے ہیں لوگ خلاف شرع امور سے توبہ کررہے ہیں۔

ایک طرف اسی پرشور اور ہنگامہ زدہ بغداد میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا درس وعظ اور روحانی فیض جارہی ہے جس سے عرب وعجم کے لوگ فائدہ اٹھارہے ہیں، بڑے بڑے امراء اور شہزادے اپنے عیش ودولت کو خیر باد کہہ کر زہد وفقر کی زندگی اختیار کرتے ہیں، بڑے بڑے سرکش اور نشۂ

دولت میں مخمور تائب ہوتے ہیں خلافت عباسی کے عین دارالخلافہ میں اور خلیفہ بغداد کی حکومت کے بالکل مقابل اس درویش کی روحانی اور دینی حکومت قائم ہے جس کا کس سکہ عرب وعجم پر رواں ہے۔

بعد کے تمام عہدوں میں اور حکومت اسلامی کے تمام اطراف واکناف میں سلاطین وامراء کے بالمقابل اور تمام دوسری دلچسپیوں، دعوتوں، تحریروں اور مشاغل کے ساتھ علماء حق کی یہ کوششیں اور ان کے مرکز، مساجد، مدارس، خانقاہیں، مجالس وعظ، باضابطہ اور بے ضابطہ احتساب جاری رہا۔

علمائے حق کا یہی بدقسمت یا خوش قسمت گروہ ہے جس کو مسلمان بادشاہوں اور ان کے کارکنان حکومت کے ہاتھوں جبکہ دوسروں کو سیم وزر کی تھیلیاں اور عہدوں کے پروانے ملتے تھے) دار ورسن اور تازیانے کے انعامات ملے اسی گروہ کے کہتے افراد کو ایک مسلمان حاکم (حجاج) کے ہاتھوں شہادت کا سرخ خلعت ملا، پھر اسی گروہ کے ایک مقتدر فرد (حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کو امیر المؤمنین منصور عباسی کے ہاتھوں زہر کا جام نوش کرنا پڑا پھر اسی گروہ کے دوسرے امام (حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ) کو سب سے بڑے روشن خیال مسلمان بادشاہ (مامون) کے زمانہ میں پابہ جولان اور اسیر زندان ہونا پڑا اور اس کے جانشین (معتصم) کے ہاتھوں تازیانے کھانے پڑے۔

آخر زمانہ میں بھی کیسے کیسے عادل وداد گر مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھوں کیسے کیسے جلیل القدر علماء پر بیداد ہوئی، جہانگیر کی زنجیر عدل مشہور ہے مگر شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالیٰ مجدد الف ثانی کے پاؤں میں بھی زنجیر پڑی اور ان کو اپنے اظہار حق کے صلہ میں گوالیار کے قلعہ میں محبوس ہونا پڑا۔

ان کارناموں اور خدمات کے علاوہ (جو حاملین دین اور محافظین شریعت کے فرائض منصبی ہیں) جن کو ہم اس حیثیت سے دفاعی کہہ سکتے ہیں کہ وہ شرک وکفر

بدعت اور غفلت کے مقابلہ اسلام کی حفاظت کی کوششیں ہیں اور دین کی مسلسل جدوجہد ہے جو قیامت تک جاری ہے گی۔

﴿لایزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لایضرهم من خذلهم (او کما قال) الجهاد ماض الی یوم القیامة﴾

ترجمہ: ”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر اعلانیہ قائم رہے گا کسی کے مدد نہ کرنے سے اس کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔ جہاد قیامت تک جارہے گا۔“

لیکن ان کے علاوہ اور خدمتیں ہیں جو ہر زمانہ کے علماء کے ذمہ ہیں اور علماء ربانی ان کو انجام دیتے رہے ہیں۔

(ا) اسلامی فتوحات سے کمتر اور مبلغین صلحاء وصوفیہ اور بعض مسلمانوں کے اخلاق اور محبت کے اثر سے بیشتر مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں لاکھوں آدمیوں نے اسلام قبول کیا، اور پوری پوری برادریاں اور بڑے بڑے خاندان اسلام میں داخل ہو گئے لیکن ان کی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ کیا جاسکا اور ان پر اسلام کی تعلیمات کا کوئی اثر نہ پڑ سکا یا اگر ان پر کوئی اثر پڑا تو ان کے بعد کی نسلوں میں یہ اثر باقی نہ رہ سکا اور رفتہ رفتہ اس کے سوا ان کو کچھ یاد نہ رہا کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے اور انہوں نے کسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا اور سوائے اسلامی نام اور کلمہ طیبہ کے الفاظ کے ان کے پاس اسلام کا کوئی نشان باقی نہ رہا کچھ دنون کی اور بے توجہی کے بعد اسلامی نام بھی باقی نہ رہے اور کلمہ طیبہ بھی سینکڑوں میں سے چند کے سوا کسی کو یاد نہ رہا، مگر اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف باقی رہا پھر وہ بھی مٹنے لگا اور اس وقت باقاعدہ ان کا ارتداد عمل میں آنے لگا۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں خاص حلقہ کے باہر اسلام کی بنیاد ہمیشہ کمزور رہی اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، تقریباً ہر بڑے شہر سے کچھ فاصلہ پر اور ہندوستان کے

تمام اطراف میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی مسلمان قومیں اور برادریاں موجود ہیں جن کو اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہا، دیہاتوں کی بڑی مسلمان آبادی ایسی ہے جو نئے سرے سے تبلیغ اسلام کی محتاج ہے ان میں بکثرت ایسے مسلمان ہیں جو ہنوز عہد جاہلیت میں ہیں اور ان کو بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر بھی نہیں وہ اسلام سے اتنے بے خبر ہیں، جتنے دیہاتوں کے غیر مسلم، فرائض واحکام اسلام کا ذکر چھوڑ کر بعض بڑے شہروں کے اطراف ونواح میں ایسے مسلمان ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی سے بھی واقف نہیں۔

بعض علماء ربانی نے اپنے زمانہ مین ان علاقوں اور دیہاتوں رقبوں کی طرح توجہ کی اور بعض مسلمان قوموں اور برادریوں کو از سر نو مسلمان بنایا، ان میں تبلیغ دورے کئے وعظ ونصیحت، اختلاط، آمد ورفت اور اپنے اخلاق وتالیف قلب سے ان کے دل مٹھی میں لئے ان کو مرید کر کے ان کو توحید واتباع سنت کے راستہ پر لگایا شرک وبدعت سے تائب کیا جاہلانہ رسمیں، غیر مسلموں کی وضع وصورت اور کفر وجاہلیت کے شعار چھڑائے ان میں اخلاق، انسانیت پیدا کی پابند فرائض اور خوش اوقات بنایا علم کا شوق دلایا اور تعلیم کو رائج کیا اور ان میں سے لائق افراد کو چھانٹ کر اور اپنے پاس رکھ کر ان کی تربیت وتعلیم کی پھر ان سے اپنی قوم اور دوسری جماعتوں کی تبلیغ واصلاح کا کام لیا یہ تبلیغ کام جو انبیاء علیہم السلام کے طریق کار سے سب سے زیادہ ظاہری مشابہت رکھتے ہیں، ان کے دوسرے کارناموں کے مقابلہ میں کسی طرح کم اہم نہیں۔

(۲) قرآن وحدیث اسلام کی طاقت کا اصل سرچشمہ ہیں اور جن کے ذریعہ سے ہر زمانہ میں مسلمانوں کے کمزور سے کمزور ڈھانچہ میں روح پھونکی جاسکتی ہے۔ شرک وکفر وبدعت وغفلت کے خلاف سب سے کارگر حربہ قرآن وحدیث کا علم اور ان کی اشاعت ہے ان کا صحیح علم اور ان کی روشنی میں جس قدر پھیلتی جائے گی۔ کفر وجہالت کی تاریکیاں دور ہوتی جائیں گی۔ اس لئے ہزار تبلیغیوں کی ایک تبلیغ ان کی نشر

واشاعت ہے۔

انبیاء کرام کی بڑی خصوصیت ان کی ہم آہنگی اور ایک آہنگی ہے یعنی وہ سب ایک بات کہتے ہیں اور ایک ہی بات کہتے رہتے ہیں وہ کیا؟

"اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو تمہارا معبود اس کے سوا کوئی نہیں۔"

(سورہ ھود: ع:۸)

ان کے جانشینیوں کی بھی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کی تمام کوششوں اور ان کی زندگی کے مضبوط مشاغل کا ہدف بھی ایک ہوتا ہے جو دعوت الی اللہ ہے، درس وتدریس، وعظ وتقریر، تبلیغ وتذکیر، تصنیف وتالیف، سلوک وتصوف، بیعت وارشاد، سب سے غرض خلق خدا کو اللہ کی طرف بلانا، اللہ سے ملانا اور اللہ ہی کا بنانا ہوتا ہے۔ ان کے مشاغل ممنوع اور مختلف ہو سکتے ہیں۔ مگر سب کا مرکز اور مقصد ایک ہوتا ہے وہ سب کچھ کہتے ہیں مگر درحقیقت ایک ہی بات کہتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں:

فطرت کا سروداز اس کے شب وروز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمٰن

حضرت نوح علیہ السلام کی طرح وہ بھی ان مشاغل اور مختلف طریق تبلیغ کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں:

"اے رب! میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن، پھر میں نے ان کو بلایا برمالا، پھر میں نے ان کو کھول کر اور چھپ کر کہا چپکے سے۔"

(سورۂ نوح: ع ۱)

یہ وعظ، یہ درس، اور یہ انفرادی واجتماعی کوششیں، یہ ظاہری ومخفی تدبیریں، یہ تذکیر وتزکیہ اور یہ توجہات اور انفاس قدسیہ (سب دین کی دعوت وتبلیغ کے) اعلان واسرار ہی کی شکلیں ہیں۔ (بحوالہ ختم نبوت)

ایک عالم کا عبرت ناک واقعہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ میں یہ حکایت مذکور ہے کہ شیخ دہان رحمہ اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کے مشہور عالم تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ مکہ مکرمہ میں ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس کے ورثاء نے اسے وہاں کے ایک صالح عالم دین کی قبر ہی میں دفنانا چاہا۔ وہ اس سے کچھ عرصہ قبل انتقال کر چکا تھا۔ چونکہ مکہ مکرمہ میں یہ دستور تھا کہ ایک قبر میں کئی کئی مردے دفن کر دیتے تھے۔ لہٰذا قبر کی کھدائی شروع کر دی گئی، کھودنے پر معلوم ہوا کہ وہاں عالم دین کی لاش کی بجائے ایک یورپین لڑکی کی لاش پڑی ہے لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ لاش یہاں کیسے آ گئی؟ اور اس عالم دین کی لاش کہاں غائب ہو گئی اتفاق سے اسی مجمعے میں ایک یورپی نژاد مسلمان سیاح موجود تھا۔

اس نے کہا کہ میں اس لڑکی کو جانتا ہوں یہ فرانس کے رہنے والے ایک عیسائی کی بیٹی ہے۔ یہ مجھ سے پڑھتی تھی اور درپردہ مسلمان ہو گئی تھی میں نے اسے دینیات کی چند رسائل بھی پڑھائے تھے اتفاق سے یہ بیمار ہو کر انتقال کر گئی، لوگوں نے کہا اس کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ تو معلوم ہوئی کہ مسلمان اور نیک تھی، لیکن یہ بات باعث تعجب اور دریافت طلب ہے کہ کہ اس عالم دین کی لاش کہاں چلی گئی؟

لوگ اس معمہ کو حل کرنے کے لئے مختلف قیاس ارائیاں کرنے لگے ان میں سے بعض نے کہا کہ شاید عالم دین کی لاش اس لڑکی کی قبر میں منتقل ہو گئی ہو۔ چنانچہ لوگوں نے اس سیاح سے کہا کہ جب تم حج کر کے واپس یورپ جاؤ تو لڑکی کی قبور کھود کر دیکھنا کہ اس میں عالم دین کی لاش ہے یا نہیں؟ چنانچہ مرحوم عالم دین کا ایک واقف کار آدمی اس کے ساتھ کر دیا گیا، حج ادا کرنے کے بعد جب وہ یورپ پہنچے تو انہوں نے لڑکی کے والدین سے مکہ مکرمہ میں پیش آنے والا سارا واقعہ بیان

کر دیا۔ وہ بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکی کو دفن فرانس میں کیا جائے اور اس کی لاش مکہ پہنچ جائے لہٰذا انہوں نے بھی لڑکی کی قبر کھول دی۔ کھولنے پر معلوم ہوا کہ واقعی وہاں لڑکی کے بجائے اس مسلمان عالم کی لاش ٹکڑوں کی صورت میں موجود تھی جس کو مکہ مکرمہ میں دفن کیا گیا تھا۔

شیخ دہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس سیاح نے کسی ذریعہ سے ہمیں اطلاع دی کہ عالم دین کی لاش یہاں فرانس میں موجود ہے۔ اب مکہ مکرمہ والوں کو یہ فکر ہوئی کہ لڑکی کی لاش مکہ مکرمہ منتقل ہونا تو اس کی مقبولیت کی نشانی ہے لیکن عالم دین کا مکہ مکرمہ سے فرانس منتقل ہونا کس بنا پر ہے اور اس کے مردود ہونے کی کیا وجہ ہے؟

اس حیرت انگیز معاملے کی تفتیش کے لئے لوگوں نے اس کے گھر کا رخ کیا کہ گھر والوں کو اس عالم دین کا اصلی حال معلوم ہوگا۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے گھر جا کر اس کی بیوی سے دریافت کیا کہ تیرے شوہر میں اسلام کی خلاف کوئی بات تھی؟ اس نے کہا کہ کچھ بھی نہیں۔ وہ تو بڑا نمازی قرآن پڑھنے والا اور تہجد گزار تھا۔ لوگوں نے کہا کہ کوئی بات تو ضرور ہوگی کہ اس کی لاش دفن کے بعد مکہ مکرمہ سے کفرستان پہنچ گئی۔ عالم دین کی بیوی نے سوچ کر کہا کہ ہاں اس کی ایک بات مجھے ہمیشہ کھٹکتی تھی کہ جب وہ ناپاک ہوتا اور غسل کا ارادہ کرتا تو یوں کہا کرتا تھا کہ نصاریٰ کے مذہب میں یہ بات بڑی اچھی ہے کہ ان کے ہاں ناپاک ہونے پر غسل فرض نہیں۔ لوگوں نے کہا بس یہی بات ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو مکہ مکرمہ سے اسی قوم کی جگہ پھینک دیا جن کے طریقے کو وہ پسند کرتا تھا۔

عزیزان من!

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

﴿المرء مع من احبّ﴾

ترجمہ: ''آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھے۔''

علماء نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی بزرگ سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجے تک نہیں پہنچتا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث ارشاد فرمائی: المرء مع من احبّ. (ماخوذ معارف القرآن)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی چاہے اپنی پسندیدہ شخصیت جیسا مکمل کردار اختیار کرے یا نہ کرے محبت کی بناء پر اسی کے ساتھ شمار ہوگا۔

مذکورہ بالا واقعے میں بھی عالم دین کو صرف نصاریٰ کا طریقہ پسند تھا اگرچہ وہ اس پر عمل نہیں کرتا تھا لیکن صرف پسند نے اس کا یہ حال بنا دیا مرنے کے بعد فوراً مکہ سے کفرستان پہنچ گیا۔

اب طالبعلموں ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہم انگریزوں کے طریقے کو پسند کرتے ہیں یا نہیں انگریزی بال بنانا انگریز کا طریقہ ہے اور اسی طرح ڈاڑھی منڈانا اور اپنی نظروں کو غلط جگہ استعمال کرنا راقم الحروف طالب علموں سے درخواست کرتے ہیں کہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کریں۔ خصوصاً یہ جو رواج طالبعلموں کے اندر پھیلی ہوئی ہے یعنی انگریزی بال بنانا خدارا اپنے بالوں کو انگریزی نہ بنائیں۔

تذکرہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ

محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ حضور کون ومکان سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم جناب انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے آپ کی والدہ صفیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں آپ کی کنیت ابوبکر تھی۔ مدت سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاتب (پرائیویٹ سیکریٹری) کی حیثیت سے نہایت وقیع خدمات انجام دیتے رہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک معمولی غلام جس کی زندگی کا سارا ابتدائی زمانہ خدمت آقا میں گزرا اور جس کے لئے حصول رفعت وبلندی کے بظاہر کوئی سامان نہ تھے آسمانِ عالم وعمل پر عموما اور تعبیر خواب پر خصوصاً آفتاب بن کر چمکا تو خدائے ذوالمنن کی شان رحمت نوازی پر حیرت ہوتی ہے۔

آپ کا مولد ومنشاء موضع جراجر یا تھا جو بصرہ کے مضافات میں ہے وطن مالوف کو چھوڑ کر بصرہ میں اقامت گزین ہوئے۔ آپ کے برادر خورد انس بن سیرین کا بیان ہے کہ میرے بھائی محمد بن سیرین کا تولد امیر المؤمنین عثمان ذوالنورینؓ کے حادثہ شہادت سے دوسال پہلے ہوا اور میری والدت ان سے ایک سال بعد ہوئی۔

امام ابن سیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ وخشیت الٰہی

امام محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے زاہد مرتاض، انتہا درجہ کے پرہیزگار، مشہور تابعی اور امام گزرے ہیں۔ ابن عون کا قول ہے کہ میری آنکھوں نے تین حضرات کو بے مثل دیکھا اور کسی چوتھے بزرگ کو ان کے برابر نہیں پایا۔ ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ، قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ تعالیٰ خلف بن ہشام کا بیان ہے کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کو کارپردازان قضا وقدر کی طرف سے حسن

اخلاق خوش معاملگی اور انکسار وفروتنی کی نعمت بدرجۂ اتم عطا ہوئی تھی اور اخلاق حمیدہ اور خشیت الٰہی کی بدولت آپ پر یہ حالت طاری تھی کہ آپ کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ اشعث کہتے ہیں کہ جب ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ سے حلال وحرام کے متعلق کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے زہیر اقطع سے روایت کی ہے کہ جب ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کا موت کا ذکر آتا تو آپ کے اعضاء وجوارح بالکل مردہ وبے حس ہو جاتے تھے۔ مہدی کہتے ہیں کہ ایک دن ہم ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں بیٹھے تھے، علمی مذاکرے ہو رہے تھے۔

اتفاق سے کسی شخص نے موت کا ذکر چھیڑ دیا معاً آپ کا چہرہ زرد پڑ گیا اور آپ پر سکرات کی سی حالت طاری ہونے لگی۔ آخر جب تک ہم نے آپ کی طبیعت کو بے تکلف دوسری طرف متوجہ نہ کر دیا۔ آپ کی حالت نہ سنبھل سکی۔ ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ محدث کا قول ہے کہ آپ بصریوں میں سب سے زیادہ متقی تھے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے آپ کو امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ پر فوقیت دی ہے۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ تقویٰ کی نادر مثال

جس طرح حضرت یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے کمال تقویٰ کا خمیازہ سالہا سال کی اسیری کی شکل میں بھگتنا پڑا تھا۔ اسی طرح آپ کو بھی اسی تقویٰ کی بدولت سنت یوسفی پر عمل پیرا ہونے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ ابن سعد رحمہ اللہ تعالیٰ محدث کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن عبد اللہ انصاری سے دریافت کیا کہ ابن سیرین کس جرم میں زندان بلا میں محبوس رہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ نے چالیس ہزار درہم (تقریباً دس ہزار روپے) کا اناج بغرض تجارت خریدا تھا۔ اس خریداری کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ بالعہ نے اس اناج کی پیداوار بعض ایسے طریقوں سے کی ہے جو

شرعاً مشکوک ہیں۔

آپ نے سارا غلہ غرباء ومساکین میں تقسیم کردیا اور اس کی قیمت آپ کے ذمے واجب الادا رہ گئی اور چونکہ آپ اس قرضہ کو بروقت ادا نہ کرسکے۔ قرض خواہ عورت نے آپ کے خلاف دعویٰ دائر کردیا اور آپ کو قید کرادیا۔ اور آپ اس وقات تک برابر سیر ومقید رہے جب تک کہ ساری رقم ادا نہ کردی۔

عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے والد محترم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی ہے کہ محمد بن سیرین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمران بن ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو روایت کی، لیکن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی حدیث روایت نہیں کی، خالد حذار کا بیان ہے کہ ہر وہ روایت جس کی نسبت ابن سیرین نے کہا کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچی وہ انہوں نے عکرمہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنی تھی جن سے آپ نے مختار ثقفی کے ایام میں ملاقات کی تھی، امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ امام محمد بن سیرین نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں حج کیا اور وہیں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث کی روایت کی۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کی مسلم الثبوت ثقاہت

شیخ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ امام ربانی محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کامل العلم، ثقہ پہاڑ کی چٹان سے زیادہ مضبوط، علامہ تعبیر، مملکت ورع وتقویٰ کے سرتاج اور امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ ثابت قدم اور مستقل مزاج تھے۔ مورق عجلی کا بیان ہے کہ میں نے کسی شخص کو محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ورع میں افقہ اور فقہ میں محتاط نہیں دیکھا۔ ابوقلابہ کہا کرتے تھے کہ بھلا کس شخص کو اس کام کی صلاحیت ہے جو ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ میں موڈع ہے۔ وہ تو تلوار کی دھار پر قدم

رکھ دینے والے بزرگ ہیں۔ شعبی کہا کرتے تھے کہ تم لوگ محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت اختیار کرو۔ ابن عون کا بیان ہے کہ ابن سیرین حدیث کی روایت بالمعنی نہیں کرتے تھے۔ بلکہ حرف بحرف ضبط کرنے کا اہتمام کرتے تھے اور جب ہشام بن حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے کوئی حدیث نقل کرتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ مجھ سے ایسے بزرگ نے اس حدیث کی روایت کی ہے جسے میں نے اپنی عمر میں سب سے زیادہ صادق البیان پایا ہے۔

عجلی کا بیان ہے کہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ تابعی ثقہ ہیں۔ آپ نے شریح اور عبیدہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ روایتیں نقل کی ہیں۔ اور ان کوفیوں میں تربیت پائی ہیں جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ محمد بن سیرین ثقہ، عالی قدر رفیع المنزلت اور جلیل القدر امام تھے۔ ابن المدینی کا قول ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد چھ ہیں:

ابن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ، ابوسلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ، اعرج رحمہ اللہ تعالیٰ، ابوصالحہ رحمہ اللہ تعالیٰ، ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ اور طاؤس، ابوقلابہ کا قول ہے کہ محمد بن سیرین کو جس حیثیت سے بھی جانچوں نہیں ہر حالت میں سب سے زیادہ مستقیم الاحوال، متقی اور نفس پر قابو رکھنے والا پاؤ گے۔ اور ابن عوان کا بیان ہے کہ میں نے ان حضرات کی مانند دنیا میں کسی کو نہیں پایا۔ عراق میں ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ، حجاز میں قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور شام میں رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور پھر ان تینوں میں ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ بالکل بے عدیل تھے۔ عثمان تیمی کا قول ہے کہ بصرہ میں محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اعلم بالقضاء کوئی نہیں گزرا۔

علم حدیث میں ابن سیرینؒ کا بلند پایہ مقام

روایت حدیث کا مقدس ترین اصول یہ ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص

کی زبان سے مذکور ہو جو خود شریک واقعہ تھا۔ اس خبر نے بہ نفس نفیس حضرت فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام کرتے یا ارشاد فرماتے دیکھا اور اگر بذاتِ خود بابرکت حضرت خواجہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے یا کرتے نہیں دیکھا یا کسی واقعہ میں خود موجود نہیں تھا تو تمام راویوں کے اسماء گرامی بہ ترتیب بیان کئے جائیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہ رواۃ کیسے لوگ تھے؟ ان کے دینی ودنیاوی مشغلے کیا کیا تھے؟ تقویٰ وطہارت میں ان کا کیا رتبہ تھا؟ ذہن، حافظہ، معاملہ فہمی اور عقل وخرد کی کیا کیفیت تھی؟ ثقہ اور راست گو تھے یا غیر ثقہ، دقیقہ بین تھے یا بادی الرائے وسطحی الذہن، عالم تھے یا جاہل؟

گو ان جزئی حالات کا پتہ لانا سخت مشکل بلکہ ناممکن کے قریب تھا لیکن ہزار ہا محدث کرام نے اپنی ساری عمریں اسی ایک کام میں صرف کر کے اس ناممکن کام کو ممکن اور پیش پا افتادہ بنا دیا یہ نفوس قدسیہ ایک ایک شہر اور قریہ میں گئے راویوں سے ملاقاتیں کیں ان کے متعلق ابنائے زمان سے ہر قسم کے معلومات بہم پہنچانے میں کسی شخص کے مرتبہ اور حیثیت کی کوئی پرواہ نہ کی۔ والیانِ ملک سے لے کر مقدس مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کہیں اور تنقیح حدیث کی خاطر ایک ایک شخص کی پردہ دری ضروری خیال کی۔

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ محدثین کرام کی اوالوالعزم جماعت میں صدر کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نے خود روایت کی اور تحقق وتنقیح میں خاص حصہ لیا۔ آپ نے ان خود روایت کی کے علاوہ جو روایت حدیث میں عام طور پر دیکھے جاتے تھے۔ ثقاہت کا ایک اور معیار بھی قائم کیا اور وہ یہ تھا کہ صرف فقہ حقہ اہلِ سنّت والجماعت ہی سے روایت لی جائے، روافض، خوارج، معتزلہ اور دوسرے مبتدع فرقوں کے مرویات سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے۔

امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ میزان الاعتدال فی نقد الرجال کے مقدمہ

میں ان ثقات کا ذکر کرتے ہوئے جن کی حدیثیں قابل استناد نہیں سمجھی گئیں، لکھتے ہیں کہ بروایت عاصم احوال امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اوائل میں حدیث کی روایت میں اسناد کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ انجام کار جب فتنے اٹھے اور صالحین امت کی طرح اہل بدعت وہوا نے بھی روایت حدیث شروع کردی۔ تو ہم نے حق وباطل میں امتیاز کرنے کے لئے یہ معیار مقرر کیا کہ صرف اہل سنت وجماعت کی حدیث لی جائے اور اہل بدعت کے بیان کو قابلِ توجہ نہ سمجھا جائے۔

واقعی تنقیح روایت کا یہ ایک بڑا ضروری اصول تھا جو اختیار کیا گیا اگر اس وقت یہ التزام نہ کیا جاتا تو آج اصل ونقل، صحیح وموضوع میں تمیز کرنا ناممکن ہو جاتا۔

امام ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات

جن ایام میں آپ کا آفتاب حیات لبِ بام تھا۔ آپ کائنات کی ہر چیز سے منقطع ہوکر ہمہ تن ذکر وعبادات تلاوتِ قرآن، ریاضت ومجاہدہ میں مستغرق ہوگئے۔ اسی عزلت گزینی کے ایام میں ایک مرتبہ آپ کا مزاج اعتدال سے بہت زیادہ منحرف ہوا۔ آخر ۹ شوال ۱۱۰ھ کے دن یہ آفتاب علم وعمل دنیا کے افق سے غروب ہوگیا۔ اور تمام عالم میں تاریکی چھاگئی۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے یکم رجب ۱۱۰ھ کے روز رحلت فرمائی۔ میں ان کی نماز جنازہ میں شریک تھا۔ اس حادثہ فاجعہ کے پورے سو دن بعد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۷ سال کی عمر میں قضا کی۔

تذکرہ امام جلال الدین سیوطیؒ

اسم مبارک

ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن بن الکمال ابوبکر بن محمد سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ولادت

بعد نماز مغرب شب اتوار یکم رجب ۸۴۹ھ میں مصر کے مشہور شہر قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ جس گھرانے آپ کی ولادت ہوئی وہ علم وعرفان کا اپنے وقت میں مخزن اعلیٰ تھا۔ آپ کے برادران حافظ قرآن اور عالم تھے۔ آپ کے والد جید شافعی علم، فقیہ وقت، کئی کتب کے مصنف اور قاضی تھے اپنے گھر میں روزانہ ایک قرآن پاک تلاوت فرماتے تھے۔

امام جلال الدین والد کی وفات کے بعد علامہ ابن ہمامؒ کی کفالت میں

جب آپ پانچ برس سات ماہ کے تھے اور قرآن پاک کو تک حفظ کر لیا تھا تو ان کے والد محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا ان کے اس یتیمی کے زمانہ میں مشہور حنفی عالم امام کمال بن ہمام صاحب فتح القدیر شرح ہدایہ نے کفالت فرمائی۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تحصیل علم

آٹھ سال کی عمر میں آپ نے قرآن پاک کے ساتھ صرف، نحو، لغت فقہ اور

عقائد کی کتاب کے متون یاد کر لیے تھے پھر آپ نے حصول علم کے لئے شام، حجاز، یمن، ہندوستان، ومیاط وغیرہ ممالک اور شہروں کا سفر کیا۔ آپ نے دورانِ طالب علمی حج کے موقع پر آپ زمزم جن مقاصد کے لئے نوش فرمایا ان میں سے دو یہ تھے:

(۱) علم فقہ میں اپنے استاد حضرت سراج الدین بلقینی حنفی کے مقام پر۔

(۲) اور علم حدیث میں حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرتبہ پر فائز ہوجاؤ۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوم سیوطی

حضرت علامہ نے اپنی کتاب "حسن المحاضرۃ" میں اپنے متعقل جن علوم وفنون کی معرفت اور نسبت بیان فرمائی ہے وہ درج ذیل ہیں:

تفسیر، متعلقات تفسیر، قراءت، حدیث، متعلقات حدیث، دعوات واذکار، فقہ، علوم متعلقہ فقہ، فن اصول، علم تصوف، فن عربیت، فن متعلقات عربیت، فن تاریخ وادب، علم نحو، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم جدل، علم صرف، علم انشاء، علم ترسیل، علم فرائض ومیراث۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے کثرت تالیفات وتصنیفات

علم کتب کی مشہور کتاب (ہدیۃ العارفین) میں حضرت علامہ سیوطی کی کتب کی تعداد ایک قول میں چھ سو اور ایک میں سات سو بیان فرمائی ہے اور چھ سو کتب کے ناموں کی مکمل فہرست بھی دے دی ہے۔

آپ نے تقریباً ہر اسلامی موضوع اور مسئلہ پر اپنی تحقیقات اور تصنیفات پیش فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی اکسٹھ سالہ زندگی میں کثرت عبادت، تعلیم، قضائے حوائج اور کثرت مطالعہ کے ساتھ کثرت تالیفات وتصنیفات کی بہت بڑی نعمت عطا فرمائی تھی اگر ان کی تالیفات عام ہوجائیں تو آج علمائے کرام کو بہت سے مسائل پر

لکھنے کی ضرورت نہ پڑے۔

الحمدللہ آج حضرت علامہ کی کتب وافر تعداد میں عرب ممالک میں شائع ہورہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حافظ سیوطی کی عمر اور وقت دونون میں برکت رکھی تھی اور ان کو اللہ نے ایک ایک فن میں کئی کئی مختلف طرز کی یادگار اور سرمایہ افتخار کتب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی تھی۔

حضرت علامہ کی کتب میں تکرار بھی ہے تاہم وہ اپنی جگہ پر ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے۔ اس طرح سے معلوم ہوتا ہے علامہ موصوف نے اپنے علم کو جدید طریقہ کے مطابق اپنے دور میں (کمپیوٹرائزڈ) تقسیم فرما کر آج کی ضرورت کو بھی صدیوں پہلے پورا کیا اور مختلف علوم وفنون میں استعمال فرمایا۔ یہ بات ہر اہل علم کے نزدیک مسلم ہے کہ حضرت علامہ نے علوم اسلام کو مختلف شکلوں میں سہل الوصول بنایا اور رہتی دنیا تک ان کتب سے ہر طبقہ کے علماء محققین مستفید ہوتے رہیں گے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی پہلی تصنیف

سترہ سال کی عمر میں ۸۶۶ھ میں آپ نے سب سے پہلی کتاب ریاض الطالبین تحریر فرمائی جس میں آپ نے اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے متعلق علوم جمع فرمائے۔ تصنیف کے ابتدائی زمانہ میں آپ نے مختلف علوم کی کتب کے خلاصے اور اضافے فرمائے بعد میں مستقل تصانیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت علامہ کی بہت سی کتب کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں اور بہت سی مختصر رسالوں پر، بہر حال جتنی کتب بھی تحریر فرمائی سب علماء میں عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کا علمی مقام ومرتبہ

آپ کا علمی مقام ان کے اساتذہ اور تلامذہ کے ساتھ ساتھ ان کی کتب سے بھی معلوم کیا جاسکتا ہے جو ان کے علم کی غایت درجہ بلندی پر واضح دلالت کرتی ہیں ذکر کیا

گیا ہے کہ آپ دو لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔ (مقدمہ تدریب الراوی)

حضرت علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تفصیلی حالات حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرہ میں اور التحدیث بنعمۃ اللہ وغیرہ میں تحریر فرمائے ہیں ان میں حضرت علامہ نے اپنی بہت سی کتب کا بھی تذکرہ فرمایا ہے:

آخر عمر میں آپ نے اس بات کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ میں تمام علوم اجتہاد جمع فرما دیئے ہیں اس پر اس زمانہ کے علماء نے ان سے اختلاف بھی فرمایا لیکن حضرت علامہ سیوطی نے ان کے جواب میں کئی کتب تالیف فرمائیں اور ان کے تفصیلی جوابات لکھے اور ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام "الرد علی من اخلد الی الارض" رکھا (مطبوعہ ہے) اس میں فرماتے ہیں اس وقت مشرق سے مغرب تک پوری روئے زمین پر کوئی آدمی علم حدیث اور عربی دانی میں مجھ سے آگے نہیں ہے سوائے حضر یا قطب یا ولی اللہ کے۔ تفصیل کے لئے فیض القدیر شرح جامع صغیر ۱/۱۲۱۱ ملاحظہ فرمائیں۔

جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ مسند تدریس

آپ کے سترہویں سال ۸۶۶ھ سے لغت اور علم فقہ کی مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے اور حدیث کے املاء کے لئے ۸۷۲ھ میں مسند نشین ہوئے جس کے لئے ان کے استاد مکرم شیخ تقی الدین شمنی نے تصدیق فرمائی۔

کراماتِ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ

جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت امام سیوطی کو ظاہری علوم عطا فرمائی کہ آپ کو عالم یگانہ روز بنایا تھا وہاں پر آپ کو باطنی علوم اور ولایت خاص عطا فرمائی تھی اور یہ سب آپ کے روحانی مقام و مرتبہ ہی کی بدولت تھا کہ آپ نے تقریباً سات سو کتب مختلف علوم وفنون میں تصنیف فرمائی تھیں، چنانچہ امام شعرانی اور ابن العماد حنبلی ارشاد فرماتے ہیں:

اگر آپ کی کثرت تصانیف اور تدقیقات کے علاوہ کوئی اور کرامت نہ ہوتی تو یہ بھی ان کی جلالتِ شان کے لئے کافی تھا اس شخص کے لئے جو قدرت خداوندگی پر ایمان رکھتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ ستائیس قدم پر مکہ پہنچ گئے

علامہ جلال الدین سیوطی کے خادم محمد بن علی المبارک بیان کرتے ہیں کہ ان کو علامہ سیوطی نے ایک دن دوپہر کو آرام کے وقت فرمایا جبکہ آپ اس وقت مصر میں مسجد قرافہ میں شیخ عبداللہ جیوشی کے ستون کے پاس تشریف فرماتے تھے۔ ہم عصر کی نماز مکہ میں پڑھنا چاہتے ہیں اس شرط پر کہ جب تک کہ میری وفات نہ ہو تم اس کرامت کا کسی کے سامنے ذکر نہیں کرو گے۔

میں نے عرض کیا بہت اچھا تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ آنکھیں بند کرو تو میں نے آنکھیں بند کرلیں پھر تقریباً ستائیس قدم اٹھائے ہوں گے کہ آپ نے فرمایا اپنی آنکھیں کھول دو جب میں نے آنکھیں کھولیں تو ہم باب معلاۃ پر پہنچ چکے تھے، پھر ہم نے امام خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت سفیان بن عیینہ وغیرہ کی (قبور مبارکہ کی) زیارت کی حرم میں داخل ہوئے، طواف کیا، ماءِ زمزم پیا اور مقامِ ابراھیم کے پیچھے بیٹھ گئے حتّٰی کہ ہم نے عصر کی نماز ادا کی اور زمزم کا پانی پیا۔

اس کے بعد علامہ سیوطی نے مجھے فرمایا اے فلاں ہمارے لئے زمین کا سمٹ جانا اتنا عجیب نہیں ہے جتنا یہ کہ مصر کا رہنے والا بیت اللہ کا مجاور ہمیں نہیں پہچانتا۔ پھر فرمایا اگر چاہو تو میرے ساتھ چلو اگر چاہو تو یہیں رہ جاؤ، حتیٰ کہ حجاج آجائیں۔

پھر تم ان کے ساتھ واپس آجانا میں نے عرض کیا کہ میں تو جناب کے ساتھ ہی واپس جاؤں گا، چنانچہ ہم باب معلاۃ کی طرف چلے اور مجھے فرمایا اپنی آنکھیں بند

کرلیں تو آپ نے سات قدم اٹھائے پھر فرمایا اپنی آنکھیں کھول دو جب میں نے آنکھیں کھولیں تو ہم جیوشی کے اسی ستون کے پاس تھے جہاں سے جاتے ہوئے روانہ ہوئے تھے پھر ہم حضرت عمر بن الفارض کے پاس گئے اور شیخ اپنے گدھے پر سوار ہوگئے اور اس طرح سے ہم آپ کے گھر تک جامع مسجد طولون میں پہنچ گئے۔

فائدہ: انسان روح اور جسم کا مرکب ہے روح لطیف ہے اور بدن کثیف چونکہ دیکھنے میں روح بدن کے تابع ہے لیکن جب انسان میں ملکہ ملکوتی یا ملکہ جبروتی پیدا ہوتا ہے تو بدن کی کثافت ختم ہوجاتی ہے اور روح غالب آجاتی ہے اسی غلبہ روحانی کی وجہ سے انسان مافوق العادۃ کام سرانجام دے دیتا ہے اگر ایسے کام ملکہ جبروتی (شیطانی طاقتوں) کی وجہ سے کفار اور بدکاروں سے ظاہر ہوں تو اس کو استدراج کہتے ہیں اور اگر خلافِ عادت مافوق الفطرت کام بلکہ ملکوتی (عالم ملائکہ والی صفات) کی وجہ سے کامل مؤمنین اولیاء اللہ سے ظاہر ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ کرامت ہوتی ہے جس سے اولیاء کا اعزاز و اکرام مقصود ہوتا ہے۔

چنانچہ جو حضرات تھوڑے سے وقت میں طویل فاصلہ طے کر لیتے ہیں وہ عام طور پر اسی ملکہ کے حاصل ہونے کی جوہ سے کرتے ہیں یا اس کے بغیر ہی محض اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ایسا ہوجاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ولی کی کرامت کہیں گے یہ مختصر وقت میں طویل سفر کرنے کی کرامات اولیاء کرام کے حق میں درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، سید عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ اہل سنت کے علماء کے نزدیک درست ہے اور علماء احناف و شوافع نے اس کو تسلیم کرتے ہوئے بہت سے مسائل کی اس پر بنیاد رکھی ہے۔ حوالہ کے لئے فتح القدیر ابن ہمام کا باب ثبوت النسب اور فتاویٰ ابن حجر مکی اور علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی کی جامع کرامات الاولیاء کا مقدمہ ملاحظہ ہو۔

بعض حضرات اس کرامت کو خود اولیاء کا ذاتی اختیار مانتے ہیں اور پھر اولیاء کے

حق میں ایسے ایسے کام اور عقیدے منسوب کرتے ہیں جو صرف اللہ کی ذات والی صفات کے ساتھ مخصوص ہیں ایسے حضرات کی خدمت میں سلطان الاولیاء حضرت خواجہ بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کر دینا ہی کافی ہے اگر سمجھ لیں تو ہدایت کے لئے یہ بھی کافی ہے۔ ورنہ گمراہ ہونے والوں کو ہدایت پر لانا ہمارا ے بس میں نہیں ہے۔

چنانچہ حضرات بایزید بسطانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے زمین کے لپیٹ لے جانے کا سوال کیا گیا (کہ اولیاء جہاں جانا چاہتا ہیں بہت کم وقت میں وہاں پہنچ جاتے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے؟) تو آپ نے ارشاد فرمایا اولیاء کے حق میں یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ ابلیس شیطان اور جنات بھی ایک لحظہ میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت اور مرتبہ نہیں ہے۔

(جامع کرامات اولیاء جلد ۱ ص ۶۷)

خواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی گئی (اس میں دیکھنے والے نے دیکھا کہ) حضرت سیوطی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث کے بارے میں سوال فرمارہے ہیں اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمارہے ہیں اے شیخ الحدیث اس کا جواب یہ ہے اور پوچھو۔

اس طرح کا خواب علامہ سیوطی نے بھی دیکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے فرمارہے ہیں اے شیخ الحدیث اور پوچھو۔ (جامع کرامات الاولیاء جلد ۲ ص ۱۵۸)

امام جلال الدین سیوطیؒ کا حضورؐ سے نجات کا سوال

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد شیخ عبدالقادر شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ کتاب الترجمۃ (للسیوطی) میں فرماتے ہیں کہ آپ بیان فرماتے تھے کہ میں نے جناب نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے حالتِ بیداری میں مشرف ہوا تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا: یا شیخ الحدیث) اے شیخ الحدیث میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں جنتیوں میں سے ہوں؟ ارشاد فرمایا ہاں پھر میں نے عرض کیا بغیر عذاب دیئے تو آپ نے ارشاد فرمایا آپ کو یہ بھی حاصل ہے کہ بغیر عذاب کے جنت میں جاؤ گے۔ (جامع کرامات اولیاء جلد۲ ص ۱۵۸)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ستّر سے زائد مرتبہ بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ تعالیٰ (تلمذ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے عرض کیا اے میرے آقا آپ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیدای میں کتنی مرتبہ زیارت فرمائی ہے؟ تو آپ نے فرمایا، ستر سے کچھ زیادہ مرتبہ۔

فائدہ: کہیں دور دراز علاقہ میں بیٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا بہت سے اولیاء کو حاصل ہوا ہے اس کی صحیح صورت یہ ہے کہ ان اولیاء کی روحانی طور پر بہت زیادہ ترقی ہوتی ہے جس سے نظر کی کثافت دور ہو جاتی ہے اور بعض مرتبہ اپنی ذاتی توجہ کرنے سے زیارت حاصل کرتے ہیں یا ان کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم سے حجابات زائل ہو جاتے ہیں اور یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جاتے ہیں اس میں کوئی وجہ استبعاد نہیں ہے بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ان اولیاء کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی وجود کی زیارت ہوتی ہے یہ درست نہیں اور نہ ہی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کی زیارت کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ مثال ہے حقیقت ہے نہیں۔

ابن الکتب (کتابوں کا بیٹا)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کو ابن الکتب کے نام یاد کیا جاتا تھا وہ اس وجہ سے کہ ان کے والد نے ان کی والدہ سے ایک کتاب منگوائی تو ان کو دردِ زہ شروع ہوگیا اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کتابوں کے درمیان میں ہی پیدا ہوگئے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات

وفات کے ساتھ روز قبل داہنے بازو میں ورم اٹھا جو وفات کا سبب بنا، شب جمعہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں وفات پائی اور اپنی عمر کے ۶۱ سال دس ماہ اٹھارہ یوم پورے کیے۔

دو جنازے

ان کا پہلا جنازہ حضرت عبدالوہاب شعرانی نے بعد نماز جمعہ جامع مسجد احمد اباریقی میں پڑھائی جس میں خلق کثیر شریک ہوئی ان کا دوسرا جنازہ جامع مسجد جدید مصر میں پڑھا گیا آپ کا مزار مبارک حضرات اہل علم وعوام کی زیارت گاہ ہے۔

روح اللہ روحہ وانار ضریحہ وافاض علیہ من رضوانہ کلما استارت بمولفاتہ القلوب ولمعت بانوارھا الغیوب

عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ

یہ ایک زبردست عالم، عابد، زاہد، امام حدیث، علم وعمل کے نمونہ آدمی تھے۔ ابن خلکان نے ان کی حیات پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک لطیفہ لکھا ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، اسے چھینک آگئی اس نے الحمد للہ نہیں کہا تو ابن مبارک نے کہا کہ اگر کسی کو چھینک آجائے تو اسے کیا پڑھنا چاہئے تو اس نے جواب دیا کہ الحمد للہ کہنا چاہئے تو آپ نے فرمایا یرحمک اللہ (اللہ تم پر رحم کرے) یہ سن کر حاضرین مجلس عبداللہ بن مبارک کے حسن ادب سے متحیر رہ گئے۔

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ الرقۃ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق عبداللہ بن مبارک کے پیچھے چل رہے تھے۔ گرد وغبار خوب اڑ رہا تھا۔ اتفاق سے قصر الخشب سے ہارون الرشید کی ایک باندی نے جھانک کر دیکھا تو اس نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں جن کے پیچھے ایک اژدہام کثیر چل رہا ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ خراسان کے ایک زبردست عالم ہیں جن کو عبداللہ بن مبارک کہا جاتا ہے اس ام ولد باندی نے کہا خدا کی قسم بادشاہ تو یہ کہلانے کے مستحق ہیں اس لئے کہ لوگ ان کے پیچھے کسی مقصد یا شرط کے ساتھ جمع نہیں ہوئے ہیں بلکہ ان کی غزارت علمی کی وجہ سے بطور فخر چل رہے ہیں۔ اہل علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے ملک شام میں کسی آدمی سے قلم مستعار لیا۔ اچانک آپ کو سفر درپیش آگیا۔ انطاکیہ کی طرف چلے گئے۔ قلم بھی بھول کر ساتھ لے گئے۔ جب آپ کو اس کا قلم انطاکیہ میں یاد آیا تو آپ فوراً پیدل تشریف لائے اور اس کا قلم واپس کیا۔ پھر وہاں سے واپس ہوئے۔

بعض کہتے ہیں کہ آپ جس جگہ پر بیٹھ جاتے تھے تو زمین انوار وبرکات سے منور ہو جاتی تھی۔ وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی۔

امام دمیری رحمۃ اللہ علیہ

امام دمیری کی تحصیل علوم

اہل علم لکھتے ہیں کہ استاذ کے اخلاق اور اس کے علوم کا اثر اس کے شاگردوں میں ضرور نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت وتبحر علمی کا اندازہ لگانا ہوتو ان کے شاگرد امام ابویوسف امام محمد اور عبد اللہ بن مبارک وغیرہ کا جائزہ لے لیجئے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے علوِ مرتبت سے واقف ہونا ہوتو ان کے شاگرد حافظ ابن قیم کی تصانیف کا مطالعہ کر لیجئے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رفعت عملی کو ملاحظ کرنا ہوتو ان کے شاگرد حافظ سخاوی کی تالیفات کا جائزہ لیجئے۔ حافط ابن ہمام کو سمجھنا ہوتو قاسم بن قطلوب آغا کو دیکھ لیجئے۔ حجۃ اللہ فی الارض قاسم النانوتوی کے تفوق وفسلفہ کو معلوم کرنا ہوتو ان کے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے علوم پر نظر ڈال لیجئے۔ امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی انفرادیت اور ممتاز شخصیت کو پرکھنا ہوتو ان کے شاگردوں خاص طور پر محدث یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا بدر عالم صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی اور فقیہ العصر مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف میں گیرائی اور گہرائی کو ملحوظ رکھے۔ اسی طرح اگر امام دمیری کی وسعت معلومات اوران کی شخصیت وشان علمی کا مشاہدہ کرنا ہوتو ان کی تصانیف میں خاص طور پر حیات الحیوان اوران کے اساتذہ کرام کی رفعت علمی کو دیکھئے۔ چنانچہ آپ کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے وقت کے مندرجہ ذیل یکتائے روزگار علماء وفقہاء سے علوم حاصل کئے۔

علم فقہ شیخ بہاء الدین سبکی جمال الدین اسنوی کمال الدین نویری مالکی وغیرہ سے حاصل کیا اور انہیں سے افتاء وتدریس کی اجازت ملی۔

علم ادب شیخ برہان الدین قیراطی رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہاء بن عقیل سے سیکھا۔

فن حدیث۔ الجامع للامام الترمذی شیخ علی المظفر عطار مصری، جمال عبدالمعطی بن کمال بن محمد، علی بن احمد فرضی دمشقی ابوالفرج بن القاری اور محمد بن علی حراروی وغیرہ سے حاصل کیا۔ بقول حافظ زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے آپ نے شیخ کمال الدین کمال کے درس ترمذی میں بھی شریک ہوکر استفادہ کیا۔ اسی طرح المسند الامام احمد شیخ کمال الدین محمد بن عمر جیب رحمہ اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ اور شیخ عفیف مطری رحمہ اللہ تعالیٰ سے مدینہ منورہ میں پڑھی اسی طرح دیگر علوم امام بلقینی رحمہ اللہ تعالیٰ سے حاصل کئے۔

علامہ دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتدریس

صاحب مترجم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقولہ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص فراغت تعلیم کے بعد تعلیم وتدریس میں لگ گیا تو گویا اس کا علم عند اللہ مقبول ہے اس ارشاد کے مطابق دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے بعد متعدد مقامات پر تدریس کا کام انجام دیا اور زیادہ تر مکہ مکرمہ اور قاہرہ میں تدریس وافتاء وتذکیر کا شغل رکھا۔ چنانچہ آپ کے سامنے شیخ صلاح الدین اقفہی نے جوف کعبہ میں زانوئے تلمذ طے کیا اور شیخ تقی الفاسی نے قاہرہ میں شاگردی کی۔

مورخین لکھتے ہیں کہ آپ مکہ میں دو سال تک تعلیم وتدریس میں مشغول رہے اور قاہرہ میں رہ کر آپ نے کئی جگہ تدریس کا کام انجام دیا۔ خاص طور پر شنبہ کے دن طلباء عزیز کے لئے باضابطہ وقت دیا کرتے تھے۔ قاہرہ ہی میں آپ القبلۃ العسیر سیہ میں درس حدیث دیتے چنانچہ حافظ سخاوی نے لکھا ہے کہ میں بھی ان کے درس حدیث میں

شریک رہا اور ان کی نظمیں سنیں۔ سبق محفوظ ہوا اسی طرح درسہ ابن البقرۃ باب نصر اور جامع ظاہری حسینیہ میں بعد نماز عصر بروز جمعہ اکثر وعظ ونصیحت کی تزکیر فرماتے۔

امام دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبادت وریاضت

مشہور ہے کہ علم بلا عمل کشجر بلا ثمر.

کہ علم بغیر عمل کے درخت بے پھل کی طرح ہے) کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن علامہ دمیری علم وعمل دونوں کے نمونے تھے۔ عبادت وریاضت کے پیکر تلاوت قرآن کی بیش بہا نعمت سے مالا مال، حج بیت اللہ کے دلدادہ کثرت صیام کے عادی، تواضع وخاکساری کے مجسمہ اوراد وظائف تو ان کی طبیعت ثانیہ تھی۔ چنانچہ ذکر اللہ کے وقت خوف وخشیت سے گریہ طاری ہوجاتا۔

کبھی کسی سے سختی اور تشدد سے کلام نہیں کیا۔ اپنے وقت کو ضائع نہیں کیا اور نہ کبھی لباس فاخرہ زیب تن کیا۔ آپ ان مبارک ہستیوں میں سے تھے جن کو اللہ جل شانہ نے حرمین شریفین کی مجاورت سے نوازا تھا بلکہ ان باکمال چنیدہ اشخاص میں تھے جن سے خرق عادت کے طور پر کشف وکرامات کا ظہور ہوتا تو اخفاء کی کوشش کرتے۔

شیخ مقریزی لکھتے ہیں کہ امام دمیری کی خدمت میں تقریبا دو سال رہا مجھے ان کی مجلس پسند آئی وہ کبھی کبھی مجھے والہانہ اشعار سناتے۔ شفقت ومحبت سے پیش آتے اور مجھے ان سے عشق ہوگیا تھا۔ ان کے عالی مرتبت بلند پایہ شخصیت، شہرت، اخلاق وکردار عبادت وریاضت میں مواظبت کی وجہ سے میں ان پر فریفتہ تھا۔ ایک دن مجھ سے امام دمیری نے فرمایا کہ آج میں نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا مجھے حج کرنے کا شوق ہے۔ حج کئے ہوئے بہت دن ہوگئے ہیں اور اب پھر اشتیاق رہتا ہے کچھ فرمایئے تو ان بزرگ نے یہ دعا پڑھنے کی تلقین کی:

﴿لاالٰہ الا اللہ الفتاح العلیم الرقیب المنّان﴾

چنانچہ اس دعا کی برکت سے اسی سال حج نصیب ہوا۔

سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں ۷۶۲ھ میں مکہ آئے اور حسب دستور حج کیا۔ اس کے بعد پھر مصر تشریف لے گئے۔ ۷۷۲ھ میں مکہ آئے اور اسی سال آپ کے شیخ بہاء الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال ہوگیا۔ شیخ بہاء الدین نے مرنے سے قبل دمیری کے بارے میں فرمایا کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اگر میرے سامنے دمیری رخصت ہوگئے تو میں کچھ ان کے لئے کروں گا ورنہ اگر میں ان سے پہلے دنیا سے رخصت ہوگیا تو یہ میری قبر پر تلاوت قرآن کردیا کریں۔

تقی الفاسی لکھتے ہیں کہ دمیری ۷۷۵ھ میں مکہ مکرمہ میں آکر مقیم ہوگئے۔ پھر آپ یہاں سے سکونت ترک کرکے چلے گئے۔ ۷۸۰ھ میں پھر آئے، پھر چلے گئے۔ پھر ۷۹۹ھ میں مکہ آئے۔ پھر قاہرہ چلے گئے۔ لیکن جب بھی مکہ آتے تو حج ضرور کرتے۔

امام دمیری کی اولاد

آپ نے مکہ مکرمہ کی زندگی فاطمہ بنت یحییٰ بن عیاد الصنہاجی مکیۃ سے نکاح کیا تو ان سے تین بچے پیدا ہوئے۔ ام حبیبہ، ام سلمہ، عبدالرحمٰن۔

پھر ان لڑکیوں کا نکاح جمال الدین محمد اور جلال الدین عبدالواحد بن احمد حنفی سے کردیا۔ چنانچہ ان دونوں سے اولاد ہوئی۔ پہلی لڑکی سے عبدالرحمٰن اور ابوالفضل محمد، دوسری لڑکی سے عبدالغنی پیدا ہوئے۔ ۷۶۲ھ میں صاحبزادی ام حبیبہ کا انتقال ہوگیا۔

امام دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات حسرت آیات

علامہ دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال قاہرہ میں جمادی الاولیٰ ۸۰۸ھ بمطابق ۱۴۰۵ھ میں ہوا اور مقبرۃ الصوفیۃ سعید السعداء میں دفن کمدیئے گئے۔ یہ دو اچھے شعر امام دمیری ہی کے کہے ہوئے ہیں:

بمکارم الاخلاق کن متخلقا
لیفوح نرشذا ذ ئک العطر الندی

ترجمہ: ''اچھے قسم کے اخلاق سے مزین ہو جاؤ تو تمہاری خوشبوئے عطر پھیل جائے گی۔''

واصدق صدیقک ان صدقت صدیقة
وادفع عدوّک باللتی فاذ التی

ترجمہ: ''اگر تم نے کسی سے دوستی کی ہے تو اسے نباہ ہو اور دشمن کی مدافعت شریفانہ انداز میں کرو کہ نیتجتاً وہ مخلص دوست بن جائے۔''

امام الحرمین کی وفات

ابن خلکان کہتے ہیں امام الحرمین کی وفات ۴۷۶ھ میں ہوئی۔ جس دن ان کا انتقال ہوا تو بازار بند ہو گیا جامع مسجد کے منبر توڑ دیئے گئے۔ ان کے شاگرد ۴۰۰ کے قریب گزرے ہیں۔ جب ان لوگوں کو استاذ کے انتقال کی خبر ملی تو ان سب نے دواتوں اور قلموں کو توڑ دیا۔ اسی حالت میں ان لوگوں نے تقریباً کئی سال گزار دیئے۔

نضر بن شمیل کا ایک علمی واقعہ

ابن خلکان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ نضر بن شمیل مامون الرشید کے دربار میں آئے تو دونوں حدیث کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ چنانچہ مامون الرشید نے ایک روایت ہشیم کی سند سے سیدنا عبد اللہ بن عباس تک روایت بیان کی اور وہ یہ ہے:

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت آدمی عورت کے دین اور خوبصورتی کی وجہ سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ تنگی سے نجات پا جاتا ہے۔

یہ روایت سن کر نضر بن شمیل نے کہا امیر المؤمنین ہشیم نے بالکل سچ روایت کی

ہے۔ ہم سے بھی فلاں نے فلاں سے بیان کر کے علی بن ابی طالب تک سند کا واسطہ پہنچا کر بیان کیا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت آدمی عورت کے دین ومذہب اور خوب صورتی کی وجہ سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ تنگی سے نجات پا جاتا ہے۔

نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ یہ سن کر مامون رشید سیدھے بیٹھ گئے حالانکہ وہ تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ پھر فرمایا نضر تم سداد کیسے کہتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا کہ سداد یہاں غلط ہے مامون نے کہا کیا تم میری اعراب کی غلطی نکال رہے ہو۔ میں نے کہا ہشیم نے اعراب کی غلطی کی ہے چنانچہ امیر المومنین نے کہنا مان لیا۔ پھر فرمایا اچھا سداد کے زیر زبر پڑھنے میں کیا فرق پڑ جائے گا میں نے کہا سداد (زبر کے ساتھ) دین میں درستی اور میانہ روی کو کہتے ہیں اور اسرار کے زیر کے ساتھ حاجت اور تنگی کو کہتے ہے اور جس کو آپ درست کر لیں اس کو سداد زیر کے ساتھ کہتے ہیں۔

مامون نے کہا کیا تم کو اس سلسلے میں عرب شعراء کا کوئی شعر یاد ہے میں نے کہا جی ہاں جیسے عربی کہتا ہے:

اضاعونی وای فتی اضاعوا

لیدم کریهة وسداد ثغر

ترجمہ: ”لوگوں نے مجھے تو ضائع کر دیا اور میرے علاوہ کون سے جوان ہیں جو میدان جنگ اور سرحد بندی میں برباد ہوئے ہیں۔“

چنانچہ مامون رشید نے یہ سن کر ایک رقعہ میں کچھ لکھا اور ایک خادم سے کہا کہ یہ رقعہ لے کر نضر بن شمیل کے ساتھ فضل بن سہل کے پاس چلے جاؤ جب فضل بن سہل نے وہ رقعہ کھول کر پڑھا تو یہ کہا اے نضر تم کو امیر المومنین پچاس ہزار درا ہم بطور انعام دینے کو تحریر فرمایا ہے۔ آخر کیا معاملہ ہوا مجھے بھی بتاؤ۔

نضر کہتے ہیں کہ میں نے فضل بن سہل سے سارا واقعہ بیان کیا۔ یہ سن کر فضل

بن سہل نے مزید تیس ہزار دراہم بطور انعام دیئے۔ چنانچہ میں اسی ہزار دراہم ایک حرف کے بدلہ میں بطور انعام لے کر چلا آیا۔

نضر بن شمیل کا انتقال مقام مرو میں ۲۰۴ھ میں ہوا۔ (وفات الاعیان)

ہارون رشید کے دربار میں امام یوسف کا علمی مقام

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں ان کا اصل نام یعقوب ہے۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ ایک رات میں بستر میں آرام کرنے کے لئے آیا تو اچانک کسی شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں باہر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ ہرثمہ بن اعین ہے۔ انہوں نے کہا کہ چلئے آپ کو امیر المؤمنین ہارون رشید یاد فرما رہے ہیں۔ یہ سن کر میں اپنے خچر پر سوار ہوا اور ڈرتا ہوا امیر المؤمنین کے گھر آ گیا۔ دروازے پر ہرثمہ سے پوچھا کہ بھائی امیر المؤمنین کے پاس اور کون بیٹھا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ عیسیٰ بن جعفر بیٹھے ہیں۔ پھر میں گھر میں داخل ہوا تو دیکھا امیر المؤمنین تشریف فرما ہیں۔ اور ان کی داہنی طرف عیسیٰ بن جعفر بیٹھے ہیں۔ چنانچہ میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔

ہارون رشید نے کہا ابو یوسف! میرے گمان میں ہم نے تم کو خوف میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم ہاں بلکہ جو میرے پیچھے ہیں وہ بھی خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر ہارون رشید تھوڑی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا اے یعقوب کیا تم کو معلوم ہے کہ میں نے تم کو کیوں بلایا ہے؟ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ ہارون رشید نے کہا میں نے تم کو اس لئے بلایا ہے؟ تاکہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ عیسیٰ بن جعفر کے پاس ایک باندی ہے میں نے ان سے یہ کہا کہ تم اس باندی کو مجھے ہبہ کر دو لیکن اس نے انکار کر دیا۔ خدا کی قسم اگر یہ ہبہ نہ کریگا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے عیسیٰ بن جعفر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے نزدیک باندی کی اس قدر اہمیت ہے کہ تم نے ہبہ کرنے سے انکار کر دیا ہے اور باندی سے تم نے اپنی قدر امیر المؤمنین کے یہاں گرا دی ہے۔ آخر کار باندی

بھی ہر حال میں تم سے چلی جائے گی۔ یہ سن کر عیسیٰ بن جعفر نے کہا کہ امیر المؤمنین نے دھمکی دینے میں بہت جلدی کر دی ہے آخر کار کوئی بات یا کوئی عذر تو سننا چاہئے۔ میں نے کہا اچھا بتا کیا بات ہے؟ یا کیا عذر ہے؟

عیسیٰ بن جعفر نے کہا کہ میں نے اس باندی کو طلاق اور آزاد نہ کرنے کی قسم کھائی ہے اگرچہ میرا سارا مال کیوں نہ لٹ جائے لیکن میں اس باندی کو فروخت نہیں کرسکتا اور نہ ہبہ کرسکتا ہوں۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہارون الرشید میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ابو یوسف اس مسئلہ کا کوئی حل نکل سکتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں نکل سکتا ہے۔ فرمایا کیسے؟ میں نے کہا یہ نصف باندی تو آپ کو ہبہ کردے اور نصف باندی آپ کو فروخت کردے تو گویا اور باندی نہ ہبہ ہوگی اور نہ فروخت ہوگی۔ عیسیٰ بن جعفر نے کہا ابو یوسف کیا ایسا کرنا جائز ہے۔ میں نے کہا ہاں جائز ہے۔

عیسیٰ نے کہا اچھا آپ گواہ رہے میں نے نصف باندی امیر المؤمنین کو ہبہ کردی اور نصف ایک ہزار اشرفیوں کے عوض خرید لی۔ امام ابو یوسف نے کہا اچھا میرے پاس باندی اور مال لایا جائے۔ چنانچہ دونوں نے باندی اور مال حاضر کردیا۔ امام ابو یوسف نے کہا اے امیر المؤمنین اب باندی کو لے لیجئے اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔

ہارون الرشید نے کہا اے یعقوب ایک چیز اور باقی رہ گئی ہے وہ بھی حل کردیجئے۔ میں نے کہا وہ کیا ہے فرمایا باندی تو مملوکہ ہے اور باندی کو حیض تک ترک جماع کرنا ضروری ہے۔ خدا کی قسم اگر میں نے یہ رات باندی کے ساتھ نہ گزاری تو میری جان نکل جائے گی۔ میں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ باندی کو آزاد کر کے اس سے شادی کرلیں اس لئے کہ آزاد عورت کے لیئے حیض تک ترک جماع کرنا ضروری نہیں ہے۔

ہارون الرشید نے کہا اچھا میں نے آزاد کردیا کون نکاح پڑھائے گا؟ میں نے کہا

میں نکاح پڑھاؤں گا چنانچہ مسرور اور حسین کے سامنے میں نے خطبہ پڑھا اور اس باندی کا نکاح ۲۰ ہزار اشرفیوں کے عوض مہر متعین کر کے ہارون الرشید سے کہہ دیا۔ اس کے بعد امام ابویوسف نے کہا اچھا حضور عالی جا آپ مہر کی رقم میرے پاس لے آیئے تا کہ میں باندی کو ادا کردوں۔ چنانچہ مہر کی رقم لا کر ادا کردی گئی۔

اس کے بعد امیر المؤمنین نے فرمایا ابویوسف اب آپ جا سکتے ہیں۔ اور مسرور سے یہ کہا کہ تم دو لاکھ درہم اور بیس کپڑوں کے تخت ابویوسف کو بطور انعام دیئے جاتے ہیں۔ ان کے گھر پہنچادو چنانچہ یہ انعام ابویوسف کے گھر پہنچادیا گیا۔ اھ (تاریخ بغداد)

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ امام ابویوسف کی مجلس میں ایک آدمی نہایت خاموش رہتا تھا کبھی کوئی بات پوچھتا ہی نہ تھا۔ ایک دن امام ابویوسف نے اس سے یہ کہا کہ بھائی تم کبھی کچھ پوچھتے ہی نہیں ہو۔ اس نے کہا جی ہاں اگر آپ کہتے ہیں تو سوال کرتا ہوں۔ بتایئے کہ روزہ دار کب افطار کرے؟ آپ نے فرمایا جب سورج چھپ جائے۔ اس نے کہ اگر نصف رات تک سورج نہ چھپے تو روزہ کب افطار کرے یہ سن کر امام ابویوسف ہنس پڑے اور فرمایا تم واقعی خاموش رہتے ہو میں نے تمہیں ابھارنے میں غلطی کی ہے اس کے بعد آپ نے یہ شعر پڑھا:

عجبت لازراء الغبی بنفسه
وصمت الذی قد کان بالقول اعلما

ترجمہ: ”میں غبی آدمی کو چھیڑ کر حیرت میں پڑ گیا جب اس نے خیالات کا اظہار کیا تو میں اس کی وجہ سے خاموش ہوگیا۔“

وفی الصمت بستر للغبی وانما
صحیفة لب المراء ان یتکلما

ترجمہ: ”سکوت غبی کے لئے پردہ ہے گفتگو کرنا آدمی کے دماغ کا صحیفہ ہے۔“

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ایک آدمی بعض علماء کی مجلس میں بیٹھتا لیکن بات بالکل نہ کرتا تھا۔ ایک دن اس سے یہ کہا گیا کہ بھائی تم بالکل بات نہیں کرتے ہو اس نے کہا اچھا یہ بتائیے کہ ہر مہینے ایام بیض کے روزے کیوں مستحب ہیں؟ عالم نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا اس پر اس آدمی نے کہا کہ ایام بیض کے روزے اس لئے مستحب ہیں کہ چاند کی انہی ایام بیض میں گہن لگتا ہے اس لئے اللہ جل شانہ نے یہ چاہا کہ آسمان میں کوئی نئی چیز ایسی سامنے نہ آئے۔ جس کا ظہور زمین میں نہ ہوا ہو اس موضوع پر یہ بہت عمدہ واقعہ ہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک آدمی امام شعبی کی مجلس میں بیٹھا تھا اور برابر خاموش رہتا تھا۔ ایک دن امام شعبی نے فرمایا بھائی تم بھی کچھ بولا کرو۔ اس نے کہا میں خاموش رہتا ہوں تو محفوظ رہتا ہوں اور سنتا ہوں تو علم میں اضافہ ہوتا ہے اس لئے کہ آدمی کا نصیبہ اس لئے سننے میں رکھ دیا گیا ہے اور زبان میں نصیبہ کسی دوسرے کے مستفید ہونے کے لئے ہے۔

ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ایک نوجوان امام شعبی سے گفتگو کر رہا تھا تو امام شعبی نے فرمایا کہ ہم نے یہ کبھی نہیں سنا کہ جوان نے کہا کیا آپ نے ہر علم کو سن لیا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ جوان نے کہا کچھ حصہ بھی نہیں سنا۔

شعبی نے فرمایا ہاں کچھ حصہ تو ضرور سنا ہے جوان نے کہا پھر یہ بات آپ کان کے اس خانہ میں رکھ لیجئے کہ جس کو آپ نے سنا ہے یہ سن کر امام شعبی خاموش ہو گئے۔

امام ابو یوسف کو سب سے پہلے قاضی القضاۃ کا خطاب دیا گیا اور سب سے پہلے فقیہ ہیں جنہوں نے علماء کا اس موجودہ نہج کے مطابق لباس متعین کیا ورنہ عام طور پر لوگوں کا لباس ایک ہی وضع قطع کا رہتا تھا۔ کسی آدمی کو لباس کے ذریعے ممتاز نہیں کر سکتے تھے۔

بعض مورخین لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن مسہر بغداد اور واسط کے درمیان چھوٹے

سے شہر مبارک میں قاضی تھے۔ جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ امیر المؤمنین ہارون رشید اور ان کے ساتھ امام ابو یوسف بصرہ تشریف لا رہے ہیں تو عبدالرحمٰن بن مسہر نے مبارک کے رہنے والوں سے کہا کہ تم لوگ میری ان دونوں سے تعریف کرنا۔

شہر والوں نے انکار کر دیا چنانچہ انہوں نے لباس تبدیل کر کے ان دونوں سے ملاقات کی اور جاتے مقام ہیں۔ شہر کے ہیں پھر جب وہ لوگ دوسرے بھی کہا کہ قاضی تو بس ہمارے شہر پر پہنچے تو انہوں نے دوسری جگہ بھی پہنچ کر یہی جملہ کہا کہ قاضی تو بس ہمارے شہر کے ہیں۔ سن کر ہارون رشید نے امام ابو یوسف کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا یہاں کے قاضی کیا تعریف صرف ایک ہی آدمی کر رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کی کارکردگی درست نہیں ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا امیر المؤمنین تعجب کی بات یہ ہے کہ قاضی خود اپنی تعریف کر رہا ہے۔ یہ سن کر ہارون رشید ہنس پڑے اور فرمایا کہ یہ قاضی صاحب تو ظریف اور دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں ایسے لوگ معزول نہیں کئے جاسکتے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات ماہ ربیع الاوّل ۱۸۲ھ میں ہوئی اور بعض لوگوں نے اس کے علاوہ تاریخ بیان کی ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے آخری لمحات

ابراہیم بن الجراح رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں امام ابو یوسف کے مرض وفات میں ان کی عیادت کے لئے پہنچا تو دیکھا کہ ان پر غشی طاری ہے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے سوال کیا:

ابراہیم! بتائیے حاجی کے لئے افضل طریقہ کون سا ہے؟ وہ پیدل رمی کرے یا سوار ہو کر؟

میں نے عرض کیا "پیدل کرنا افضل ہے۔"

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یہ درست نہیں۔"

"پھر سوار ہو کر رمی کرنا افضل ہوگا؟

میں کہا نہیں۔

امام ابو یوسف نے جواب دیا "یہ بھی درست نہیں"

پھر خود ہی فرمایا "جس رمی کے بعد کوئی اور رمی کرنی ہو اس کا پیدل کرنا افضل ہے اور جس کے بعد کوئی رمی نہ ہو، اسے سوار ہو کر رمی کرنا افضل ہے۔"

ابراھیم رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ مجھے مسئلہ معلوم ہونے سے زیادہ اس بات پر تعجب ہوا کہ ابو یوسف ایسی بیماری کی حالت میں بھی علمی مذاکرات کے کتنے شوقین ہیں؟ اس کے بعد میں ان کے پاس سے اٹھا اور ابھی دروازے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ گھر سے عورتوں کے رونے کی آواز آئی۔

معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

انا لله وانا اليه راجعون.

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا حضرت قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چپ کرا دینا

روایت میں ہے کہ حضرت قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ تشریف لائے تو ان کے پاس لوگوں کا بہت مجمع اکٹھا ہوگیا۔ انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جو پوچھنا چاہو پوچھو۔ وہاں پر امام ابوحنیفہ موجود تھے۔ اس وقت وہ بچے تھے انہوں نے لوگوں سے کہا کہ پوچھ لو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے جس چیونٹی نے بات کی تھی وہ نر تھی یا مادہ۔ چنانچہ لوگوں نے پوچھا حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ وہ مادہ تھی، ان سے پوچھا گیا کیسے؟ جواب دیا کہ قرآن میں لفظ قالت آیا ہے جس سے معلوم ہوتا کہ وہ مادہ تھی کیونکہ یہ صیغہ مونث ہی کیلئے مستعمل ہے اگر وہ نر ہوتی تو قال لفظ آنا چاہئے۔ (از حیات الحیوان ج ۲)

علم کا ادب

ابن السنی اور ابوالقاسم طبرانی نے ابان بن ابی عیاش سے اور مستغفری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے عامل عراق حجاج بن یوسف کو لکھا کہ حضرت انس بن مالک کی دیکھ بھال کرو اور ان کے ساتھ حسن وسلوک سے پیش آؤ اور ان کی مجلس میں حاضر ہوا کرو اور ان کو انعام واکرام سے نوازو۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں خود ایک دن حجاج کے پاس گیا تو حجاج نے مجھ سے کہا کہ اے ابا حمزہ میں اپ کو اپنا گھوڑا دکھلانا چاہتا ہوں۔ آپ اس کو

دیکھ کر مجھے بتلائیں کہ میرا گھوڑا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے سے کتنا ملتا جلتا ہے۔ چنانچہ اس نے وہ گھوڑا میرے سامنے لاکر کھڑا کردیا۔ میں نے اس گھوڑے کو دیکھ کر کہا:

"چه نسبت خاک را بعالم پاک" یعنی اس گھوڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ آپ کے گھوڑے کا چارہ لید اور پیشاب تک حصولِ ثواب کا ذریعہ تھا اور یہ تمہارا گھوڑا محض نمائشی اور نام آوری کے لئے پالا گیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ جواب سن کر حجاج غصہ سے سرخ ہوگیا اور کہنے لگا کہ اگر خلیفہ کا خط آپ کے بارے میں میرے پاس نہ آیا ہوتا تو میں آپ کے منہ پر ایسی ضرب لگاتا کہ العیاذ باللہ آپ کے آنکھیں نکل پڑتیں۔ میں نے جواب دیا کر تو ایسا کر نہیں سکتا۔ حجاج نے پوچھا کیوں میں نے جواب دیا کہ یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایسی دعا سکھائی تھی کہ جب میں اس کو پڑھ لیتا ہوں تو مجھ کو نہ کسی سلطان اور نہ شیطان اور نہ کسی درندے کا خوف رہتا ہے۔ میرا یہ جواب سن کر حجاج کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا اور ذرا ہوش میں آکر لجاجت سے گفتگو کرنے لگا کہ اے ابا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ یہ دعا اپنے برادر سنتی یعنی میرے لڑکے محمد بن حجاج کو بتادیں۔ میں نے کہا کہ ہرگز نہیں، میں علم کو اس کے اہل ہی میں تقسیم کروں گا۔ اس پر حجاج نے اپنے لڑکے سے کہا کہ تم بعد میں اپنے چچا حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر التجا کرنا اور وہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ لینا حضرت ابان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کہ تم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے مجھ کو بھی بلایا چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے کہا کہ اے ابا احمد آج یہ تمہارا میرے پاس آنا آخری ہے۔ اور یہ کہ تمہارا احترام تم پہ لازم ہے میں تم کو وہ دعا جو مجھ کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تھی بتلا رہا ہوں اور تم کو تنبیہ کرتا ہوں کہ یہ دعا کسی ایسے شخص کو نہ بتانا جو خدا سے نہ ڈرتا ہو، وہ یہ ہے:

میرے پاس: الله اكبر بسم الله على نفسي وديني بسم الله على اهلى ومالى بسم الله علىٰ كل شيء اعطانيه ربى بسم الله خير الاسماء بسم الله الذى لايضر مع اسمه داء بسم الله الذى لايضر مع اسمه شيء فى الارض ولا فى السماء وهو السميع العليم – بسم الله افتحت وعلى الله توكلت الله الله.

ربى لا اشرك به شيئا اسئلك – اللهم بخيرك من خيرك الذى لايعطيه احد غيرك عزّ جارك وجل ثناء ك ولا اله غيرك اجعلنى فى عبادك واحفظنى من شر كل ذى شر خلقته واتحرز بك من الشيطان الرجيم. اللهم انى احترس بك من شرك كل ذى شر واحترز بك منهم واقدم بين يدى بسم الله الرحمن الرحيم قل هو الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفواً احد ومن خلقى مثل ذلك وعن يمينى مثل ذٰلك وعن يسارى مثل ذٰلك ومن فوقى مثل ذٰلك ومن تحتى مثل ذلك—(حیات الحیوان جلد دوم)

تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

آپ ایک بلند پایہ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سلسلہ نسب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ ۲۰ اور ۲۱ شعبان ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۷ء کے درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ آپ نے ایک دینی ماحول میں آنکھ کھولی اور بچپن ہی سے جلیل القدر علماء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا، پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم شروع کی فارسی کی تمام مروجہ کتب اپنے والد محترم سے دارالعلوم میں پڑھیں۔ حساب فنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا حضرت مولانا منظور احمد صاحب سے حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کے درجہ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے جن عظیم المرتبت علمائے امت سے آپ نے شرف تلمذ حاصل کیا ان میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، مفتی اعظم ہند مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ فخر العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں آپ کا شمار نہایت ذہین اور محنتی طلباء میں ہوتا تھا اور امتحانات میں ہمیشہ امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے تھے اسی لئے اساتذہ آپ سے بے حد شفقت و محبت کا سلوک کرتے تھے۔ ۱۳۳۵ھ میں جب آپ فارغ ہوئے تو

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نے آپ کو ابتدائی کتب کی تعلیم کے لئے استاذ مقرر فرمایا پھر بہت جلد درجہ علیاء کے استاذ ہو گئے اور تقریباً ہر علم وفن کی جماعتوں کو پڑھایا۔ آپ کا درس ہمیشہ ہر جماعت میں مقبول رہا مگر دورہ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف اور عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا درس تو ایسا ہوتا تھا کہ مختلف ملکوں کے علماء اور اساتذہ بھی شریک ہونا سعادت سمجھتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا اس ۲۷ سالہ عرصہ میں انڈونیشیا، ملائیشیا، سنگا پور، برما برصغیر پاک وہند افغانستان، بخارا، سمرقند وغیرہ کے تقریباً تیس ہزار طلباء نے آپ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

ان میں سے ہزاروں اب بھی مختلف ملکوں میں دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ دارالعلوم کی تدریس کے دوران حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کے سلسلہ میں آپ سے کام لینا شروع کیا۔ وہ سوالات کے جوابات خود لکھتے اور آپ سے لکھواتے اور اصلاح وتصدیق کے بعد روانہ کر دیئے جاتے جب ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہو گئے تو ارباب دارالعلوم نے مختلف صورتوں سے دارالافتاء کا کام چلایا مگر ۱۳۴۹ھ میں یہ کام مستقل آپ کے سپرد کر دیا گیا، آپ کو اس عظیم کام کی اہمیت کا بہت احساس تھا کیونکہ دارالعلوم میں نہ صرف برصغیر بلکہ کونے کونے سے استفتاء موصول ہوتے تھے بلکہ دنیا بھر کے ملکوں سے مسلمان مختلف مشکل فقہی مسائل کے بارے میں آخری فیصلوں کے لیئے دارالعلوم دیوبند سے رجوع کیا کرتے تھے، آپ اپنی جگہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ صدر مفتی کے منصب کا حق پوری طرح ادا نہیں کر سکیں گے تاہم حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین دیوبندی کی سرپرستی امداد واعانت کے وعدے پر آپ نے یہ عظیم منصب قبول کیا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ نے صدر مفتی کے عظیم منصب کا حق پوری طرح سے ادا کیا اور قیام پاکستان تک اس عظیم عہدہ پر فائز رہے۔

آپ اپنے دور کے عظیم مفسر ومحدث، عالم بے بدل، مدبر عصر، فاضل اجل، فقیہ بے مثل، اور مفتی اعظم تھے بلکہ سلوک وتصوف کے امام، عارف اور شیخ کامل تھے، عالموں کے عالم اور اصحاب ارشاد کے صدر نشین تھے۔ آپ نے سلوک وتصوف میں ایک بلند مقام پایا تھا ابتداء میں آپ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے بیعت ہوئے پھر ان کی رحلت کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیعت ہوئے جنہوں نے آپ کی علمی وروحانی صلاحیتوں کو دیکھ کر ۱۳۴۹ھ میں آپ کو اپنا خلیفہ اور مجاز بیعت قرار دیا، حضرت حکیم الامت کے خلفاء ومجازین میں حضرت مفتی اعظم کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ حضرت حکیم الامت آپ پر خاص توجہ فرمایا کرتے تھے۔

آپ تقریباً بیس سال تک حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہے اور ان کی زیر نگرانی کئی عظیم تالیفات اپنے قلم فیض رقم سے تصنیف فرمائیں۔ جیسے احکام القرآن، حیلہ ناجزہ وغیرہ۔ آپ پر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایک خاص اعتماد تھا، حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''حضرت حکیم الامت تھانوی کو حضرت مفتی صاحب کی علمی وفقہی بصیرت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی ان سے مشورہ لیتے اور فتویٰ طلب فرماتے اور اس پر عمل فرماتے ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مفتی محمد شفیع کی عمر دراز کرے مجھے ان کی ذات سے دو خوشیاں ہیں ایک تو ان کے ذریعہ علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔''

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی اعظم ہمارے شیخ حضرت حکیم الامت کے علمی وروحانی جانشین اور ان کی تعلیمات اور شاہ صاحب کے عظیم ترجمان تھے۔''

حضرت حکیم الامت کے علاوہ دیگر اکابرین امت بھی آپ کی علمی وفقہی بصیرت پر مکمل اعتماد کرتے تھے ان میں حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ، علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ، مفتی حسن امرتسری رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہم جیسے مشاہیر علم وفضل بھی ہر معاملے میں آپ سے رائے لیتے تھے اور آپ کو وقت کا محقق، فقیہ، مدبر، مفسر اور مفتی اعظم تسلیم کرتے تھے۔ آپ نے تعلیم وتدریس، تبلیغ واصلاح اور خدمت افتاء کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور آپ کے قلم سے سینکڑوں تالیفات منظر عام پر آئیں۔ جن میں "تفسیر معارف القرآن ۸ جلدیں، احکام القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عزیز الفتاویٰ، جواہر الفقہ، اسلام کا نظام اراضی، ختم نبوت کامل، سیرت خاتم الانبیاء، مقام صحابہ، مجالس حکیم الامت وغیرہم علمی شاہکار ہیں۔

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دینی وعلمی خدمات کے علاوہ سیاسی وملی خدمات بھی انجام دی ہیں آپ نے اپنے شیخ ومربی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایماء پر تحریک پاکستان میں زبردست عملی حصہ لیا، اور کھلم کھلا مسلم لیگ کے نظریات کی حمایت وتائید فرمائی، حضرت حکیم الامت کے حکم پر قائداعظم کی دینی تربیت میں اہم کردار ادا کیا اور زعماء لیگ کی اصلاح کے لئے تبلیغ دین کا حق ادا کیا۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ ظفر احمد عثمانی کے شانہ بشانہ قیام پاکستان کے لئے کوشاں رہے، مسلم لیگ کی حمایت میں ایک تاریخ ساز فتویٰ بھی جاری کیا جس کی تائید برصغیر کے اکابر علماء نے کی، سرحد ریفرنڈم میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ طوفانی دورہ کیا اور رائے عامہ کو مسلم لیگ کے حق میں کرنے کے لئے بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب فرمایا اور شب وروز محنت کر کے ریفرنڈم میں کامیابی حاصل کی۔

قیام پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں قرارداد

مقاصد کی ترتیب وتدوین میں اہم کردار ادا کیا اور پھر آخر دم تک نظام اسلام کے نفاذ کے لئے جدوجہد فرماتے رہے۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رحلت کے بعد آپ جمیعت علماء اسلام پاکستان کے صدرت منتخب ہوئے اور بحیثیت صدر آپ نے ملکی وملی کاموں میں مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے عظیم کارنامے انجام دیئے علاوہ ازیں دینی تعلیم کے فروغ کے لئے ۱۳۷۰ھ میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں کراچی میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جو بہت جلد ایک مرکزی دارالعلوم کی شکل اختیار کیا اور آج پاکستان میں ثانی دارالعلوم دیوبند ہے۔ دارالعلوم سے ایک جریدہ "البلاغ" جاری کیا گیا جو بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے۔ بہر حال آپ ساری زندگی دین کی خدمت میں مصروف رہے اور مفتی اعظم پاکستان کی حیثیت سے آخر دم تک مسلمانوں کی اصلاح وفلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ ۹/۱۰ شوال المکرم ۱۳۹۶ھ ۶ اکتوبر ۱۹۷۶ء کی درمیانی شب میں رحلت فرمائی۔ ایک لاکھ سے زائد عقیدت مندوں نے نماز جنازہ پڑھی اور دارالعلوم کراچی کے احاطہ میں تدفین ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
(بحوالہ کاروان تھانوی)

علمی حمیت

فن ادب کے مشہور امام کسائی ایک مجلس علماء میں اکثر جایا کرتے تھے ایک دن جو وہاں پہنچے تو بہت خستہ ہوگئے تھے اپنی خستگی ظاہر کرنے کے لئے انہوں نے کہا عییت (بالتشدید) یعنی میں تھک گیا اہل مجلس نے ٹوکا کہ تم غلط لفظ استعمال کررہے انہوں نے وجہ دریافت کی تو جواب ملا کہ اگر تمہاری مراد ماندگی ہے تو اعییتُ کہو اور اگر درماندگی کا اظہار مقصود ہے تو لفظ عَیِیتُ بالتخفیف استعمال کرو۔ کسائی کے دل پر اس اعتراض سے چوٹ لگی اور فوراً مجلس سے باہر نکل آئے اور یہ تہیہ کرلیا۔ کہ وہ فن سیکھنا چاہئے جس سے پھر آئندہ واپسی خفت کسی محفل میں حاصل نہ ہو۔ یہ عزم کرکے فن

ادب کے استاد یگانہ خلیل بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پڑھنا شروع کیا مگر جو مرتبہ امامت ان کو اس فن میں ملنے والا تھا اس کے حصول کے لئے خلیل کی مجلس کافی نہ تھی۔

ایک دن ایک بدوی نے ان پر طعن کیا کہ تم بنی تمیم اور بنی اسد کو چھوڑ کر عربیت حاصل کرنے بصرہ آئے ہو۔ یہ چھبتا ہوا فقرہ کسائی کے دل میں لگ گیا اور اپنے استاد سے کسی موقعہ پر انہوں نے پوچھا کہ آپ نے فن ادب کہاں سے سیکھا، استاد نے جواب دیا کہ حجاز، تہامہ اور نجد کے جنگلوں میں۔ یہ سن کر کسائی کے سر میں تازہ سودا پیدا ہوا اور شہر چھوڑ کر صحرا کی راہ لی۔ اور قبیلہ در قبیلہ اتنے پھرے کہ اس فن کے امام بن گئے۔ جس کے نہ جاننے سے شرمندہ ہونا پڑا تھا۔ کیا مبارک تھی کسائی کی غلطی جس نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو صحیح عربی پر قادر کردیا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگلے مسلمانوں کی علمی حمیت کیسی حساس تھی، جس کو جوش میں لانے کے لئے ادنیٰ تحریک کافی ہوتی تھی۔ (خزینہ)

گلدستۂ خواتین

(جدید ایڈیشن)

حائضہ اور مستحاضہ کی تعریف، احکام و مسائل اور ایام مخصوصہ میں روزہ اعتکاف، حج وعمرہ، قرآن کی تلاوت ذکر واذکار اور طلاق وعدت، سفر اور مسجد میں داخل ہونے اور نفاس کے احکام و مسائل پر مشتمل جامع اور مکمل کتاب

تالیف وترتیب

بنت خلیل احمد قریشی

فاضلہ مدرسہ دار العلوم فیض القرآن للبنات

جیل روڈ، ہیر آباد، حیدر آباد (سندھ)

ناشر

اسلامی کتب خانہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ☎ ۴۹۲۷۱۵۹